اے محبوب تم کہہ دو کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ
تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔
(آل عمران ۳۱)
جلد سیزدہم
سیرت النبی ﷺ
والدین مصطفیٰ
محمد ﷺ
مؤلف : طالب حسین کرپالوی
اسلامیہ دارالتبلیغ مکان نمبر ۱۲۹۲ گلی نمبر ۱۳ سکتہ کالونی گمبر ۳ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

اے محبوب تم کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

(آل عمران ۳۱)

جلد (۱۳) سیزدہم

سیرت النبیؐ

والدینِ مصطفےٰ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
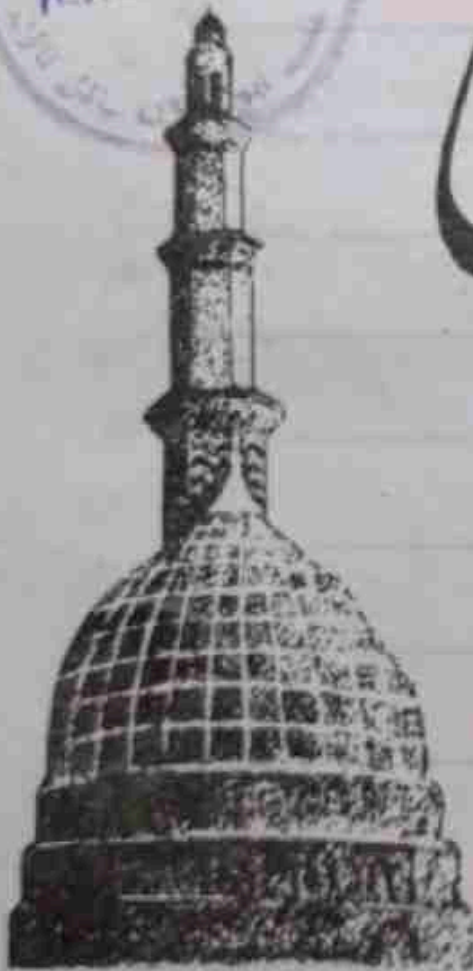
مؤلف: طالب حسین کرپالوی

اسلامیہ دار التبلیغ مکان نمبر ۱۰ گلی نمبر ۳۱ نزد چاندنی چوک افضل روڈ۔
سانده کلاں۔ لاہور

اسمِ کتاب ——— والدینِ مصطفیٰ ﷺ

جلد ——— سیزدہم

از سلسلہ ——— سیرت النبی ﷺ

ناشر ——— اسلامیہ دارالتبلیغ، لاہور

کتابت ——— حق برادرز کمپیوٹر سنٹر، لاہور

مطبع ——— معراج دین پرنٹرز، لاہور

بار ——— اوّل

تاریخِ اشاعت ——— ۵ رجون ۱۹۹۲ء

ہدیہ ——— ایک سو روپے

فہرست

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جملہ آباؤ اجداد کے مومن و موحد ہونے پر تاریخی شواہد

اس موضوع پر ایک اجمالی دلیل :

و ثبت فی صحیح البخاری من حدیث عمرو ابن ابی عمر و عن سعید المقبری عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ(البدایۃ و النھایۃ جلد دوم ص ۲۵۶)

ترجمہ :۔ صحیح بخاری میں عمرو بن ابی عمرو عن سعید المقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میں بنی آدم میں ہر دور کے بہترین قرن (خاندان) میں مبعوث ہوا یہاں تک کہ میں اس قرن میں آیا جس میں تم مجھے پاتے ہو۔

بسند صحیح علی شرط الشیخین عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ماخلت الارض من بعد نوح من سبعۃ یدفع اللہ بھم العذاب عن اھل الارض(الدرج المنیفۃ صفحہ نمبر۹)

ترجمہ :۔ امام بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق سند صحیح علی شرط الشیخین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کبھی بھی زمین سات آدمیوں سے خالی نہ رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین پر عذاب نہیں کرتا تھا۔

توضیح

مذکورہ دونوں احادیث جن کی صحیح امام بخاری اور مسلم کے نزدیک بھی مسلم ہے اس لئے ان پر کسی نے جرح نہیں کی ان دونوں احادیث میں سے پہلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کو سب سے بہترین قرن قرار دیا اور بہتری جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتری ہو اور وہ ایمان و توحید کا اقرار و تصدیق ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی کافر و مشرک نہ تھا کیونکہ ولعبد مومن خیر من مشرک ۔ کے واضح ارشاد سے عبد مومن کو مشرک اور کافر سے بہتر کہا گیا اگر معاذ اللہ آپ کے والدین کو کافر یا مشرک کہا جائے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث پاک "قرون الخ" کا انکار لازم آتا ہے حالانکہ اس کی صحت مسلم ہے اسی طرح دوسری حدیث شریف کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد ہر دور میں کم از کم سات آدمی اس شان و شوکت والے موجود رہے کہ جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے

اہل زمین سے عذاب دور کئے رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم یہ سات افراد اپنے دور کے سب سے اعلیٰ درجہ کے مومن اور موحد ہوں گے کیونکہ کسی کافر اور مشرک کی وجہ سے اہل دنیا پر عذاب آتا تو ہے رفع نہیں ہوتا ان سات برگزیدہ انسانوں میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد یقیناً" شامل ہیں کیونکہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کو زمانہ کے بہترین لوگ قرار دیا لہٰذا اگر آپ کے والدین کریمین کو اسلام سے خارج قرار دیا جائے تو پھر حدیث اول کے اعتبار سے کافر اور مشرک بہترین آدمی قرار پائے گا اور یہ کہنا نص قرآنی کے بالکل خلاف ہے لہٰذا ان دو احادیث اور آیت کریمہ "و لعبد مومن خیر من مشرک" کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک عقل مند یہی نتیجہ نکالے گا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ تمام آباؤ اجداد مومن موحد تھے اور اپنے اپنے دور کے بہترین صاحب ایمان و توحید تھے۔

آدم تا نوح علیہ السلام تمام لوگ موحد تھے

و فی صحیح البخاری عن ابن عباس قال کان بین اٰدم و نوح عشرۃ و قرون کلھم علی السلام فان کان المراد بالقرن مائتہ سنتہ کما ھوالمتبادر عند کثیر من الناس فبینھما الف سنتہ لا محالتہ (البدایہ و النہایہ جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۰)
(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ نمبر ۵۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن تھے ان تمام قرنوں میں لوگ مسلمان تھے اگر قرن سے مراد سو سال ہوں جیسا کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک یہی ہے تو پھر آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ ہو گا۔

نوح سے تا ابراہیم علیہما السلام بھی سب لوگ مسلمان تھے

عن ابن عباس قال و تزوج نوح امراۃ من نبی قابیل فولدت لہ غلاما فسما ہ یونا طن فولد بمدینتہ بالمشرق یقال لہ معلنور شمسا فلما ضاقت بھم سوق الثمانین تحولوا الی بابل فبنوھا و ھی بین الفرات والصراۃ و کانت اثنی عشرۃ فرسخا فی اثنی عشرفرسخا و کان بابھا موضع دور ان الیوم فوق جسر الکوفتہ یسرۃ اذا عبرت فکثرو بھاحتی بلغوا مائتہ الف و ھم علی الاسلام و ھم ببابل حتی ملکھم نمروذ بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح فدعا ھم الی عبادۃ الاوثان فعملوا (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۳۲ تا ۳۴)

ترجمہ۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے قابیل کے خاندان میں سے ایک عورت سے شادی کی اس سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یوناطن رکھا گیا اس کی پیدائش معلور جگہ پر ہوئی پھر جب حضرت

نوح کی اولاد اس قدر زیادہ ہو گئی کہ بازار بھی ان کے لئے تنگ ہو گئے تو آپ اپنی اولاد کو لے کر بابل چلے گئے وہاں
اپنے رہنے کے ۔لئے مکانات بنا لئے فرات اور صرات کے درمیان ۱۴۴ مربع میل پر یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے اس آبادی
کے مکانات کا دروازہ کوفہ کے پل کی بائیں طرف تھا جس جگہ کا نام دوران تھا ان میں پھر اضافہ ہوا حتی کہ ایک لاکھ
تک کی آبادی ہو گئی اور یہ سب کے سب مسلمان تھے بابل میں ان کے رہتے ہوئے نمرود ابن کوش ان کا حاکم بن گیا
یہ خود بت پرست تھا اس لئے اس نے ان لوگوں کو بھی بت پرستی کی دعوت دی اور انہوں نے اس کا کہا مان لیا۔

آزر کون تھا؟

مسئلہ زیر بحث آیا کہ آزر بت تراش وبت پرست جناب ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تھا' انتہائی اہم مسئلہ ہے کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی باپ تھا تو مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب شائبہ کفر و شرک سے مبرا و منزہ تھا باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

آیئے اب اس مسئلہ کی تحقیق کریں' بدقسمتی سے عہد ابراہیمیؑ کی کوئی تاریخ موجود نہیں جس سے اس حقیقت پر کچھ روشنی پڑ سکے اس موضوع پر جو مواد مہیا ہو سکتا ہے وہ تورات' قرآن اور احادیث ہیں اور ان ہی مآخذ سے حتی المقدور ہم اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہ تو حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں آزر کو جناب ابراہیمؑ کا باپ کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ انعام آیت ۷۵)

(اے رسول اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے اب آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو' میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

عرف عام میں لفظ "اب" باپ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس لئے آیہ مذکور الصدر کو پڑھنے کے بعد فوراً جس طرف خیال جاتا ہے وہ یہ ہی ہے کہ آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا لیکن تورات سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی توریت میں حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی باپ کا نام "تارخ" دیا ہوا ہے چنانچہ توریت "کتاب پیدائش' باب ۱۱' آیت ۲۷ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اور یہ تارخ کا نسب نامہ ہے تارخ سے ابرام اور نحور اور حاران پیدا ہوئے اور حاران سے لوط پیدا ہوا"

غالباً اسی لئے علمائے اسلام میں جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے نام کی تعین میں اختلاف ہے۔ جمہور مورخین' محدثین اور نسابین کا اس امر پر تو اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارح یا تارخ تھا لیکن اس چیز میں اختلاف ہے کہ آیا تارخ اور آزر ایک ہی شخص کے نام ہیں - یا یہ دو شخص ہیں ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ تارخ اور آزر ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ تارخ اصل نام ہے اور آزر اس کا لقب ہے۔ دوسرا گروہ اس طرف گیا ہے کہ تارخ حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی باپ ہیں جو موحد اور مومن تھے اور آزر آپ کا چچا تھا اور یہ مشرک اور بت پرست تھا۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ عرب چچا کے لئے بھی لفظ "اب" کا استعمال کرتے تھے چنانچہ قرآن کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (سورہ بقرہ' آیت ۱۳۳)

کیا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت کا سامنا ہوا اور انہوں نے اس وقت اپنی اولاد سے کہا کہ تم میرے بعد کس کو

معبود سمجھو گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم خدائے واحد کو جو تمہارا اور تمہارے آباء ابراہیمؑ اسمٰعیل اور اسحٰق کا معبود ہے' اپنا معبود سمجھیں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار اور اطاعت شعار ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت اسحٰق حضرت یعقوب کے حقیقی باپ تھے اور حضرت اسمٰعیل چچا تھے لیکن اس آیت میں چچا کے لئے بھی لفظ "اب" استعمال کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوگیا کہ زبان عربی میں چچا کے لئے لفظ "اب" مستعمل ہے اور اس میں کوئی غرابت نہیں ہے۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ زبان عربی میں لفظ "اب" کا اطلاق چچا پر بھی ہوتا ہے اب غور طلب چیز یہ ہے کہ آیا حضرت ابراہیمؑ کے چچا تھے بھی یا نہیں توریت کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے چچا تھے چنانچہ توریت کتاب پیدائش' باب ۱۱ آیات ۲۴' ۲۵ کے الفاظ یہ ہیں۔

"نحور انتیس برس کا تھا جب اس سے تارح پیدا ہوا۔

اور تارح کی پیدائش کے بعد نحور ایک سو انتیس برس اور جیتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں ان کے متعلق دونوں گروہوں کے اقوال معلوم ہوجانے کے بعد اور اس حقیقت کا علم ہو جانے کے بعد کہ حضرت ابراہیمؑ کے کئی چچا بھی تھے' ایک اور حقیقت کو ذہن نشین کرلینا ضروری ہے اور وہ استغفار کا صحیح مفہوم ہے۔ استغفار کے معنی ہیں بخشش طلب کرنا' گناہوں سے معافی مانگنا۔ لیکن یہ معنی مُستَغفَر کی نسبت سے تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اگر مومن کے لئے استغفار کی جائے تو وہ استغفار اس دعا کے مترادف ہوگی کہ خداوندا! اس کے گناہوں کو معاف کردے۔ یہ استغفار مرد مومن کی حیات میں بھی ہو سکتی ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ لیکن کافر اور مشرک کے معاملہ میں صورت حال جداگانہ ہے۔ مشرک کے لئے اس کی عین حیات میں استغفار کی جاسکتی ہے کیونکہ اس وقت اس کا مطلب اس دعا کے مرادف ہوگا کہ پروردگارا تو اس کو اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی توفیق عنایت فرما۔ لیکن شرک کی حالت میں مرجانے کے بعد اس کے لئے استغفار نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ استغفار قابل قبول نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں نص ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرَکَ بِہٖ وَ یَغفِرُ مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَّشَاءُ (سورہ' آیت ۴۹)

یعنی بہ تحقیق اللہ اس کو معاف نہ کرے گا کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو بھی جس کے حق میں چاہے گا بخش دے گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے پر اس کی اور وضاحت فرمادی۔ چنانچہ مسند امام احمد ابن حنبل میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک گناہ تین قسم کے ہیں' ایک وہ جس کی وہ پرواہ نہیں کرے گا۔ دوسرا وہ جس سے وہ مطلق درگزر نہیں کرے گا' تیسرا وہ جس کو وہ معاف نہیں کریگا۔ پس وہ گناہ جس کو وہ معاف نہیں کرے گا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ" اور وہ گناہ جس کی وہ پرواہ نہیں کرے گا وہ انسان کا حقوق اللہ کے سلسلہ میں اپنے اوپر ظلم کرنا ہے جیسے کسی دن کا روزہ یا نماز ترک کردینا۔ اس قسم کے گناہ میں اللہ چاہے تو اس سے درگزر کرے اور چاہے تو

اس کو نہ معاف کرے۔ اور وہ گناہ جس کی سزا سے وہ درگزر نہیں کرے گا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے"
(تفسیر ابن کثیر، جلد ا، ص ۵۰۸)

اتنا ہی نہیں کہ جو شخص حالت شرک میں مرا ہو اس کے لئے استغفار کرنا قابل قبول نہیں بلکہ اس کے لئے استغفار کی ممانعت ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں اسی آزر کے سلسلہ میں یہ آیت موجود ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۚ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (سورہ توبہ آیت ۱۱۴)

ابراہیمؑ کا اپنے اب کے لئے مغفرت طلب کرنا صرف اس وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا لیکن جب ان پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہوگئے۔ بلاشبہ ابراہیمؑ بہت بردبار تھے۔

اس آیت میں "جب ان پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے" کی تفسیر میں صاحب تفسیر جلالین لکھتے ہیں **بموتہ علی الکفر**، یعنی کفر کی حالت میں مرجانے سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہ دشمن خدا ہے۔ بیضاوی لکھتے ہیں: **تبین بان مات علی الکفر**، یعنی کفر کی موت مرنے سے واضح ہوگیا۔ (تفسیر بیضاوی، جلد ا ص ۳۶۲ مع تفسیر جلالین برحاشیہ) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

کان ابراهیم علیه السلام یستغفر لابیه مدة حیاته، فلما مات علی الشرک وتبین ابراهیم ذالک رجع عن الاستغفار له وتبرا منه (تفسیر ابن کثیر جلد ۲، ص ۱۵)

یعنی ابراہیمؑ اپنے باپ کے لئے اس کی مدۃ حیاۃ میں استغفار کرتے رہے لیکن جب وہ حالت شرک میں مرگیا اور ابراہیمؑ پر یہ صورت حال ظاہر ہوگئی تو وہ اس کے لئے استغفار کرنے سے رک گئے اور اس سے بے تعلق ہوگئے۔

پس یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ جو شخص حالت کفر و شرک پر مرے اس کے لئے استغفار کرنا نہیں چاہئے بلکہ اس شخص سے بالکل بے تعلق ہو جانا چاہئے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے اس کی پابندی بدرجہ اولیٰ ضروری ہے کیونکہ ان ہی کی وساطت سے یہ تمام احکامات امت تک پہونچتے ہیں۔ پس لازمی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آزر کے بحالت شرک مرجانے کے بعد جناب ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حق میں روز حساب مغفرت کی دعا ہرگز نہیں کی ہوگی۔

اب غور طلب چیز یہ ہے کہ آزر کب مرا تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کس وقت سے جناب ابراہیمؑ اس کے لئے استغفار کرنے سے باز رہے اور اس سے قطعی بے تعلق ہوگئے۔ تفاسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزر عم ابراہیمؑ کی وفات اس وقت ہوئی جب آزر اور اس کی قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کے بت پرستی کے خلاف احتجاج کرنے اور معبد کے بتوں کو توڑ ڈالنے کی پاداش میں آگ میں ڈالا اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس بے پناہ آتش کو ان کے لئے گلزار بنایا۔ اس واقعہ کو قرآن میں سورہ انبیاء کے اندر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی اپنے رسالہ **مسالک الحنفاء** میں لکھتے ہیں: ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں بہ سند صحیح سلیمان بن صرد (صحابی) سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب قوم ابراہیمؑ نے یہ ارادہ کرلیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں پھینک دیں تو وہ اس

انہماک کے ساتھ آگ روشن کرنے کے لئے ہیزم جمع کرنے لگے کہ کوئی ضعیف بڑھیا تک بھی گھر میں باقی نہ رہی جب انہوں نے ابراہیم کو آگ میں پھینکنے کا قصد کیا تو ابراہیمؑ نے کہا: حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل یعنی اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ جب انہوں نے ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یا نارکونی بردا" و سلاما" علی ابراھیم" یعنی اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو جا لیکن اتنی ٹھنڈی کہ ابراہیم کو کوئی نقصان نہ پہونچے بلکہ وہ صحیح و سالم رہے (چنانچہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور ابراہیمؑ صحیح و سالم رہے) فقال عم ابراھیم من اجلی دفع عنہ فارسل اللہ علیہ شرارۃ" من النار فوقعت علی قدمہ فاحرقتہ۔ یعنی یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ کے چچا نے کہا کہ میری بدولت اس سے یہ مصیبت ٹل گئی ہے۔ پس اللہ نے اس پر ایک آگ کا انگارہ ڈالا جو اس کے پیر پر پڑا اور اس نے اس کو جلا کر ہلاک کر ڈالا"

(الرسائل التسع للسیوطی' رسالہ مسالک الحنفاء' ص ۲۹) اس کے بعد علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔

فقد صرح فی ھذا الاثر عم ابراھیم' وفیہ فائدۃ اخری وھوانہ ھلک فی ایام القاء ابراھیم فی النار۔ یعنی اس روایت میں ابراہیمؑ کے چچا کی صراحت موجود ہے نیز اس میں اور بھی فائدہ ہے اور وہ یہ کہ وہ ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے کے زمانے میں ہلاک ہوا۔

حافظ ابن کثیر نے آیہ کریمہ "یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا"" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شعیب الجبائی کا قول ہے کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا' کان عمرہ اذ ذاک ست عشرۃ سنۃ" اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی (تفسیر ابن کثیرؒ جلد ۳' ص ۱۸۳)۔ امام بیضاوی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وکان اذ ذاک ابن ست عشرۃ سنۃ" یعنی آگ میں پھینکے جانے کے وقت ابراہیمؑ سولہ سال کے تھے۔ (تفسیر بیضاوی' جلد ۲' ص ۶۱)۔

علامہ طبری لکھتے ہیں: وقیل ان ابراھیم علیہ السلام القی فی النار وھو ابن ست عشرۃ سنۃ"" یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ سولہ برس کے تھے (تفسیر مجمع البیان' جلد ۴' ص ۵۴)

پس یہ چیز اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور اسی عمر میں اسی موقع پر ان کا چچا آزر بت پرست ہلاک ہوا۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو پچھتر برس کی ہوئی" چنانچہ توریت میں ہے "اور ابرہام کی کل عمر جب تک وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس کی ہوئی (توریت' پیدائش' باب ۲۵' آیت ۷)۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ آزر کے بحالت شرک ہلاک ہونے کے بعد حضرت ابراہیم ایک سو انسٹھ برس زندہ رہے اور اس مدت میں انہوں نے آزر کے لئے استغفار نہیں کیا۔

علامہ عطاء اللہ ابن فضل اللہ الملقب بہ جمال الحسینی اپنی مشہور کتاب "روضۃ الاحباب" میں لکھتے ہیں کہ آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے بعد سب سے پہلے جو حضرت ابراہیم پر ایمان لائیں وہ آپ کی چچا زاد بہن سارہ تھیں۔ اس کے بعد ان کے بھتیجے لوط ایمان لائے۔ کچھ مدت بعد جناب ابراہیمؑ نے حضرت سارہ سے شادی کی۔

جناب ابراہیمؑ برابر دین حق کی تبلیغ کرتے رہے۔ جب ان کی قوم نے دیکھا کہ لوگ دین ابراہیمی قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے جناب ابراہیمؑ کو قتل کرنے کی سازش کی حضرت لوطؑ کو اس کا علم ہوگیا' انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اس سازش کی خبردی۔ جناب ابراہیمؑ اپنی زوجہ سارہ اور اپنے بھتیجے لوط کو ساتھ لیکر ملک کنعان کی طرف ہجرت کر گئے۔
(روضۃ الاحباب' جلد ا' ص ۲۸' مطبوعہ انوار محمدی پریس لکھنؤ)
ملامعین کاشفی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی عمر اڑتیس برس کی تھی (معلوج النبوۃ' رکن اول' ص ۳۳۴)۔

اسی واقعہ ہجرت کی طرف قرآن مجید کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے
وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ○ (سورہ انبیاء' آیت ۷۱)
یعنی ہم نے ابراہیمؑ اور لوط کو (سرکشوں سے) صحیح و سالم نکال کر اس سرزمین (بیت المقدس) میں پہونچا دیا جس میں ہم نے سارے جہان کے لئے برکت عطا کی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کی تفصیلات از روئے توریت اور زمانہ ہجرت کے اہم واقعات

(۱) توریت میں ہجرت کی ابتداء اس آیت سے ہوتی ہے:۔

"اور تارح نے اپنے بیٹے ابرام کو اور اپنے پوتے لوط کو جو حاران کا بیٹا تھا اور اپنی بہو سارہ کو جو اس کے بیٹے ابرام کی بیوی تھی' ساتھ لیا اور وہ سب کسدیوں کے اور سے روانہ ہوئے کہ کنعان کے ملک میں جائیں اور وہ حاران تک آئے اور وہیں رہنے لگے" (توریت' پیدائش' باب ۱۱' آیت ۳۱)

توریت کی یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ تارح پدر ابراہیمؑ مومن تھے جو قوم کے سرکش بت پرستوں سے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو نکال کر ہجرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگر آزر عم ابراہیم کی طرح وہ بھی بت پرست ہوتے تو وہ بھی انھیں کم وبیش ایسے ہی الفاظ میں سرزنش کرتے کہ اے ابراہیمؑ! تو اپنی حرکت سے باز آجا ورنہ میں تجھ کو سنگسار کر دوں گا۔

(۲) پھر بحکم خدا جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر پچھتر سال کی تھی تو انہوں نے حاران سے کنعان کی طرف ہجرت کی اور حوالئ بیت المقدس میں آباد ہوگئے۔ توریت کی مندرجہ ذیل آیات اس حقیقت پر شاہد ہیں:۔

"اور خداوند نے ابرام سے کہا کہ تو اپنے وطن اور اپنے ناتے داروں کے بیچ سے اور اپنے باپ کے گھر سے نکل کر اس ملک میں جا جو میں تجھے دوں گا" (توریت' پیدائش' باب ۱۲' آیت ۱)۔

"سو ابرام خداوند کے کہنے کے مطابق چل پڑا اور لوط اس کے ساتھ گیا اور ابرام پچھتر برس کا تھا جب وہ حاران سے روانہ ہوا" (ایضاً" آیت ۴)

"اور وہاں سے کوچ کر کے (ابرام) اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اور اور اپنا ڈیرا ایسے لگایا کہ بیت ایل مغرب میں اور عی مشرق میں پڑا اور وہاں اس خداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند سے دعا کی" (ایضاً" آیت ۸)

(۳) پھر ملک کنعان میں قحط پڑا اور جناب ابراہیمؑ مع لوط وسارہ سرزمین مصر کی طرف گئے۔ وہاں کے بادشاہ نے آپ کی زوجہ حضرت سارہ کو چھیننا چاہا مگر خدا کے فضل سے وہ اپنے ناپاک ارادوں میں ناکام رہا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ کو بہت کچھ مال و متاع' مویشی اور غلہ دیکر بعزت رخصت کیا۔

(توریت 'کتاب پیدائش' باب ۱۲' آیات۔ الغایت ۲۰)

(۴) مصر سے روانہ ہو کر جناب ابراہیمؑ پھر کنعان میں مقام بیت ایل آئے اور پھر یہیں رہنے لگے۔ اس پر توریت کی یہ آیات شاہد ہیں:۔

"اور ابراہیمؑ مصر سے اپنی بیوی اور اپنے سب مال اور لوط کو ساتھ لیکر کنعان کے جنوب کی طرف چلا"

"اور برام کے پاس چوپائے اور سونا چاندی بکثرت تھا"

اور وہ کنعان کے جنوب سے سفر کرتا ہوا بیت ایل میں اس جگہ پہونچا جہاں بیت ایل اور عی کے درمیان اس کا ڈیرا تھا"

توریت 'پیدائش' باب ۱۳' آیات۔ ۳)

(۵) جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس کی ہوئی تو حضرت ہاجرہ کے بطن سے ان کے ایک لڑکا ہوا جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔

توریت میں ہے:۔

"اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا" (توریت 'کتاب پیدائش' باب ۱۶ آیت ۱۶)

(۶) پھر جب حضرت ابراہیم کا سن سو سال کا ہوا تو ان کے سارہ کے بطن سے اسحٰق پیدا ہوئے۔ توریت میں ہے اور جب اسکا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرہام سو برس کا تھا (توریت کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۵)

مذکورہ بالا بیان سے حقیقت اچھی طرح نکھر کر سامنے آگئی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے چھیاسی سال کی عمر میں حضرت اسمٰعیل اور سو سال کی عمر میں حضرت اسحاق پیدا ہوئے اب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں:۔

الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق ط اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیلؑ و اسحٰق دو فرزند عطا کئے۔

رَبِّ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ○ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَاءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (سورہ ابراہیم' آیات ۳۹ تا ۴۱)

اس میں شک نہیں کہ میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔ اے میرے پالنے والے مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنائے رکھیو۔ پالنے والے میری یہ دعا قبول فرما لے۔ اے ہمارے پروردگار! قیامت میں تو مجھ کو' میرے ماں اور باپ کو اور تمام مومنین کو مغفرت نصیب فرمانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء "اے ہمارے پروردگار! قیامت کے دن تو مجھ کو' میرے ماں اور باپ کو اور تمام مومنین کو مغفرت نصیب فرمانا" کو جب آیات ماسبق کے سیاق اور جو کچھ ہم اوپر پیش کر چکے ہیں اس کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ جناب ابراہیم نے یہ دعا' اپنے والدین اور مومنین کی مغفرت کے لئے اس وقت فرمائی جب آپ کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی کیونکہ جیسا کہ ہم بحوالہ توریت اوپر عرض کر چکے ہیں' حضرت اسحٰق کی ولادت اس وقت ہوئی تھی جب آپ کی عمر سو سال کی تھی۔

(۲) یہ دعا بروز قیامت مغفرت کے لئے آزر کے واسطے نہیں ہو سکتی کیونکہ آزر بحالت کفر و شرک اس وقت ہلاک ہو چکا تھا جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی۔

(۳) یقیناً" جناب ابراہیمؑ کی یہ دعا ان کے حقیقی باپ تارح یا تارخ کے لئے ہے جن کو جناب ابراہیم' ایمان کے اعتبار سے مومنین کی صف میں جگہ دے رہے ہیں اور جن کے ایمان کے متعلق ہم اوپر یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ بعد واقعہ القاء فی النار' وہ حضرت ابراہیم' لوط اور سارہ کو قوم کے مظالم سے بچا کر حاران لے گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے تھے۔

پس یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' آپ کا والد نہیں تھا۔ آپ کے والد تارخ تھے اور تارخ اور ان کی زوجہ دونوں موحد اور مومن تھے۔ شرک اور بت پرستی سے ان کا چشم زدن کے لئے بھی واسطہ نہیں رہا۔

قرآن حقیقت میں معجزہ ہے جس مسئلہ شرعیہ میں بھی مسلمان اختلاف کرتے ہیں اگر فرقہ وارانہ عصبیت سے دور رہتے ہوئے قرآن سے ہی اس کا حل تلاش کریں تو قرآن اس کا حل پیش کر دیتا ہے۔ اسی مسئلہ ایمان پدر ابراہیم کو لے لیجئے۔ قرآن میں آزر کو اب ابراہیم کہا گیا ہے۔ چونکہ لفظ "اب" مشترک المعانی ہے۔ باپ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور چچا کے لے بھی' اس لئے جن علماء نے ظاہر پر حکم لگایا انہوں نے آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ قرار دیا۔ جن لوگوں کی نظر میں آنحضرت صلعم کی یہ حدیث تھی کہ اللہ ہمیشہ مجھے پاک و پاکیزہ مردوں کے صلبوں سے طیب و طاہر رحموں میں منتقل کرتا رہا' انہوں نے آزر بت پرست کو آپ کا چچا قرار دیا اور تارخ کو آپ کا حقیقی باپ تسلیم کیا۔

اس طرح مسلمانوں میں حضرت ابراہیم کے حقیقی باپ کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا۔ قرآن نے حضرت ابراہیم کی اس دعا میں کہ پروردگارا! تو قیامت کے دن میری، میرے ماں باپ کی اور تمام مومنین کی مغفرت فرما دینا" "اب" کی بجائے لفظ والد استعمال کر کے یہ قطعی طور پر فیصلہ کر دیا کہ والد ابراہیم موحد اور مومن تھے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی لفظ والد یا والدین استعمال ہوا ہے، حقیقی باپ یا حقیقی ماں باپ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔

اب جو کچھ ہم نے اوپر عرض کیا ہے اس کی تائید میں ہم علامہ جلال الدین سیوطی کے افادات ان کے رسالہ "مسالک الحنفا" سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ ان کی عبارات کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے

"ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ جد پر بھی "اب" کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کی تائید میں وہ یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ "فرزندان یعقوب نے کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے آباء کے معبود کی عبادت کریں گے"

اور اسی ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ سے اللہ کے اس قول کی تفسیر میں کہ فرزندان یعقوب نے اپنے باپ کے سوال پر جواب دیا کہ ہم تمہارے اور تمہارے آباء ابراہیم و اسمٰعیل کے معبود کی عبادت کریں گے لکھا ہے کہ اس میں اسماعیل کو جو چچا تھے اب کہا گیا ہے۔

اور یہ ہی حقیقت اس روایات سے مترشح ہوتی ہے جو ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں سند صحیح کے ساتھ صحابی رسول حضرت سلیمان ابن صرو خزاعی سے نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا جب (قوم ابراہیم نے یہ تہیہ کر لیا کہ ابراہیم کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ ایندھن جمع کرنے لگے یہاں تک کہ نہایت ضعیف العمر عورتیں بھی اس کام میں لگ گئیں۔ جب انہوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنا چاہا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا حسبی اللہ نعم الوکیل اور جب انہوں نے پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اے آگ! ابراہیم پر سرد ہو جا لیکن اتنی سرد کہ وہ صحیح و سالم رہے" یہ دیکھ کر ابراہیمؑ کے چچا نے کہا کہ میری وجہ سے اس پر سے یہ مصیبت ٹلی ہے اس پر اللہ نے عم ابراہیمؑ پر ایک آگ کا انگارہ بھیجا جو اس کے پیر پر پڑا اور جس نے اس کو جلا کر ہلاک کر ڈالا۔

اس روایت سے واضح ہے کہ جو جل کر ہلاک ہوا وہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ نیز اس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ عم ابراہیم اس وقت ہلاک ہوا جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تو قرآن میں صاف خبر دی ہے کہ ابراہیمؑ نے اس کے لئے استغفار کرنا ترک کر دیا تھا جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ عداوت حضرت ابراہیمؑ پر اس وقت ظاہر ہوئی کہ جب وہ حالت شرک میں مر گیا اور اس کے بعد انہوں نے پھر کبھی اس کے لئے طلب مغفرت نہیں کی۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے اب (آذر) کے لئے برابر استغفار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ (بحالت شرک) مر گیا جب اس کے متعلق اس کے کافر مر جانے پر انہیں علم ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو پھر انہوں نے اس کے لئے استغفار نہیں کی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب، قتادہ، مجاہد اور حسن وغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ ابراہیم اپنے چچا کی زندگی میں اس کے ایمان لانے کی امید کرتے تھے لیکن جب وہ حالت شرک میں مرگیا تو وہ ان سے بے تعلق ہو گئے۔ آگ میں ڈالے جانے کے واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر اس ہجرت کے ایک مدت بعد وہ مصر میں گئے اور وہاں حضرت سارہ کی وجہ سے جو حادثہ ان پر پڑنا تھا وہ پڑا۔ اس کے بعد وہ پھر ملک شام کو واپس لوٹے۔ پھر اللہ نے انہیں حکم دیا کہ ہاجرہ اور اس کے فرزند اسمٰعیل کو مکہ میں منتقل کردیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے تعمیل حکم کی اور انہیں مکہ پہنچا کر یہ دعا کی۔ **ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع' الی قوله ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب'** یعنی اے پروردگار! مجھ کو، میرے والدین کو اور جملہ مومنین کو بروز حساب مغفرت نصیب کرنا۔ اس دعا میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین کے لئے دعا کی ہے اور یہ دعا ان کے چچا کے ہلاک ہو جانے کے ایک مدت مدید بعد کی گئی ہے۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن میں جس اب ابراہیم کے کفر اور اس کے بارے میں ترک استغفار کا ذکر ہے وہ ان کا چچا تھا۔ حقیقی باپ نہیں تھا۔ پس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے یہ حقیقت الہام کی"

"الرسائل التسع رسالہ مسالک الحنفاء ص ۲۹ ۔ ۳۰)

بہر کیف اوپر جو کچھ بیان کیا اس سے دو چیزیں روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہیں۔

(۱) اول یہ کہ آذربت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ آپ کا حقیقی باپ نہیں تھا۔ آپ کے حقیقی والد تارخ تھے جو موحد اور مومن تھے۔

(۲) دوئم یہ کہ آذر کے قطعی طور پر جناب ابراہیمؑ کے چچا ثابت ہو جانے پر آنحضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ آباؤ اجداد میں قطعاً" شائبہ کفرو شرک نہیں پایا جاتا۔

مناسب ہوگا اگر اس منزل پر ایک اور اشکال پر بھی غور و خوض کر لیا جائے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ ابتداء سے تولیت خانہ کعبہ جناب سرور کائنات علیہ افضل الصلوت و اکمل التحیات کے آباؤ اجداد کے پاس رہی۔ اگر یہ صحیح ہے تو ایک معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ کیا یہ توحید پرستی کے منافی نہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ میں بت نصب کر دیئے گئے اور وہ دیکھتے رہے؟ اس اعتراض کا جواب ہم انشاء اللہ اگلے باب میں ہدیہ قارئین کریں گے۔(۳)

چنانچہ ان جمیع آثار و اخبار سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداو کرام نمرود کے زمانہ تک قطعی اور یقینی طور پر مومن تھے اور نمرود ہی کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آذر تھے' تو اگر آذر کو حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا والد تسلیم کیا جائے تو وہ سلسلہ نسب سے مستثنیٰ ہوگا اور اگر وہ چچا تھا تو پھر بغیر استثناء کے ہے۔

اور یہ قول کہ یعنی آذر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے۔

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں ضعیف سند کے ساتھ آیت کریمہ "واذ قال ابراہیم لابیہ آزر کے تحت روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہرگز آزر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تارح تھا ابوبکر ابن ابی شیبہ' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' بعض صحیح طریقوں سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد نے فرمایا' آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

علامہ ابن منذر اپنی تفسیر میں آیت کریمہ "واذ قال ابراہیم لابیہ آزر" کے تحت صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج کی روایت نقل کرتے ہیں کہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہرگز آزر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تیرح یا تارح تھا یعنی ابراہیم بن تارح بن شاروخ بن ناحور بن فالخ آپ کا سلسلہ نسب ہے۔

ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے آپ نے فرمایا' نہیں بلکہ ان کا نام تارح ہے اور آپ نے لغت کی رو سے بتایا کہ عربوں کے ہاں "اب" کے لفظ کا عم پر اطلاق کرنا ایک شائع متعارف بات ہے اگرچہ یہ اطلاق بطور مجازی کیا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت ○ اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعد قالوا نعبد الٰھک و الٰہ اٰبائک ابراہیم و اسمعیل و اسحاق ۔ البقرۃ آیت ۱۳۳۔ اس آیت میں لفظ "اب" کا اطلاق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر ہوا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے' اور یہاں لفظ "اب" کا اطلاق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی ہوا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا ہیں۔

ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ کیا آپ فرماتے تھے **"الجد اب"** یعنی دادا بھی باپ ہی ہے اور یہ آیت تلاوت فرماتے **قالو نعبد الٰھک وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ۔**

ابن ابی حاتم مزید ابی عالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ** تو یہی چچا کو باپ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور محمد بن کعب القرظی کا زیر آیت یہ قول مزید نقل فرمایا کہ ماموں بھی باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے اور اس کی تزئین اس روایات سے ہوتی ہے جسے ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے بیان کیا ہے (۳)

آزر کے حال میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ماجد تھا یا نہیں۔ امام فخرالدین رازی ارشاد فرماتے ہیں کہ قول ارجح آنست کہ آزر عم ابراہیم بود نہ پدر او۔ یعنی امام فرماتے ہیں کہ آزر کے حال میں اگرچہ علماء کا اختلاف ضرور ہے لیکن قول مقتبہ دارجح یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور نیز امام اجل و عالم نبل جلال الدین سیوطی ارشاد فرماتے ہیں کہ ایں قول مرویست از جماعہ سلف یعنی

امام فخرالدین رازی کا ارشاد عالیہ کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد نہ تھے بلکہ چچا تھے۔ یہ قول سلف الصالحین میں سے ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔

فقیر غفراللہ القدیر کہتا ہے کہ قبل اس کے کہ میں ان روایات کو اپنے مدعا کے اثبات کے لئے بطور سند پیش کروں پہلے اپنے اس مدعا کو آیات بینات سے ثابت کرتا ہوں کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے۔

رب تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ **وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ** یعنی اس آیت مبارک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے آذر کو غلظت اور جفا سے مخاطب فرمایا و **مخاطبتہ الاب بالجفاء لا تجوز** اور باپ کو زجرو توبیخ کے الفاظوں سے مخاطب کرنا جائز نہیں۔ اور جب ابراہیم خلیل اللہ نے غلاظت و جفا سے آذر کو مخاطب کیا تو اس خطاب سے معلوم ہوا کہ آذر خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں تھے۔ اور اگر والد ہوتے تو پیغمبر خدا زجر و توبیخ نہ فرماتے۔

نتیجہ۔ ثابت ہوا کہ آذر حضرت خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں تھے اور میں نے یہ بات کیوں کہی۔ کہ حضرت ابراہیم نے اس آیت مبارکہ میں آذر کو غلاظت و جفا سے مخاطب فرمایا ہے دو وجہ سے۔

وجہ اول۔ **وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرُ** اگر آذر پر ضمہ پڑھا جائے تو یہ ندا پر محمول ہو جائے گا اور باپ کو اسم اصلی کے ساتھ نداء کرنا یہ جفا کے انواع میں سے ایک عظیم نوع ہے۔

وجہ دوم۔ یہ ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا **اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ** کو میں تم کو اور تمہاری قوم کو ظاہراً ضلالت میں دیکھ رہا ہوں۔ اور یہ تمام الفاظ زجر و توبیخ کے الفاظ ہیں اور یہ بھی جفا کی انواع میں سے ایک عظیم نوع ہے۔

نتیجہ۔ **فثبت انہ علیہ السلام شافہ آذر بالجفاء** ثابت و کائن ہوا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آذر کو جفا کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے نہ کہ اپنے والد ماجد کو معلوم ہوا کہ آذر خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں۔ اور میں نے یہ بات کیوں کہی کہ والد کو بلفظ جفا مخاطب کرنا جائز نہیں (بوجوہ)

وجہ اول۔ رب تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں ارشاد فرماتا ہے **وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا** یعنی اے انسان تیرے رب نے تیرے حق میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ مطلقاً" میرے علاوہ کسی کی عبادت نہ کر۔ عبادت خاص میرے لئے ہے۔ میری ہی عبادت کر اور اپنے والدین ماجدین کے ساتھ کامل احسان کر اور احسان کا حکم عام ہے والدین کافر ہوں یا مومن" دونوں کے لئے یہی حکم ہے۔

نتیجہ۔ معلوم ہوا کہ والدین کو سخت الفاظ کہنا جائز نہیں۔ بلکہ احسان و مدارا لازم ہے

وجہ دوم۔ رب تعالیٰ ارشاد کرتا ہے **وَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا** یعنی اپنے والدین کو اف تک مت کرو اور جھڑکو بھی مت۔ اور یہ حکم بھی عام ہے اب کافر و مومن دونوں کے لئے شامل ہے۔

نتیجہ۔ ثابت ہوا کہ والدین مومن ہوں یا کافر۔ دونوں کو زجرو توبیخ جائز نہیں۔

وجہ سوم۔ یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو فرعون کی جانب رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو ذات مطلق نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ جب آپ مصر میں (فرعون علیہ ما علیہ) کے پاس احکام رسالت کے پہنچانے کے لئے تشریف لے جائیں تو فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ تو فرعون کے ساتھ ہم کلام ہونے کے دوران فرعون کے ساتھ نرم و شیریں کلام فرمایا کرشاید اس نرمی و حلیمی کی وجہ سے فرعون پر تاثیر ہو جائے اور وعظ و تذکیر کی وجہ سے ڈر کر میری احدیت کا قائل ہو جائے سبب کیا تھا؟ فرعون کے ساتھ نرمی و حلیمی کے ساتھ کلام کرنے میں سبب کیا تھا۔ یعنی رب تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ نرم کلام کرنے کا حکم کیوں فرمایا۔ اس لئے کہ کلیم خدا پر فرعون کا حق تربیت تھا اور خورد سالگی کے زمانہ سے لے کر شباب کے زمانہ تک فرعون کی پرورش میں رہے اور اسی پرورش کی وجہ سے تو کلیم اللہ بادشاہ زادہ مشہور ہو گئے۔ اور حق پرورش عنداللہ یہی ہے کہ پرورش کنندہ کے ساتھ حق مدارا رکھا جائے۔ اور کوئی لفظ زجر و توبیخ کا اس کی شان میں استعمال نہ کیا جائے اس لئے کلیم اللہ کو حکم صادر ہوا "فقولا لہ قولا لینا"

نتیجہ۔ ثابت و متحقق ہوا کہ واقعہ کلیم میں صرف حق تربیت ہے۔ حق والدین نہیں اور ذات مطلق رفق کا حکم نافذ فرماتا ہے اور واقعہ خلیل میں تو حق والدین موجود ہے تو یہاں بطریق اولیٰ رفق و مدارا لازم تھا۔ حالانکہ خلیل کی زبان مبارک سے رفق کی بجائے زجرو توبیخ کے الفاظ آذر کی شان میں صادر ہو رہے ہیں۔

حاصل نتیجہ۔ ثابت وکائن ہوا کہ آذر خلیل اللہ علیہ السلام کے والد ماجد نہیں۔ فاعلم وجہ چہارم۔ یہ ہے کہ انبیاء عظام دعوت الی اللہ کے لئے مامور ہیں۔ اور دعوت میں شرط اعظم رفق و حلم ہے کیونکہ رفق سے قلوب معرضین پر اثر زیادہ ہو سکتا ہے۔ بنسبت تغلیظ کے کیونکہ تغلیظ سے بعد تنفیر کا خطرہ یقیناً" ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے تو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب سراللہ الاعظم کو رفق و حلم کی تاکید فرمائی۔ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی اے حبیبؐ معرضین کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کر اور دعوت الی اللہ میں نرمی و حلیمی سے کام لو۔

نتیجہ۔ تو جب دعوت الی اللہ میں سراللہ الاعظم کو تمام کافروں کے ساتھ نرمی کا حکم محکم ہو چکا ہے۔ تو کیسے لائق ہو سکتا ہے ابراہیم خلیل کے ساتھ خشونت اپنے والد ماجد سے۔

حاصل نتیجہ:۔ ثابت و متحقق ہوا کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے والد ماجد نہیں وجہ پنجم۔ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت خلیل کی شان میں ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم کو میں نے اپنے فضل و کرم سے حلیم پیدا فرمایا ہے۔

نتیجہ = تو جب ابراہیم خلیل کو رب تعالیٰ نے خود حلیم فرمایا تو پھر ایک حلیم و بردبار انسان کو کیسے لائق و مناسب ہے کہ اپنے والد ماجد کو زجرو توبیخ کرے۔

حاصل نتیجہ۔ ان مذکورہ بالا وجوہات سے ثابت و روشن ہوا کہ آذر جس کا کفر منصوص علیہ ہے وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہے۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام تارح تھا۔ وہ یقیناً" مسلمان تھا۔ قال اللہ جاج

لا خلاف بین النسابین ان اسمہ کان تارح (تکملہ و کبیر)

سوال

جب یہ امر مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم کا والد ماجد آذر نہیں ۔ تارح ہے تو قرآن پاک میں لفظ اب کیوں وارد ہوا۔
جواب۔ لفظ آذر میں اور اس کی تحقیق میں علماء کرام دراز گفتگو فرماتے ہیں لیکن میں بوجہ اختصار ترک کرتا ہوں۔ مطولات میں دیکھو۔ خصوصاً" کبیر۔ بحرالعلوم وغیرہ۔ یہاں صرف اتنا بیان کرنا چاہتا ہوں **العم ینطلق علیہ اسم الاب** کہ کبھی کبھی "عم" پر بھی "اب" کا لفظ کلام عرب میں واقع ہوا کرتا ہے اور ایسی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً" رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ۔**
یعنی جب مصر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا وقت رفتن عنداللہ قریب آیا تو آپ نے اپنی اولاد کو جو وہاں آپ کے پاس تھی بلایا اور ان سے بطور امتحان دریافت فرمایا کہ میرے انتقال کے بعد تم کس معبود کی عبادت کرو گے۔ کیونکہ مصر میں کواکب پرستی وغیرہ تمام قسم کے باطل ادیان کے پجاری موجود ہیں۔
تمام اولاد یعقوب نے جواباً" عرض کی کہ اے ہمارے والد ماجد ہم آپ کے تشریف لیجانے کے بعد آپ کے اور آپ کے آباء کے خدا کے عبادت کریں گے اور دین حنیفہ سے منحرف نہ ہوں گے۔
حاصل جواب= دیکھا آپ نے ! اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت اسمٰعیل حضرت یعقوب کے والد ماجد نہیں بلکہ چچا ہیں اور قرآن پاک میں لفظ "اب" واقع ہوا
ثابت ہوا کہ لفظ "اب" کبھی کبھی "عم" کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح واقع خلیل میں بھی لفظ "اب" "عم" کے لئے واقع ہوا ۔ فافہم۔

مثال آخر

بعض واقعات میں صحابہ بکلم سرکار کونینؐ کسی مہم کے لئے جا رہے تھے اور حضرت عباس بھی ان کے ساتھ تھے۔ سرکار کونینؐ نے حضرت عباس کو کوئی بات سمجھانی تھی حکم فرمایا (ردوا علی ابی) یعنی عم عباس کو میری طرف واپس لوٹا دینا۔
دیکھا آپ نے حضورؐ چچا کو "اب" فرما رہے ہیں۔ ثابت ہوا "اب" کا لفظ چچا پر بولا جانا کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔ اسی طرح واقعہ خلیل میں بھی اب کا لفظ چچا پر بولا گیا ہے۔

احتمال آخر

نیز یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل کی والدہ ماجدہ کا باپ تھا۔ اور نانا کو بھی کبھی کبھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "**و من ذریتہ داود و سلیمان**" الایہ آخر حضرت عیسیٰ تک' اس آیت مبارک میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ کو حضرت ابراہیم خلیل کی اولاد میں شمار فرمایا۔ حالانکہ حضرات ابراہیم خلیل

حضرت عیسیٰ روح اللہ کے جد امجد ہیں ماں کی جانب سے۔ تو اس احتمال سے ثابت ہوا کہ اب کا لفظ کبھی نانا پر بھی بولا جاتا ہے۔

نتیجہ۔ ثابت و متیقن ہوا کہ آذر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا والد ماجد نہیں بلکہ چچا یا نانا ہے۔ اور آپ کے والد ماجد کا نام تارح تھا اور وہ یقیناً" مومن تھا۔ تو اس تقریر کے تسلیم کرنے پر امام کا قول کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین میں تا عہد آدمؑ کوئی بھی مشرک نہ تھا ثابت ہوا (۲)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ مذکور میں لفظ "اب" کی نسبت اپنی طرف کرنا یا آذر کو اپنا باپ کہنا مجازاً" ہے۔ اور چچا و دادا وغیرہ کو اب کہنا مجازاً" محاورہ عرب میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں جنگ حنین کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ فرمان اس پر شاہد ہے۔ کفار کی طرف پیش قدمی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رجز پڑھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب　　　　انا ابن عبدالمطلب

(بخاری شریف)

ترجمہ۔ میں نبی ہوں۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

جناب عبدالمطلب رشتہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا اور آپ ان کے پوتے ہیں تو جس طرح یہاں دو طرح سے مجازاً" استعمال ہوا۔ یعنی خود اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا (ابن) کہا۔ حالانکہ آپ بیٹے حقیقی نہیں بلکہ بیٹے کے بیٹے ہیں۔ اور اسی طرح جناب عبدالمطلب کو آپ نے اپنا باپ کہا۔ حالانکہ وہ باپ کے باپ تھے تو معلوم ہوا کہ دادا کو بھی باپ کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح لفظ "اب سے مراد مجازاً" چچا کا ثبوت یہ ہے۔ کہ قریش نے ایک مرتبہ جب ابو طالب سے کہا۔ کہ اگر تمہیں کسی کو بیٹا بنانا پسند ہے تو ولید کے بیٹے عمارہ کو تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ تم اسے اپنا فرزند بنا لو لیکن اپنے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دو۔ تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں اس پر ابو طالب کا جواب ملاحظہ ہو۔

تاریخ طبری۔

واللہ لبس ما تسود موننی العطوننی ابنکم اغذوہ لکم و اعطیکم ابنی تقتلونہ ھذا واللہ مالا یکون ابدا

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ نمبر ۲۲۱)

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم ص ۲۳)

ترجمہ۔ خدا کی قسم! تم مجھ سے بہت گھٹیا سودا کرنا چاہتے ہو' کیا تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے خوب کھلاؤں پلاؤں۔ اور میں اپنے ہاتھوں تمہیں اپنا بیٹا دوں تاکہ تم اسے قتل کر دو۔ خدا کی قسم! یہ تا قیامت نہ ہوگا۔ اس روایت میں ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنا بیٹا کہا اور خود کو ان کا باپ ظاہر کیا لیکن نہ

ور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابو طالب کے حقیقی فرزند تھے اور نہ ہی ابوطالب آپ کا حقیقی باپ تھا۔ یہاں بھی باپ
کے لئے مجازاً" استعمال ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ چچا بھی مجازاً" باپ کہلا سکتا ہے۔
آن کریم میں بھی لفظ "اب" مجازاً" دادا اور چچا کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا
کر ان الفاظ سے کیا گیا۔
قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الھک والہ ابائک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الھا واحدا (پ البقرہ ع)

جمہ۔ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ کہنے لگے ہم آپ کے
معبود اور آپ کے آباؤ یعنی ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود
ہے

اس میں جناب ابراہیم و اسماعیل کو بھی "اب" کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں حقیقی باپ نہیں بلکہ جناب یعقوب علیہ
سلام کے حقیقی باپ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں اور اسماعیل علیہ السلام ان کے چچا اور ابراہیم علیہ السلام دادا
ہے۔ تو معلوم ہوا کہ لفظ "اب" مجازاً" چچا اور داد پر بولا جاتا ہے۔ ان احادیث و قرآنی آیت کے پیش نظر لفظ
اب" سے مراد خواہ مخواہ "والد" ہی لینا زبردستی ہے ہاں اگر کوئی قرینہ لفظی یا عقلی اس کے حقیقی استعمال پر دلالت
کرتا ہو۔ تو پھر بطریقہ ترجیح "والد" ہی مراد ہوگا لیکن جہاں اس قسم کی کوئی دلیل نہ ہو۔ تو پھر اس احتمال و استعمال کو
نظرانداز کر دینا قطعاً" درست نہیں ہوگا۔
یہاں (یعنی مذکورہ آیت میں) لفظ "اب" سے مراد حقیقی والد نہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی
لد کا نام آزر نہیں بلکہ مفسرین کرام نے "تارخ" لکھا ہے۔ اس کا ثبوت کتب سابقہ (توراۃ انجیل) اور موجودہ کتب
ریخ میں واضح طور پر ملتا ہے۔ البدایہ والنہایہ جلد اول ص ۱۳۹ پر ہے۔
براہیم خلیل الرحمن ھو ابراھیم بن تارخ ص۔ ۱۴۰ پر لکھا ہے۔
لما کان عمر تارخ خمس و سبعین سنتہ ولد لہ ابراھیم علیہ السلام
رجمہ۔ ابراہیم علیہ السلام تارخ کے فرزند ہیں جب تارخ کی عمر پچھتر برس کی ہوئی تو ان کے ہاں ابراہیم علیہ السلام کی
لادت ہوئی۔
اسی طرح علامہ السیوطی نے مسالک الحنفاء میں لکھا ہے۔ کہ ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ ابن جریج سے
و قال ابراہیم لابیہ آزر کے بارے میں لکھا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ (والد) نہ تھا۔ بلکہ والد کا نام تارخ تھا
ر یہ چچا لگتا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام سے عمرو ابن لحی تک بھی سب مسلمان تھے۔

و استمرت خزاعة على و لاية البيت نحوا من ثلثمائة سنة و قيل خمس مائة سنة والله اعلم و كانوا سوس فى و لا يتهم و ذالك لان فى زمانهم كان اول عبادة الاوثان بالحجاز و ذالك بسبب رئيسهم عمر و بن لحى لعنه الله فانه اول من دعاهم الى ذالك و كان ذا مال جزيل جدا۔ (البدایہ و النھایۃ جلد دوم ص ۱۸۷ قصہ خزاعہ)

ترجمہ :۔ عمرو بن لحی خزاعی کے قبضہ کے بعد بیت اللہ پر ان کی حکومت تین سو سال یا پانچ سو سال تک قائم رہی یہ لوگ حکمرانی میں بہت بد تھے کیونکہ ان کے دور میں سب سے پہلے بتوں کی پوجا کی جانے لگی اور حجاز میں اس کی ابتدا ہوئی جس کا سبب خود عمرو بن لحی تھا جو اس کا رئیس تھا خدا اسے غارت کرے اس نے سب سے پہلے بتوں کی پوجا کی دعوت دی اور یہ شخص بہت بڑا مالدار تھا۔

سیرت حلبیہ

و قال صلى الله عليه وسلم لا كثم بن الجون الخزاعى و اسمه عبدالعزى و اكثم بالثاء المثلثة و هو فى اللغة و اسع البطن يا اكثم رايت عمر و ابن لحى يجر قميصه فى النار فما رايت رجلا اشبه من رجل منك به ولا بك منه فقال اكثم فعسى ان يضر فى شبهه يا رسول الله قال لا انك مومن و هو كافر انه اول من غير دين اسماعيل فنصب الاوثان اى و دين اسماعيل دين ابراهيم عليهما السلام فان العرب من عهد ابراهيم استمرت على دينه لم يغيره احد الى عهد عمر و المذكور (السیرۃ الحلبیہ جلد اول ص ۱۷ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ :۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اکثم بن جون جس کا نام عبدالعزیٰ تھا فرمایا اے اکثم! میں نے عمرو ابن لحی کو دوزخ کی آگ میں قمیص گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کا ہم شکل میں نے صرف تمہیں ہی دیکھا تیرے اور اس کے چہرہ مہرہ میں کوئی فرق نہیں اکثم بولا کہ ممکن ہے کہ مجھے اس کی مشابہت سے نقصان اٹھانا پڑے آپ نے فرمایا

نہیں کیونکہ تو مسلمان ہے اور وہ کافر تھا وہی تھا جس نے سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا اور پوجا کے لئے بت کھڑے کئے دین اسلام در اصل دین ابراہیم علیہ السلام ہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عرب لوگ عمرو ابن لحی کے آنے تک سبھی مسلمان تھے اور اس کے سوا کسی نے دین ابراہیمی کو تبدیل نہیں کیا۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال کان الناس بعد اسماعیل علی الاسلام فکان الشیطان یحدث الناس بالشئی یرید ان یردھم عن الاسلام حتی ادخل علیھم فی التلبیۃ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک الا شریکا ھولک تملکہ و ملک قال فما زال حتی اخرجھم عن الاسلام الی الشرک (فتح الربانی جلد نمبر ۸ ص ۱۸۶)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد دین ابراہیمی پر قائم رہے اور شیطان کوشش کرتا رہا کہ ان کو اسلام سے پھیر دے یہاں تک کہ اس نے تلبیہ میں کچھ الفاظ زیادہ کرا دیئے لبیک اللھم لبیک لا شریک الا شریکا الخ کا اضافہ کر دیا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر لوگوں نے تلبیہ میں مذکورہ الفاظ کہنے شروع کر دیئے حتی کہ شیطان نے انہیں اسلام سے نکال کر شرک میں داخل کر دیا۔

توضیح

آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام کے دور تک تمام افراد کا مسلمان ہونا بھی ثابت ہوا اور نوح علیہ السلام کے دور میں اگرچہ بت پرستی تھی لیکن جب طوفان نوح آیا تو ان بت پرستوں کافروں میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا اور جو افراد آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے ان میں سے کسی کی نسل آگے نہ چلی صرف آپ کی نسل باقی رہی آپ ان کو لے کر پہلے یوناطن جا بسے پھر افراد کی بکثرت کی وجہ سے بابل منتقل ہو گئے اور یہاں نمرود کے زمانہ تک نمرود سے پہلے کوئی بد راہ نہ آیا ابراہیم علیہ السلام نے نمرود اور اس کے ساتھیوں کو تبلیغ فرمائی بالآخر نمرود کا خاتمہ ہوا اور ابراہیم علیہ السلام یہاں سے شام تشریف لے گئے پھر شام سے اسماعیل علیہ السلام اور ہاجرہ علیہما السلام کو ساتھ لیا اور بحکم خداوندی مکہ میں چھوڑ گئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جناب اسماعیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶۱ ویں دادا ہیں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اکیس پشتوں تک کسی نے اللہ تعالی کے احکام سے بغاوت نہ کی اکیسویں پشت میں جناب عدنان کا نام آتا ہے ان کے دور میں عمرو بن لحی پیدا ہوا جس نے بنی اسماعیل پر غلبہ حاصل کر لیا اور خانہ کعبہ کی قدیم تولیت جو اس گھرانے کے پاس چلی آ رہی تھی اس سے بھی انہیں محروم کر دیا اور چونکہ عمرو ابن لحی بت پرستی کا دلدادہ تھا اس لئے اس نے اپنے دور اقتدار میں بت پرستی کا رواج ڈالا حتی کہ کعبہ پاک میں بھی ساڑھے تین سو کے لگ بھگ بت نصب کر دیئے عمرو بن لحی کا اقتدار تین صدیوں یا پانچ صدیوں پر محیط رہا پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا قصی بن کلاب نے تمام عرب کو جمع کیا اور دوبارہ کعبہ کا قبضہ حاصل کر لیا لیکن کعبہ کو بتوں سے خالی نہ کر سکے بالآخر یہ کام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سرانجام دیا ان حقائق کے پیش نظر ایک سوال ابھرتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے

جناب عدنان تک تو مسلمان ہونا ثابت ہوا لیکن عدنان کے دور میں جب عمرو ابن لحی نے کعبہ پر قبضہ کر لیا اس وقت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ تک کی پشتوں کا مسلمان ہونا ثابت کرنا پڑے گا اس لئے ہم اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان آباؤ اجداد کا سلسلہ وار ذکر ہو گا پھر ان میں سے ہر ایک کے اسلام کے بارے میں گفتگو ہو گی ان کے عقائد اور مسلک کی وضاحت ہو گی۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جناب عدنان تک آپ کا نسب نامہ

نسب النبی صلی الل ہ علیہ وسلم محمد الطیب المبارک ابن عبد اللہ بن عبدالمطلب و اسمہ شیبہ الحمد بن ہاشم و اسمہ عمرو بن عبد مناف و اسمہ المغیرہ بن قصی و اسمہ زید بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر و الی فہر جماع قریش و ما کان فوق فہر فلیس یقال لہ قرشی یقال لہ کنانی و ھو فہر بن مالک بن النضر و اسمہ قیس بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ و اسمہ عمرو بن الیاس بن مضر ابن نذار بن سعد بن عدنان (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۵۵ تا ۵۶)

ان اکیس آباؤ اجداد میں سے بعض وہ ہیں جن کے متعلق احادیث میں تصریحات موجود ہیں کہ وہ مسلمان تھے اور جن کے متعلق صراحت نہیں ان کے بارے میں ایک وصیت کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک ہر ایک اپنے جانشین کو یہ کہتا چلا آیا کہ میرے پاس ایک نور منتقل ہوتا آ رہا ہے اور اب وہ تمہارے پاس منتقل ہوا ہے اس کو پاکیزہ رحم میں رکھنا کیونکہ وہ نور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے اس وصیت اور بعض حدیثی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد سبھی پاکیزہ مسلمان اور موحد تھے۔ (۵)

عدنان' معد' خزیمہ' ربیعہ اور اسد دین ابراہیمی پر تھے

عن ابن عباس قال کان عدنان و معد و ربیعۃ و خزیمۃ و اسد علی ملۃ ابراھیم فلا تذکرو ھم الا بخیر و روی الزبیر بن بکار مرفوعا لا تسبو مضرو لا ربیعۃ فانھما کانا مسلمین (زرقانی شرح مواہب جلد اول ص ۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عدنان معد' ربیعہ' خزیمہ اور اسد ملت ابراہیمی پر تھے لہذا ان کا تذکرہ اچھائی کے ساتھ کیا کرو اور زبیر بن بکار سے مرفوعاً" مروی ہے۔ کہ مضر اور ربیعہ کو برا بھلا مت کہو وہ دونوں مسلمان تھے۔

لا تسبّوا مضر فانہ کان علی دین اسماعیل علیہ السلام (سیرت حلبیہ جلد اول ص ۲۷)

مضر کو گالی مت دو وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔

جناب معد کی نسل کا عظیم انتظام حفاظت

ان معد بن عدنان کان عمرہ زمن بخت نصر ثنتی عشرۃ سنۃ و قد ذکر ابوجعفر الطبری و غیرہ ان اللہ تعالی او حی فی ذالک الزمان الی ارمیا بن حلقیا ان اذھب الی بخت نصر فاعلمہ انی قد سلطتہ علی العرب و امر اللہ ارمیاء ان یحمل معد معد بن عدنان علی البراق کی لا تصیبہ النقمۃ، فیھم فانی مستخرج من صلبہ نبیا کریما اختم بہ الرسل ففعل ارمیاء بذالک و احتمل معدا علی البراق الی ارض شام فنشاء مع بنی اسرائیل ممن بقی منھم بعد خراب بیت المقدس و تزوج ھناک امراۃ اسمھا معانۃ بنت جوش من بنی حرب بن جرھم قبل ان یرجع الی بلادہ ثم عاد بعد ان ھدأت الفتن و تمحضت الجزیرۃ العرب و کان رخیا کاتب ارمیا قد کتب نسبہ فی کتب عندہ لیکون فی خزانتہ ارمیاء فیحفظ نسبہ معد کذالک

(۱۔ البدایۃ والنھایۃ جلد دوم ص ۱۹۴)

(۲۔ مسالک الحنفاء ص ۳۹)

(۳۔ سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۲۸)

ترجمہ:۔ بخت نصر کے زمانہ میں جناب معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی ابو جعفر طبری وغیرہ نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ارمیاء بن حلقیا کی طرف وحی بھیجی کہ تم بخت نصر کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عرب پر مسلط کر دیا ہے اور اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ معد بن عدنان کو اپنے ساتھ براق پر سوار کر کے لے جاؤ تاکہ انہیں کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے کیونکہ میں معد بن عدنان کی پشت سے ایک کریم پیغمبر کو ظاہر کرنے والا ہوں جس پر میں سلسلہ رسالت ختم کروں گا تو ارمیاء نے اس حکم کی تعمیل کی اور معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے اپنے ساتھ شام لے آیا تو یہاں باقی ماندہ بنی اسرائیل کے ساتھ انہوں نے بھی نشوونما پائی یہ بیت المقدس کی خرابی کے بعد کا واقعہ ہے پھر معد بن عدنان نے ایک معانۃ بنت جوش نامی عورت سے شادی کی جو قبیلہ جرہم سے تھی پھر فتنہ ختم ہونے پر آپ واپس اپنے علاقہ میں آ گئے رخیا نامی شخص ارمیاء کا کاتب تھا اس نے ان کا نسب نامہ لکھ رکھا تھا اور وہ محفوظ تھا۔

کان عدنان فی زمن عیسی علیہ السلام و قیل فی زمن موسی علیہ السلام قال الحافظ ابن حجر و ھو اولی و مما یضعف الاول ما فی الطبرانی عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغ و لد معد بن عدنان اربعین رجلا و قعوا فی عسکر موسٰی علیہ السلام فانتبھو الدعا علیھم موسٰی علیہ السلام فاوحی اللہ تعالی لا تدع علیھم فان منھم النبی الامی البشیر النذیر۔

ترجمہ:۔ عدنان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

دور میں تھے حافظ ابن حجر نے اس دوسرے قول کو قوی قرار دیا اور پہلے کے ضعف پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے جو طبرانی میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا فرمایا۔ جب معد بن عدنان کی اولاد میں چالیس مرد ہو گئے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوج پر حملہ کر دیا اور خوب لوٹ مار مچائی اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بد دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ کو بذریعہ وحی بد دعا سے روکا اور فرمایا دیکھو ان میں ایک عظیم الشان امی بشیر و نذیر پیغمبر تشریف لانے والا ہے۔(۵)

لمحہ فکریہ

جناب معد بن عدنان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیسویں دادا ہیں اور ان کی حفاظت کا اہتمام اس طور پر کیا گیا کہ وقت کے پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انہیں اپنے ساتھ لے جانے کا حکم دیا اور انہیں ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا اور پھر جب ان کے بیٹوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوج پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا تو موسیٰ علیہ السلام کو ان کے لئے بد دعا کرنے سے صرف اس لئے منع کیا گیا کہ ان کی پشتوں میں اللہ تعالیٰ کے محبوب اکرم جلوہ فرما تھے رہا یہ اختلاف کہ جناب معد کا دور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں سے کس کا تھا؟ تو سیرت حلبیہ میں حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق دور موسیٰ کے ہونے کو ترجیح ہے لیکن یہ ایک تاریخی بحث ہے اور اس میں تطبیق بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے کیونکہ جناب موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بروایت ابن سعد تقریباً" انیس سو سال کا طویل عرصہ ہے اب اتنے طویل عرصہ میں ایک شخص کا موجود ہونا ناممکن ہے یہ اختلاف اپنی جگہ پر لیکن معد اور عدنان کے مسلمان ہونے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور کے بہترین افراد ہونے پر کوئی اختلاف نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور پاک کے ان کی پشتوں میں ہونے کی وجہ سے ان کی ہر ممکن مدد فرمائی اور جب ابو امامہ باہلی سے مروی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد گرامی پر نظر پڑتی ہے تو اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس دور کے پیغمبر حضرت ارمیاء علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی یہ بتا دیا تھا کہ معد وہ شخص ہے کہ جس کی نسل سے خاتم الانبیاء تشریف لائیں گے اور جس طرح حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بد دعا سے کہہ کر روکا کہ ان میں بشیر و نذیر پیغمبر آنے والے ہیں تو اسی طرح خود حضرت معد کو بھی ان حضرات نے بتایا ہو گا کہ تمہارے بارے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی ہے ان تمام حالات کو سامنے رکھ کر یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد کو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مکرم و محترم رکھا ان کی حفاظت کا خصوصی اہتمام فرمایا ان کے بارے میں ان کے دور کے پیغمبر کو بذریعہ وحی اس بات کی اطلاع کی گئی کہ یہ لوگ نبی آخر الزمان کے نور کے حاملین ہیں ان تمام تر اہتمام کے ہوتے ہوئے پھر آپ کے آباؤ اجداد کے بارے میں کفر و شرک کا قول کرنا کس طرح زیب دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ کے جملہ آباؤ اجداد موحد مسلمان اور معزز و مکرم تھے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انیسویں دادا انزار کا بیان

انہ لما ولد و نظر ابواہ الی نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بین عینیہ و ھو نور النبوۃ الذی کان ینتقل فی الاصلاب فرح فرحاً" شدیداً" و نحروا طعم فقال ان ھذا کلہ نزر ای قلیل لحق ھذا المولود فسمیٰ نذار" الذالک و بھذا القول جزم السھیلی و تبعہ النور و الخمیس و زاد انہ خرج اجمل اھل زمانہ و اکبر ھم عقلا و قال ابو الفرج الاصفھانی سمی بذالک لانہ کان فرید عصرہ (زرقانی جلد اول ص ۷۹)

جناب معد نے جب بوقت پیدائش اپنے بیٹے نزار کو دیکھا تو ان میں نور محمدی نظر آیا جو نور نبوت تھا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان جلوہ گر تھا یہ وہی نور تھا جو مختلف پشتوں سے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا تو اسے دیکھ کر انتہائی فرحت و مسرت کا اظہار کیا اور قربانی کر کے لوگوں کو گوشت کھلایا اور پھر کہنے لگے یہ سب کچھ اس نومولود کی خوشی میں بہت کم ہے اسی لئے اس نومولود کا نام نزار رکھا گیا اور سہیلی نے اس قول پر جزم کیا اور صاحب النور اور صاحب الخمیس نے بھی ان کی اتباع میں اپنے جزم کا اظہار کیا اور مزید یہ کہا کہ جناب انزار اپنے دور کے تمام لوگوں سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھے اور عقل کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ابوالفرج اصبہانی نے کہا کہ نزار کے نام رکھنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ یکتائے زمانہ تھے۔

توضیح

جناب معد بن عدنان کے بارے میں صریح عبارت گزر چکی ہے کہ وہ مسلمان تھے اب ان کے ہاں پیدا ہونے والا بیٹا نزار نامی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انیسویں دادا ہیں ان کی پیشانی میں نور نبوت کی موجودگی کی شہادت بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور ان کے حسن و جمال اور یکتائے روزگار ہونے کا قول بھی دیکھ چکے ہیں اب ان شواہد کے ہوتے ہوئے جناب معد اور ان کے صاحبزادے نزار کے ایمان و اسلام اور توحید پر قائم ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

ربیعہ، مضر، تمیم، ضبتہ قیس اور الیاس کے مسلمان ہونے پر حدیثی شہادت

عن عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لاتسبو ربیعۃ ولا مضرف نھما کانا مسلمین و اخرج بسندہ عن عائشتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسبوا تمیما" ولا ضبتہ فانھم کانوا مسلمین و اخرج بسندہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال لا تسبّوا الیاس فانہ کان مسلما" قال السھیلی و یذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا تسبّوا الیاس فانہ کان مسلما مومنا" و ذکر انہ کان یسمع فی صلبہ تلبیتہ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحج (مسالک الا نعام ص ۳۰)

عبدالرحمن بن ابی بکر جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ربیعہ اور مضر کو گالی نہ دو وہ دونوں مسلمان تھے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمیم اور ضبہ کو گالی دینے سے منع فرما دیا کیونکہ وہ مسلمان تھے ابن عباس سے مروی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیس کو گالی دینے سے روک دیا کیونکہ وہ مسلمان تھے سہیلی نے ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ بھی مذکورہ ہے کہ الیاس کو گالی نہ دو وہ مومن اور مسلمان تھے اور یہ بھی ذکر کیا کہ جناب الیاس دوران حج اپنی پشت سے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تلبیہ سنتے تھے۔ (۵)

جناب الیاس کے اپنی پشت سے تلبیہ کی آواز سننے اور ان کے وقار اور عظمت کا بیان

انہ کان یسمع فی صلبہ تلبیتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحج و فی المنتقٰی کان یسمع من ظھرہ احیانا دویّ تلبیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحج و لم تزل العرب تعظّمہ تعظیم اھل الحکمتہ کلقمان و اشباھہ و کان یدعیٰ کبیر قومہ و سید عشیرتہ و لا یقطع امرو لا یقضی بینھم دونہ قال الزبیر بن بکار و لما ادرک الیاس انکر علی بنی اسماعیل ما غیروا من سنن اٰبائھم و سیرھم و بان فضلہ علیھم و لان جانبہ لھم حتی جمعھم رائیہ و رضوابہ فردھم الی سنن اٰبائھم و سیرھم قال ابن دحیہ و ھو وصی ابیہ و کان ذا جمال بارع قال السھیلی و یذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبو الیاس فانہ کان مومن (۱۔ زرقانی جلد اول ص ۷۸۔۷۹) (۲۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص ۲۷) (۳۔ مسالک الحنفاء ص ۳۰)

جناب الیاس علیہ السلام اپنی پشت میں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تلبیہ حج سنا کرتے تھے المنتقٰی میں ہے کہ آپ کا تلبیہ کبھی کبھار پیٹھ سے بھی سنتے تھے عرب میں جناب الیاس کی تعظیم اس طرح کی جاتی جس طرح کسی اہل حکمت کی جیسا کہ حکیم لقمان وغیرہ۔ آپ کو اپنی قوم کا بڑا آدمی اور قبیلہ کا سردار کہا جاتا تھا اور کسی معاملہ کا فیصلہ یا اس کا طے کرنا ان کے بغیر نہیں ہوا کرتا تھا زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ جب جناب الیاس نوجوان ہوئے تو انہوں نے بنی اسماعیل کے رویہ پر اعتراض کیا کیونکہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے اور ان کی سیرت کو تبدیل کر دیا تھا ابن دحیہ کے بقول جناب الیاس اپنے والد کے وصی تھے بہت خوبصورت اور پرہیز گار تھے السہیلی نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے الیاس کو گالی دینے سے منع فرمایا کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

لمحہ فکریہ

علامہ زرقانی وغیرہ کے حوالہ جات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سترھویں دادا جناب الیاس کا مقام و مرتبہ آپ نے ملاحظہ کیا اپنے خاندان میں نہایت ہی باعزت، باوقار اور متبرک شخصیت ہونے کے ساتھ انہیں یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ اپنی پشت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تلبیہ سنتے تھے یہ تلبیہ بوقت حج ہی ہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب الیاس اپنے دور میں خانہ کعبہ کا حج و طواف کیا کرتے تھے اور خود بھی تلبیہ کہتے تھے اسی تلبیہ کے الفاظ میں سے **لا شریک لک** بھی موجود ہے جس میں توحید کا اقرار و اعتقاد موجود ہے **لہٰذا** ثابت ہوا کہ جناب الیاس مومن اور موحد تھے اور پھر خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد سے بھی مراحتاً" ثابت ہوتا ہے کہ جناب الیاس کو گالی نہ دو وہ مسلمان تھے تو جن کے مسلمان ہونے کی تصدیق خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرمائیں ان کے ایمان و اسلام میں شک کس طرح ہو سکتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سولھویں دادا جناب مدرکہ مومن تھے

و مدرکہ اسمہ عمرو و قیل لہ مدرکہ لانہ ادرک کل عز و فخر کان فی اباتہ و کان فیہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای و لعل المراد ظھورہ فیہ(سیرۃ حلبیہ جلد نمبر ۱ ص ۲۶) (زرقانی جلد اول ص ۷۸)

ترجمہ: جناب مدرکہ کا نام عمرو تھا اور مدرکہ کے نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی عزت و فخر اپنے اندر جمع کر لیا تھا اور ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نور بھی تھا یعنی ان میں سے آپ کے نور کا ظہور تھا۔

توضیح

جناب مدرکہ میں وہ تمام کمالات جو ان کے آباؤ اجداد میں تھے یعنی کم از کم اپنے والد جناب الیاس کی عزت و فخر کے حامل تھے اور جناب الیاس کے بارے میں ابھی ہم تحریر کر چکے ہیں کہ وہ مومن اور معزز شخصیت تھے **لہٰذا** معلوم ہوا کہ جناب مدرکہ بھی مومن تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور نبوت کی جھلک دیکھا کرتے تھے۔

آپ کے چودھویں دادا کنانہ بھی مومن تھے

قیل لہ کنانۃ لانہ لم یزل فی کن من قومہ وقیل لستر ہ علی قومہ و حفظ لا سرارھم و کان شیخا حسنا

عظیم القدر تحج الیہ العرب لعلمہ و فضلہ وکان یقول قد ان خروج نبی من مکۃ یدعی احمد یدعو الی اللہ والی البر والاحسان و مکارم الاخلاق فاتبعوہ تزدادوا شرفا و عزا الی عزکم ولا تعتدوا الی ولا تکذبوا لما جاء بہ فھو الحق۔

(سیرت حلبیہ جلد اول ص ۳۶)

جناب کنانہ کو اس لیے اس نام سے پکارا جاتا رہا۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے محافظ تھے۔ اور ان کے اسرار کے نگہبان تھے۔ آپ خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ صاحب عزت تھے اور تمام عرب آپ کے علم و فضل کی وجہ سے آپ کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ اب وقت آن پہنچا ہے کہ مکہ سے ایک پیغمبر ظاہر ہو۔ جس کا نام احمد ہوگا۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا۔ اور نیکی و احسان کی دعوت دے گا۔ اور اچھے اخلاق پیش کرے گا۔ لہٰذا تم اس کی اتباع کرو گے۔ تو عزت و وقار میں اضافہ پاؤ گے۔ اور ان کو جھٹلانا نہیں۔ کیونکہ وہ جو کچھ پیش کریں وہ حق ہوگا۔ (۵)

توضیح:

حضور صلی اللہ و آلہ وسلم کے چودھویں دادا نے جس بھرپور انداز میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری' آپ کی تعلیمات اور اس کے اتباع و انکار کے فوائد و نقصانات بیان فرمائے۔ یہ سب باتیں ان کے مسلمان موحد ہونے پر دوٹوک انداز میں دلالت کرتی ہیں۔ ایسی صراحت کے بعد اس کے خلاف عقیدہ رکھنے کی کونسی توجیہ معقول کہلا سکتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پندرھویں دادا جناب خزیمہ کا ایمان

وفی الخمیس انما سمی خزیمۃ تصغیر خزمۃ لانہ اجتمع فیہ نور آبائہ وفیہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عباس مات خزیمۃ علی ملۃ ابراہیم۔ (زرقانی جلد اول ص ۷۷)

تاریخ الخمیس میں ہے کہ جناب خزیمہ کو جو خزم کی تصغیر ہے اس لیے یہ نام دیا گیا۔ کہ ان میں ان کے آباؤ اجداد کا نور جمع تھا۔ اور ان میں رسول اللہ علیہ وسلم کا نور بھی جھلکتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب خزیمہ کا انتقال ملت ابراہیمی پر ہوا۔ (۵)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تیرھویں دادا جناب نضر کا صاحب ایمان ہونا

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبو الیسا فانہ کان مسلما
(۱۔ مسالک الحنفاء ص ۳۰) (۲۔ الحاوی للفتاوی جلد ۲۔ ص ۳۲۳)

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قیس کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ کیونکہ وہ مسلمان تھے۔ (۵)

نوٹ۔

"قیس" دراصل جناب نضر کا اصلی نام ہے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ نضرو اسمہ قیس۔ ان کا بھی نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صاحب ایمان فرما دیا۔ اس کے بعد اور کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

جناب کعب ' لوی ' غالب ' فہر اور مالک مومن تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں دادا جناب کعب سے اوپر چار پشتوں (یعنی لوی ' غالب ' فہر اور مالک) کے بارے میں صاحب ایمان ہونے کی اگرچہ صراحۃً" کوئی روایت نہ مل سکی۔ لیکن قرآئن سے اور مابعد وما سبق کے اعتبار سے ان کا صاحب ایمان ہونا ہی راجح ہے۔ کیونکہ جناب مالک کے والد جناب نضر "قیس" کا تو صراحۃً" مومن ہونا۔ ابن عباس کی روایت میں ابھی گزر چکا ہے۔ اور ایک مومن کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ بظاہر مومن ہی کہلائے گا۔ جب تک اس کے خلاف کی صراحت موجود نہ ہو۔

اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ان کے کفر و شرک کے اثبات پر کوئی ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ اس لیے ان کا مومن ہونا اور ثابت کرنا راجح اور اولیٰ ہے۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو تحقیق کی۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں قابل اعتماد کوئی روایت ملی ہو۔ جو ان چاروں حضرات کے مومن ہونے کو بالتصریح ثابت کرتی ہو۔ اسی لیے انہوں نے بھرپور انداز میں ان چاروں کے بارے میں کہا۔

فحصل مما اوردنا ان آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عہد ابراہیم الی کعب بن لوی کانوا کلھم علی دین ابراہیم۔
(مسالک الحنفاء ص ۳۰)

ترجمہ۔ ہم نے جو کچھ تحریر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم کے دور اقدس سے کعب بن لوی تک سبھی دین ابراہیمی پر تھے۔

اسی موضوع پر صاحب انوار محمدیہ نے آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی جناب عبداللہ تک کے تمام حضرات میں ایک وصیت کا جاری و ساری رہنا ذکر کیا۔ ملاحظہ ہو۔

وقد ولدت حوالنعن آدم اربعین ولدا فی عشر ین بطنا و وضعت شیثا وحده کرامة لسیدنا محمد صلی الله علیه وسلم لان نوره انتقل من آدم الی شیث و قبل و فاته جعله وصیا علی ولده ثم اوصی شیث ولده بو صیة آدم ان لا یضع هذا النورا لا فی المطهر ات من النسآ ولم تزل هذه الوصیة جاریة تنقل من قرن الی قرن الی ان ادی الله النور الی عبدالمطلب وولد عبدالله و طهر الله هذاالنسب الشریفة من سفاح الجاهلیة، کما ورد عنه علیه الصلاۃ والسلام فی الا حادیث لاموضیة (انوار محمدیہ من المواہب اللدنیۃ ص ۱۵)

ترجمہ۔ جناب حوا نے آدم علیہ السلام کے چالیس بیٹوں کو بیس حملوں کے ذریعہ جنا۔ اور پھر جناب شیث اکیلے جنے۔ اس کی وجہ ہمارے سردار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت تھی۔ کیونکہ آپ کا نور جناب آدمؑ سے حضرت شیث کی طرف منتقل ہوا۔ اور آدمؑ نے انتقال سے قبل انہیں اس بارے میں وصیت کی۔ پھر حضرت شیث نے اپنے بیٹے کو وصیت آدم کی۔ وہ یہ کہ اس نور محمدی کو صرف پاکیزہ عورتوں کے رحم کے سپرد کرنا۔ یہ وصیت لگاتار جاری رہی۔ حتیٰ کہ یہ نور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب اور پھر ان کے صاحبزادے عبداللہ تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نسب شریف کو جاہلیت کے سفاح سے بچائے رکھا۔ جیسا کہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث میں بیان فرمایا ہے۔ (حضرت حوا سے جڑواں بچوں کی تردید اس سلسلے کی گیارھویں جلد میں کر دی گئی ہے۔)

روایت مذکورہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ وصیت چلی۔ کہ اسے پاکیزہ عورتوں کے رحم میں منتقل کرنا۔ اور یہ وصیت چلتے چلتے جناب کعب بن لوی تک پہنچی تو انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی۔ اور آپ کے کمالات ذکر کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر پشت آپ کے نورپاک کو جانتی تھی۔ اور پھر یہ بھی جانتی تھی کہ اب وہ کس کی طرف منتقل ہوا ہے۔ جناب کعب بن لوی کی بشارت اور آپ کے کمالات کا بیان کرنا مندرجہ ذیل عبارت میں بخوبی بیان کیا گیا ہے۔

عن ابی سلمة، ابن عبدالرحمن بن عوف قال کان کعب بن لوی بن غالب بن فهر بن مالک یجمع قومه یوم الجمعة وکانت قریش تسمی یوم الجمعة، وعربه، فیخطبهم فیقول اما بعد۔ فا سمعو او تعلمو او افهموا لیل ساج ونهار ضاح والا رض مها دو السما بنا و الجبال او تا دو النجوم اعلام والاولون کالا خرین والا نثی والذکر و الزوج الی بلی صلوبن فصلوا رحا مکم وا حفظوا اصهار کم و اثمر وا اموالکم فهل رایتم من هالک رجع او میت نشر الدار امامکم و الظن غیر ما تقولون حر مکم زینوه وعظموه و تمسکو ابه فسیاتی له نبا عظیم و سیخرج منه کریم ثم یقول نها ر ولیل کل اوب بحادث۔ سوا علینا لیلها ونهارها بو یان بالاحداث حین تا وبا۔ وبالنعم الضافی علینا ستورها علی غفلته یا تی النبی محمد۔ فیخبرا خبارها صدوقلخبیرها ثم یقول والله لو کنت فیها ذاسمع وبصر وید ورجل لتنصبت فیها تنصب الجمل ولا رقلت فیها ارقال الفحل ثم یقول۔ یا لیتنی شاهد فحوا دعوته۔ حین العشیرۃ تبغی الحق خذلانا۔ (دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم جلد نمبر ا ص ۱۰۶ تا ۱۰۷ مطبوعہ حلب

ترجمہ۔ ابو سلمہ ابن عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے۔ کہ کعب بن لوئی اپنی قوم کو جمعہ کے دن اکٹھا کرتے تھے۔ اور قریش جمعہ کے دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ پھر جناب کعب لوگوں سے کہتے۔ امابعد۔ سنو اور جانو اور سمجھو۔ رات تاریک ہے۔ دن روشن ہے۔ زمین بچھونا ہے۔ آسمان چھت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں۔ اور ستارے علامتیں ہیں پہلے لوگ پچھلے لوگوں کی طرح ہیں۔ اور مرد وزن اور ہر جوڑا فنا کے راستہ پر چل رہا ہے۔ صلہ رحمی کیا کرو۔ سسرال کی حفاظت کرو۔ اپنے مال کا پھل کماؤ۔ کیا تم نے کسی ہلاک ہونے والے کو واپس آتے یا میت کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے؟ آخرت تمہارے سامنے ہے۔ جس کے متعلق تمہارے عقائد حقیقت پر مبنی نہیں ہیں اپنے حرم کو خوبصورت کرو۔ اس کی تعظیم کرو۔ اس کی عزت کرو عنقریب تمہارے پاس ایک عظیم خبر آرہی ہے۔ اور بہت جلد ایک کریم پیغمبر تشریف لارہے ہیں۔ اس کے بعد جناب کعب کہتے۔ دن اور رات کا ہر چکر پہلے سے مختلف ہے۔ اس میں دن رات ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کا ہر پھیراتت نئے حادثات رونما کررہا ہے۔ مگر زمانے نے ہم پر بڑے بڑے پردے ڈال رکھے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک تشریف فرما ہونے والے ہیں جو نہایت سچے مخبر کی طرف سے ہمیں خبریں دیں گے۔

اس کے بعد کعب یوں کہتے۔

خدا کی قسم! اگر میں اس وقت سننے' دیکھنے اور چلنے پھرنے کی صلاحیت رکھتا اور زندہ رہتا تو ان کی خدمت کے لیے اونٹ کی طرح مشقت برداشت کرتا۔ اور جلد منزل مقصود تک پہنچنے والے نوجوان کی پھرتی دکھاتا۔ پھر یہ شعر کہتے۔

کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا۔ جب قبیلہ قریش حق کو سرنگوں کرنا چاہے گا۔

سوال۔

روایات مذکورہ کو پڑھ کر ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلاف کو اس بات کا کیسے علم ہوتا تھا۔ کہ ان کی پشت میں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے؟

جواب

شارح مواہب اللدنیہ علامہ زرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جواب دیئے۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ آپ کے آباؤاجداد کو اس بات کا علم دو طرح سے ہوتا تھا۔

وعلمه هو به من الوصية المستمرة من ادم ان من كان فيه ذالك النور لا يضعه الا في المطهرات لا ن ختام الانبيا منه

وقد علمه ظاهراً فيه فلمه انه او من الكتب القديمة ان من كان بصفته كما كان محمد من ولد ووجد تلك الصفة والاول اظهر۔(زرقانی جلد اول ص ۷۵)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی دادا کا یہ جاننا کہ میری پشت میں سے نور نبوت ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے۔ اس وصیت کے ذریعہ تھا۔ جو آدم علیہ السلام سے متواتر چلی آرہی تھی وہ یہ کہ جس پشت میں نور نبوت ہوگا۔ وہ اسے صرف ان عورتوں کی طرف منتقل کرے جو پاکیزہ ہوں۔ کیونکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور اسی سے ہوگا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا جناب کعب اس طور پر جانتے تھے۔ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور نبوت ان میں قیام فرما ہے۔ یا ان کے علم کا یہ ذریعہ تھا۔ کہ کتب قدیمہ میں ہر اس شخص کی علامات وصفات مذکور تھیں۔ جو نور نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امین ہوتا۔ اوراس کے بارے میں یہ تصریح ہوتی۔ کہ جناب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اولاد میں سے ہوں گے اور وہ صفات آپ کے اسلاف میں سے ہر اس شخص کے اندر موجود ہوتیں۔ جو آپ کے آباؤاجداد کی فہرست میں ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں سے پہلی زیادہ ظاہر ہے۔

سوال دیگر۔

اسی پر ایک اور سوال کیاجاسکتا ہے کہ چلو یہ تسلیم کہ جس دادا میں مذکورہ علامات پائی جاتیں یا ان علامات کے ذریعہ پتہ چل جاتا۔ تو وہ پہچان جاتا لیکن جس میں نور محمدی نہ پایا گیاہو۔ اس کی وصیت کا ثبوت کیسے مہیا ہوگا؟ اس سوال کا بھی جواب علامہ زرقانی نے ذکر فرمایاہے۔ ملاحظہ ہو۔

جواب

وزعم ان هذا ظاهر فيمن ظهر فيه النور اما من لم يظهر فيه ممن اين وصلت اليه الوصية فيه نظر ففي الخميس كما ان ذلك النور كان ينتقل من جبهته الى جبهته يوخذ في كل مرتبته عهد وميثاق انه لا يوضع الا في المطهرات الى من اخذه من ادم شيث و هو من ابنه و هذا فلم يظهر في الجميع لما قالوا كان ينتقل من جبهته الى جبهته (زرقانی جلد اول ص ٦٥)

ترجمہ۔ کسی نے گمان کیا۔ کہ یہ وصیت کرنا اس کے لیے تو ظاہرا" درست ہے جس میں نور محمدی ظاہر ہو لیکن جس میں اس کا ظہور نہ ہو اس کی طرف وصیت کیسے پہنچے گی؟ اس میں نظر ہے۔ اور یہ بات اتنی مضبوط تھی الخمیس وغیرہ کتب سیرت میں موجود ہے۔ کہ وہ نور محمدی ایک پیشانی سے دوسری پیشانی کی طرف منتقل ہوتا رہا؟ اور جس کی پیشانی میں جاتا اس سے یہ پختہ عہد لیا جاتا۔ کہ اسے صرف اور صرف طاہر عورتوں کے رحم میں

کرتا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسے حاصل کرنے والے حضرت شیث علیہ السلام ہیں۔ اسی طرح ان سے آگے یہ نور منتقل ہوتا رہا۔ اگر ان تمام حضرات میں اس کا ظہور نہ ہوتا۔ تو پھر یوں کتب میں موجود نہ ہوتا۔ کہ وہ نور ایک پیشانی سے دوسری پیشانی کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

خلاصہ کلام:

حضرت آدم علیہ السلام سے تا حضرت عبدالمطلب علیہم السلام تمام سلسلہ محمدیہ کے آباؤاجداد ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے۔ یعنی ہر باپ جب کہ اس میں رکھا گیا نور محمدی اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا۔ تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتا۔ کہ اس کو کسی طاہر عورت کی طرف منتقل کرنا۔ یہ وصیت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی آگے اپنے بیٹے جناب عبداللہ کو کرنا کتب میں مذکور نہیں اس کی وجہ یہ لکھی گئی ہے۔ کہ جناب عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہ اور ان کی بیوی سیدہ آمنہ دونوں کو جانتے تھے۔ اسی لیے جب جناب عبداللہ کی پیشانی میں عورتوں نے نور محمدی چمکتا دیکھا۔ کہ ہر ایک نے ان سے شادی کی درخواست کی۔ لیکن حضرت عبدالمطلب نے ان تمام میں سے جسے طاہرہ سمجھا اور جسے سابقہ وصیت کی متحمل سمجھا۔ اس سے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح کردیا۔ علامہ زرقانی نے اس کو یوں لکھا ہے۔

لانہ یعلم بمکانہا من النسب وان نکاحہ لہالا اثر لہ من الجاہلیۃ لکفا ذالک عن الوصیۃ ہذا۔(زرقانی جلد اول ص ۶۵)

کیونکہ جناب عبدالمطلب جانتے تھے۔ کہ سیدہ آمنہ کا نسب کیسا عمدہ ہے۔ اور عبداللہ کی ان سے شادی کرنے میں جاہلیت کا کوئی اثر نہیں تھا۔ لہٰذا وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور وصیت کا کام اس سے پورا ہوگیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ و آلہ وسلم کے تمام آباؤاجداد جو آپ کے نور پاک کے متحمل تھے۔ وہ اس نور کو بخوبی جانتے تھے۔ کہ یہ نور نبی اخرالزمان کا نور پاک ہے۔ اور اس کی پہچان کے ساتھ ساتھ ہر باپ اپنے اس بیٹے کو یہ وصیت کرتا رہا۔ کہ اسے نیک اور پاکیزہ عورت کی طرف منتقل کرنا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤاجداد مومن اور موحد تھے۔ان میں سے کوئی بھی کافر اور مشرک نہ تھا۔ اگرچہ بعض حضرات کی تفصیل سیرت کتب میں نہیں ملتی۔ لیکن مذکورہ وصیت کا تذکرہ ہر کتاب میں موجود ہے۔ جس سے ان کا مومن ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

حضور اکرمؐ کے پانچویں دادا قصی بن سعد کے ایمان کا ثبوت

ذکر ثعلب فی اسالیہ انہ کان یحمد قومہ یوم العروبۃ فذکر ہم و یا مرہم بتعظیم الحرم و یخبر ہم انہ سیبعث لہم

بہی بہ جمع (بالتثقیل للمبالغۃ) اللہ القبائل من بنی فہر فی مکۃ بعد تفرقہم فی البلدان فجمعہم واسکنہم مکۃ فی قصۃ طویلۃ عندا بن اسحاق۔۔۔ وکان قصی اول من بنی کعب اصاب ملکا طاع لہ بہ قومہ و کانت لہ الحجابۃ والسقایۃ والرفادۃ والندوۃ واللوا وحازشرف مکۃ جمیعا وکان رجلا جلد اجمیلا واعالم قریش و اقومہا بالحق۔(زرقانی جلد اول ص ۷۳ تا ۷۴)

ترجمہ۔ ثعلب نے اپنی امالی میں ذکر کیا۔ کہ جناب قصی بن سعد جمعہ کے دن اپنی قوم کو جمع کرکے نصیحت کیا کرتا تھا۔ اور حرم کی تعظیم کرنے کو کہا کرتا تھا۔ اور انہیں یہ خبر سنایا کرتا تھا۔ کہ تم میں عنقریب ایک ایسا پیغمبر بھیجا جا رہا ہے۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ بنی فہر کے بچھڑے قبائل کو مکہ میں جمع کردے گا۔ ابن اسحاق نے اس قصہ کو بڑی طوالت سے بیان کیا ہے ......اور جناب قصی بن فہر بنی کعب میں سے پہلے وہ شخص ہوئے جنہیں حکومت ملی۔ لوگوں نے ان کی اطاعت کی۔ اور خانہ کعبہ کی نگرانی' حاجیوں کے پانی کا بندوبست ندوہ کی محفلوں کا انتظام والفرام اور فتح و نصرت کے جھنڈوں کا مستحق انہی کو قرار دیا گیا۔ مکہ کی تمام شرافتیں ان میں جمع تھیں۔ ایک ایسے مرد تھے جو زبردست اور خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ قریش کے بہت بڑے عالم اور حق کے عظیم پاسبان تھے۔

قصی قریش کے عالم تھے۔ اور حق پر سب سے زیادہ قائم ہونے والے تھے۔ آپ اپنی قوم کو جمعہ کے روز جمع کرتے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ اور حرم مکہ کی تعظیم و تکریم کا حکم کرتے تھے۔ اور ان کو یہ بشارت بھی سناتے تھے۔ کہ عنقریب اس حرم میں ایک نبی پیدا ہوگا۔ اور آپ بتوں کی پرستش سے منع کرتے تھے۔ (بلوغ الارب فی احوال العرب جلد دوم ص ۳۱۴)

توضیح:۔

مذکورہ عبارت یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ جناب قصی علیہ السلام وہ شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قریش کی چھنی ہوئی حکومت دوبارہ عطا فرمائی۔

گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ بنو خزاعہ میں سے عمرو بن لحی نے ان سے حکومت چھینی تھی۔ جو تین یا پانچ سو سال تک قائم رہی۔ اس کی حکومت کا خاتمہ اور بنی فہر کے بکھرے افراد کو پھر سے جمع کرنے والے قصی ہیں۔ اسی لئے انہیں "مجمع" بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے وعظ و نصیحت کو دیکھا جائے۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ خود پختہ مومن تھے۔ اور دوسروں کو بھی دعوت و توحید و ایمان دیتے تھے۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت کے ساتھ آپ کے کچھ اوصاف کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اسی لئے تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی پیشانی میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور رکھا ہوا تھا جس کی برکت سے ان کے عقائد ایک مومن کامل کے عقائد تھے اور اس نور محمدی کو بخوبی جانتے تھے جو نبی آخر الزمان بن کر تشریف لانے والا تھا خود بت پرست نہ تھے اور دوسروں کو بھی بت پرستی اور شرک سے روکا کرتے تھے۔

سرکار دو عالم کے تیسرے دادا عبد مناف بھی مومن تھے۔

و یسمی القمر لجمالہ قال الواقدی و کان فیہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فی یدہ لوا نزار و قوس اسمٰعیل و ذکر زبیر عن موسی بن عقبہ انہ وجد کتابا" فی حجر انا المغیرۃ بن قصی امر بتقوی اللہ و صلۃ الرحم و ابلہ عن القائل کانت قریش بیضۃ لتفلقت فالمح خالصہ لعبد مناف زرقانی

ترجمہ:۔ جناب عبد مناف کو حسن و جمال کی وجہ سے مکہ کا چاند کہا جاتا تھا واقدی کا قول ہے کہ جناب عبد مناف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نور تھا ہاتھوں میں نزار کا جھنڈا اور حضرت اسمٰعیل کی کمان تھی زبیر نے جناب موسیٰ بن عقبہ سے ذکر کیا کہ انہیں حطیم میں ایک پتھر پر تحریر دیکھی جس کے یہ الفاظ تھے میں مغیرہ بن قصیٰ ہوں اور اللہ کے تقویٰ کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں جس کو کسی شاعر نے اپنے انداز میں یوں بیان کیا قریش ایک پھٹا ہوا انڈا تھے جس کا اصل اور رخ جناب عبد مناف تھے۔

ترجمہ :۔ عبد مناف کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے (قمرالبطی سنگستان مکہ کا چاند کہتے تھے) ان کا اصل نام مغیرہ تھا اور حضرت زبیر سے منقول ہے کہ مجھے ایک پتھر دستیاب ہوا جس پر یہ الفاظ کندہ تھے میں مغیرہ بن قصیٰ' قریش کو خدا کے ڈر اور صلہ رحمی کی وصیت کرتا ہوں اور آپ بتوں کو بہت برا جانتے تھے اور آپ کے چہرے پر آنحضرت کا نور آشکار اور نمایاں تھا (ترجمہ بلوغ العرب جلد نمبر ۲ ص ۳۴۳)

توضیح

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور صلہ رحمی کو اپنانے کی وصیت کے الفاظ سے خود وصیت کرنے والے کے عقیدہ کا اظہار بھی ہوتا ہے یعنی جب وہ دوسروں کو خوف خدا کا وعظ کرتے تھے تو خود بھی اس سے متصف تھے اور خوف خدا کا تصور توحید کے بغیر متصور ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ جناب عبد مناف اپنے دور کے خوبصورت ترین شخص ہوتے ہوئے مومن موحد تھے اور ایمان و توحید کی دوسروں کو بھی دعوت دیا کرتے تھے۔

آپ کے دوسرے دادا جناب ہاشم کا ثبوت ایمان

و فی المنتقی کان ھاشم افخر قومہ و اعلاھم و کانت مائدتہ منصوبتہ لا ترفع لا فی السراء و لا فی الضراء و کان یحمل ابن السبیل و یودی الحقائق و کان نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجھہ یتوقد شعاعہ و یتلا لوضیاہ و لا یراہ حبرا لا یقبل یدہ ولا یمر بشئی الا سجد الیہ تغدو الیہ قبائل العرب و و فود الاخبار یحملون بناتھم یعرضون علیہ ان یتزوج بھن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم و قال ان فی ابنتہ لم تلدالنساء اجمل منھا و لا ابھی

و جهها فا قلم علی حتی از و جکها لقد بلغنی جودک و کرمک و انما اراد بذالک نور المصطفی الموصوف عندهم فی الانجیل فلبی هاشم (زرقانی جلد اول ص ۷۳)

ترجمہ :۔ منتقی میں مذکور ہے کہ جناب ہاشم اپنی قوم کا فخر تھے اور ان میں بلند شان تھے ان کا دستر خوان تنگی اور فراخی میں بچھا رہتا تھا مسافروں کو سواری دیا کرتے تھے اور حقائق کو پورا فرمایا کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں چمکتا اور نور پھیلاتا تھا کوئی عالم جب انہیں دیکھ پاتا تو ضرور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا آپ کا جب بھی کسی چیز کے پاس سے گزر ہوتا تو وہ تعظیماً" جھک جاتی عربوں کے قبائل صبح و شام آپ کے ہاں آتے اور اچھے لوگ اپنی بیٹی سے شادی کرنے کی ان کو درخواست کرتے یہاں تک کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی پیغام بھیجا کہ میری ایک بیٹی اتنی حسین و جمیل اور خوبصورت ہے کہ کسی ماں نے آج تک ایسی بیٹی جنی ہی نہیں تم میرے پاس آؤ تاکہ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں آپ کی سخاوت' آپ کا کرم مجھ تک پہنچا ہے روم کے بادشاہ نے شادی کا ارادہ اس لئے کیا تھا کہ وہ اس بہانے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نور پاک کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی تعریف اس نے انجیل میں پڑھ سن رکھی تھی لیکن جناب ہاشم نے انکار کر دیا۔

اما هاشم فهوجدالنبی صلی الله علیه وسلم و اسمه عمرو و یقال له عمر والعلا ایضا لعلو مرتبته(تاریخ خمیس جلد اول ص ۱۵۶)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا جناب ہاشم کا نام عمرو تھا اور انہیں عمروالعلا بھی کہتے تھے کیونکہ ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

حضرت ہاشم نے اس خطبہ شریف میں اخلاق کا جو امر کیا ہے اور برے اعمال سے جو ممانعت کی ہے اس کی طرف دیکھو کیا یہ باتیں فضیلت کی گہرائی اور قدرو منزلت کی جلالت اور ہمت کی بلندی کے سوا صادر ہو سکتی ہیں اور یہ سب کچھ کسی خاصی انتخاب کے ارادے اور ذکر شان کی پختگی کے لئے (قدرتی طور پر) کہا گیا تھا کیونکہ ان امور کا آباؤ اجداد میں متواتر چلے آنا فرزندوں میں آکر قرار پانے کا موجب بنتا ہے۔

(بلوغ العرب فی احوال العرب جلد اول ص ۳۵۵)

توضیح

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا جناب ہاشم کے اوصاف علامہ زرقانی نے جو یہ بیان کرے کہ آپ حاتم زمانہ تھے یہودی علماء آپ کے ہاتھ چومتے اور اعلیٰ خاندان کے لوگ اپنی بیٹیوں کی ان سے شادی کرنے کی دعوت دیتے اور ہرقل نے بھی اسی قسم کا پیغام بھیجا یہ سب اس نور کی برکت تھی جوان کی پیشانی میں چمک رہا تھا ہر چیز اسی نور مبارک کی وجہ سے جناب ہاشم کے سامنے جھک جاتی تھی ان تمام شواہد کے روشنی میں جناب ہاشم کے

مومن اور موحد ہونے میں کونسا شک رہ جاتا ہے کلمہ باقیۃ فی عقبہ کا مظہر دعائے ابراہیم خلیل اللہ کا ثمرہ اور آدم علیہ السلام سے چلی وصیت کے حامل ہوتے ہوئے شرک و کفران کے نزدیک تک نہ پھٹک سکتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اول دادا جناب عبدالمطلب کے ایمان کا بیان

عبدالمطلب مستجاب الدعوات محرم الخمر علی نفسہ قال ابن الاثیر و ہو اول من تحنث بحرا کان اذا اہل شہر رمضان صعدہ و اطعم المساکین و قال ابن قتیبہ کان یرفع من مائدۃ للطیر و الوحوش فی روس الجبال فکان یقال لہ الفیاض لجودہ و مطعم طیر السماء لانہ کان یرفع من مائدتہ للطیر و اسمہ شیبۃ الحمد مرکب اضافی قال علی شیبۃ الحمد التی کان وجہہ یضی ظلام اللیل کالقمر البدوی (زرقانی جلد اول ص ۷۱)

ترجمہ:۔ جناب عبدالمطلب مستجاب الدعوات تھے اور انہوں نے شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی ابن کثیر کے بقول یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غار حرا میں اللہ کی عبادت کی مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ پرندوں اور وحشی جانوروں کے لئے بھی ان کا دسترخوان بچھا رہتا تھا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ان کے کھانے کا سامان رکھا کرتے تھے اسی لئے انہیں "فیاض" کہا جاتا تھا اور "پرندوں" کو کھانا دینے والا" کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ان کا دسترخوان پرندوں کے لئے بھی تیار رہتا تھا ان کا نام شیبۃ الحمد تھا جو نحوی اعتبار سے مرکب اضافی ہے علی کہتے ہیں کہ شیبۃ الحمد نام کی وجہ یہ تھی کہ یہ نام اس شخص کا اس دور میں رکھا جاتا جس کے چہرے کی خوبصورتی چودھویں رات کے چاند کی طرح اندھیرے کو ختم کر دے اور روشنی پھیلا دے۔

و عن کعب الاحبار ان نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما صار الی عبدالمطلب و ادرک نام یوما فی الحجر فانتبہ مکحولا مدھونا قد کسی حلۃ البھا و الجمال فبقی متحیرا لا یدری من فعل بہ ذالک فاخذہ ابوہ بیدہ ثم انطلق الی کہنۃ القریش فلما روا علیہ بتزویجہ فزوجہ و کانت تفوح منہ رائحۃ المسک الاذفر و نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضی فی غرتہ و کانت قریش اذا اصابھا قحط شدید تاخذ بیدہ فتخرج بہ الی جبل ثبیر فیتقربون بہ الی اللہ تعالی و یسالونہ ان یسقیھم الغیث فکان یغیثھم و یسقیھم ببرکتہ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (انوار محمدیہ ص ۱۸) (زرقانی جلد اول ص ۸۲)

کعب الاحبار کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک جب حضرت عبدالمطلب میں جلوہ فرما ہو گیا تو انہیں ایک مرتبہ خواب میں حطیم میں انہوں نے دیکھا کہ کوئی شخص انہیں سرمہ لگا گیا سر میں تیل بھی لگا گیا اور خوبصورت لباس بھی پہنا گیا اٹھے تو یہ سب کچھ قائم تھا بڑا تعجب کیا کہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے تو ان کے والد نے انہیں ساتھ لیا اور قریشی کاہنوں کے پاس لے آئے انہوں نے کہا کہ اس کی شادی کر دو چنانچہ شادی کر دی گئی آپ کے جسم سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی کی پیشانی میں

چمکتا تھا اور قریش کی یہ عادت تھی جب بھی انہیں خشک سالی کا سامنا ہوتا تو وہ جناب عبدالمطلب کو اپنے ساتھ لے کر جبل ثبیر کی طرف نکل پڑتے وہاں انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت کا ذریعہ بناتے اور ان کے وسیلہ سے اس سے بارش طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بارش عطا کرتا اور سیراب کر دیتا یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور پاک کی برکت کی وجہ سے تھا۔

و لما قدم ابرهه ملک الیمن لهدم البیت الحرام و بلغ ذالک قریشا قال لهم عبدالمطلب لایصل الی هذا البیت لان له ربا یحمیه ثم استاق ابرهه ابل قریش و غنمها و کان لعبد المطلب فیها اربعمائته ناقته فرکب فی قریش حتی طلع جبل ثبیر فاستدار نور رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم علی جبینه کالهلال و انعکس شعاعه علی البیت الحرام فلما نظر عبدالمطلب الی ذالک قال یا معشر قریش ارجعو فقد کفیتم هذا الامر فو الله ماستدار هذا النور منی الا ان یکون الظفر لنافرجعوا متفرقین ثم ان ابرهه ارسل رجلا من قومه فلما دخل مکته و نظر الی وجهه عبدالمطلب خضع و تلجلج لسانه و خر مغشیا علیه فکان یخور کما یخور الثور عند ذبحه فلما افاق خر ساجدالعبد المطلب و قال اشهد انک سید القریش حقا و روی ان عبد المطلب لما حضر عند الابرهه نظر الفیل الابیض العظیم الی وجهه فبرک کما برک البعیر و خر ساجدا و انطق الله تعالی الفیل فقال السلام علی النور الذی

ں ظہور ک یاعبدالمطلب۔

(۔ انوار محمد ص ۱۸ تا ۱۹) (زرقانی جلد اول ص ۸۴ تا ۸۶)

یمن کا بادشاہ ابرہہ جب بیت اللہ شریف کو گرانے کے لئے آیا اور اس کی خبر قریش کو ملی۔ تو انھیں جناب عبدالمطلب نے کہا۔ ابرہہ اس گھر تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس گھر کا مالک اس کی حفاظت کرے گا۔ پھر ابرہہ نے قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لیں۔ ان میں چار سو اونٹ جناب عبدالمطلب کے بھی تھے۔ پھر جناب عبدالمطلب اور قریش کے ساتھ سوار ہو کر ثبیر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں چاند کی طرح پھرا۔ اور اس کی شعاعیں بیت الحرام پر پڑیں جب جناب عبدالمطلب نے یہ ماجرا دیکھا تو کہا اے جماعت قریش! واپس ہو جاؤ۔ تمہارے لئے یہ واقعہ کفایت کرے گا۔ خدا کی قسم! اس نور کا مجھ سے نکل کر چکر لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ کامیابی اور فتح ہماری ہی ہے۔ وہ ٹولیوں میں واپس آگئے۔ پھر ابرہہ نے اپنی قوم کا ایک آدمی بھیجا۔ وہ آدمی جب مکہ میں داخل ہوا۔ اور جناب عبدالمطلب کے چہرہ پر نظر پڑی۔ تو کانپ اٹھا۔ اور اس کی زبان تھتلا گئی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس سے ایسی آواز نکلتی تھی۔ جیسی بیل کی بوقت ذبح بڑبڑانے کی آواز ہوتی ہے۔ پھر جب اسے افاقہ ہوا تو جناب عبدالمطلب کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قریش کے سچے سردار ہو۔ مروی ہے کہ جب جناب عبدالمطلب ابرہہ کے پاس آئے۔ تو ابرہہ کے سفید عظیم ہاتھی نے ان کے چہرہ کو دیکھا۔ تو اونٹ کی سی بیٹھک بیٹھ گیا۔ اور عبدالمطلب کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھی کو گویائی عطا کی اور اس نے کہا۔ سلام ہو اے عبدالمطلب اس نور کو جو تمہاری پشت میں جلوہ فرما ہے۔

لمحۂ فکریہ:

جناب عبدالمطلب کے اوصاف اور نور محمدی کا ان میں قیام پذیر ہونا اور اس کی برکات حوالہ مذکورہ میں تفصیل سے لکھی گئیں۔ جنہیں خواب میں غائبانہ لباس فاخرہ پہنایا جائے۔ جن کو کاہن بھی ادب سے دیکھتے ہیں جن کو قریش بوقت قحط سالی بارش کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ بنائیں تو بارش مل جائے۔ جن کی جبین اقدس سے نکلنے والی نوری شعائیں فتح و کامرانی کا پیغام بنیں۔ جنہیں نور محمدی کے حامل ہونے کی وجہ سے جانور تک سجدہ کریں۔ جو شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیں۔ بتوں سے نفرت فرمائیں۔ اور ان کی دعائیں درجہ قبولیت پائیں۔ ایسے برگزیدہ انسان کے مومن و موحد ہونے میں کونسا شک رہ جاتا ہے۔؟ جناب عبدالمطلب کے بارے میں مسئلہ زیر بحث کے مخالفین کچھ روایات نقل کرتے ہیں جو ان کے ایمان و توحید کے منافی نظر آتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ آئندہ اوراق میں ان روایات کو لفظ بلفظ نقل کریں گے۔ اور پھر ان پر سیر حاصل بحث کریں گے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے۔ کہ جناب عبدالمطلب کے فضائل و مناقب جو حوالہ بالا میں مذکور ہوئے۔ اگر انہیں بنظر انصاف دیکھا جائے۔ تو اس سے ان تمام روایات کا جواب سمجھنے میں کوئی دقت نہ رہے گی۔ جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ بہر حال جناب عبدالمطلب کا مومن و

موحد ہونا ان حوالہ جات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا۔ شرک سے اجتناب اور ایمان و توحید سے انکا مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے ملاحظہ ہو۔

یارب لا ارجو لهم سواکا یارب فامنع منهم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا فامنعهم ان یخربو القراکا

(۱۔ تاریخ خمیس جلد اول ص ۱۹۰ مطبوعہ بیروت)

(۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۱۳۱)

(۱) اے اللہ! تیرے بغیر ان ظالموں کو دور کرنے کے لئے میری کوئی امید نہیں۔ اے میرے پروردگار! اپنے گھر کی بربادی ان سے روک لے اور اس کی تو ہی حفاظت فرما۔

(۲) بے شک خانہ کعبہ کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ تو اپنے اور اپنے گھر کے دشمنوں کو اپنے گھر کی بربادی بپا کرنے سے روک لے

قارئین کرام! مذکورہ بالا اشعار سے جناب عبدالمطلب کے عقیدہ توحید کی پختگی اور اس پر یقین کامل کی انمٹ تصویر نظر آتی ہے۔ ان اشعار کے علاوہ سیرت ابن ہشام اور دلائل النبوۃ ابو نعیم میں ایک شعر اس مضمون پر اور بھی صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔

لاھم ان العبد لمنع رحلہ فامنع رحالک

اے اللہ! جب ہر شخص اپنے اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا۔

علاوہ ازیں جناب عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر کئی ایک واقعات و مشاہدات دیکھے۔ اور انہیں صحیح تسلیم بھی کیا۔ ان حالات میں ان کے ایمان و اسلام میں کون شک کر سکتا ہے؟ ایک غیر متعصب شخص جب ان واقعات کو محض سرسری نظر سے ہی دیکھے گا۔ تو اسے ان میں کفر و شرک کی کوئی آمیزش نظر نہ آئے گی۔(۵)

شاہ یمن کی بشارت:۔

عن ابن عباس قال لما ظهر سیف بن ذی یزن علی الیمن و ظفر بالحبشہ ونفلهم عنها۔ وذالک بعد مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسنتین اتتہ ولود العرب واشرافها و شعر انها تهنیہ و تملحیہ فاتاہ وقد قریش وفیهم عبدالمطلب بن ولن یجعل اللہ لهم علیهم سبیلا واطو ملاذکرت لک دون هولاء الرهط الذین معک فانی لست امن ان تد خلهم النفلستہ من ان تکون لہ الریاستہ لیبغون لہ الغوائل و ینصبون لہ الحبائل وهم فاعلون او ابناء هم و

ولولا انی اعلم ان الموت مجتاحی قبل مبعثہ لسرت بخیلی ورجلی حتی اصیر یثرب دار ملکی فانی اجد فی الکتاب الناطق والعلم السابق ان یثرب استحکام امرہ وموضع قبرہ واھل نصرتہ ولولا انی رقیہ من الآفات واحذ رعلیہ العاھات لاو طات اسنان العرب کعبہ ولا علنت علی حداثہ من سنہ ذکرہ ولکنی صارف الیک ذالک من غیر تقصیر بمن معک ثم امر لکل واحد منھم بمائۃ من الابل وعشرۃ اعبد وعشرۃ اوطال من فضۃ وخمسۃ اوطال ذھب و کرش مملوۃ عنبرا و امر لعبد المطلب بعشرۃ اضعاف ذالک و قال لہ اذا کان راس الحول فاتنی بخبرہ وما یکون من امرہ فھلک ابن ذی یزن قبل راس الحول و کان عبدالمطلب یقول لا یغبطنی بما یبقی لہ شرفہ وذکرہ وبعض من بعدی و کان اذا قیل لہ ماذاک؟ قال سیعلمن ولو بعد حین (دلائل النبوۃ جلد اول ص ۴۳ تا ۴۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیف بن ابی یزن کا یمن پر قبضہ ہوا۔ اور اس نے وہاں سے اہل حبشہ کو مار بھگایا۔ یہ واقعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے دو سال بعد کا ہے۔ تو عرب کے سرداران و شعراء وفد در وفد اسے مبارک باد دینے پہنچے۔ قریش کا وفد بھی گیا۔ جن میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بھی تھے۔ ان کے علاوہ امیہ بن عبد شمس' عبداللہ بن جدعان خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ اور وہب بن عبد مناف بن زہرہ اور دیگر سرداران قریش تھے۔

یہ لوگ یمن کے پائیہ تخت صنعا پہنچے۔ سلطان اس وقت اپنے محل کی چھت پر تھا۔ جسے غمدان کہتے تھے۔ وفد نے اذن دخول مانگا۔ اور سلطان کے روبرو پیش ہوگئے۔ اس وقت اس نے بدن پر عنبر خوشبو لگا رکھی تھی۔ اور سر سے خوشبو کی مہک اٹھ رہی تھی۔ دائیں بائیں سلاطین وقت شہزادے اور امراء بیٹھے تھے۔ عبدالمطلب نے اذن کلام چاہا۔ سلطان سیف نے کہا کہ اگر تم کرنے کا سلیقہ رکھتے ہو تو تمہیں اجازت دی جاتی ہے۔ عبدالمطلب گویا ہوئے۔ اے بادشاہ! اللہ نے آپ کو نہایت بلند و بالا مقام عطا کیا ہے۔ اور آپ کا نسب سب سے بہتر بنایا ہے۔ جس کا اصل مضبوط ہے اور شاخ نہایت بلند۔ آپ کی کبھی برائی نہ ہو۔ آپ عرب کا افتخار اور اس کی بہار ہیں۔ جو ہر طرف خیر لاتی ہے۔ آپ عرب کا وہ سر ہیں جو جھکنے سے ناآشنا ہے۔ عرب کا ایسا ستون ہیں۔ جس پر تمام کا دارومدار ہے۔ آپ وہ پناہ گاہ ہیں۔ جہاں لوگوں کو اطمینان ملتا ہے۔ آپ کے آباؤاجداد ہمارے بہترین سلف تھے۔ اور آپ ہمارے لئے ان کی طرف سے بہترین نشانی ہیں۔ وہ خاندان کبھی مٹ نہیں سکتا۔ جس میں آپ کی طرح کے لوگ خلیفہ ہوں۔ اور اس خاندان کا ذکر کبھی پرانہ نہیں ہوسکتا جس کے آپ سلف ہوں۔

اے بادشاہ یمن! ہم حرم الٰہی کے مالک ہیں۔ خدام حرم ہیں۔ ہمیں ایک مسرت یہاں لے آئی۔ کیونکہ آپ نے ہماری ایک مستقل پریشانی ختم کردی ہے۔ (حبشی اقتدار کا خاتمہ کر دیا ہے) ہم آپ کو مبارک دینے آئے ہیں۔ کچھ مانگنے نہیں آئے۔ سیف بادشاہ بولا۔ اے گفتگو کرنے والے! اہل حرم میں سے تم کون ہو؟ آپ نے کہا۔ میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں۔ وہ کہنے لگا اچھا ہماری بہن کے بیٹے ہو۔؟ کہا ہاں۔ چنانچہ شاہ نے آپ کو قریب کرلیا اور وفد کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ بہت بہت خوش آمدید۔ ہم آپ لوگوں کی بہتر سے بہتر میزبانی کریں

گے۔ اچھا نوازیں گے۔ شاہ یمن نے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔ اب آپ لوگ ہمارے دن رات کے مالک ہیں۔ جب تک آپ ٹھہریں گے۔ عزت افزائی ہوگی۔ اور واپسی پر ہماری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ اب آپ لوگ سرکاری مہمان خانے میں تشریف لے چلیں۔ ساتھ ہی اس نے مہمانوں کے لئے یہ حکم دے دیا۔ کہ ایک مہینہ تک انہیں ٹھہراؤ۔ شاہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اور عبدالمطلب کو اپنے قریب کر لیا۔ اور خوش آمدید کہا۔ پھر بولا۔ اے عبدالمطلب! میں تمہیں ایک راز منتقل کرنے لگا ہوں۔ کوئی اور ہوتا تو اسے ہرگز نہ بتلاتا۔ مگر میں نے تمہیں اس کا امین پایا ہے۔ تو یہ راز تمہارے پاس محفوظ رہنا چاہیے۔ تاآنکہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ ظاہر کردے۔ کیونکہ وہ اپنے امر پر غالب ہے۔ میں نے اس خفیہ کتاب اور مخزون علم میں پڑھا ہے۔ جو صرف ہمارے خاندان کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی اسے ہرگز نہیں پا سکتا۔ وہ یہ کہ ایک عظیم بھلائی ظاہر ہونے والی ہے جو بعض لوگوں کے لئے بڑا خطرہ ہوگی۔ اس میں حیات انسانی کے لئے شرافت و فضیلت کا خزانہ ہوگا۔ تمہارے وفد کے لیئے عموماً" اور تمہارے لیۓ خصوصاً"۔ عبدالمطلب کہنے لگے۔ آپ جیسا بادشاہ ہمیشہ صاحب مسرت و خیر رہے۔ وہ بھلائی کیا ہے۔ آپ پر ہم جیسے بادیہ نشین گروہ در گروہ قربان ہوں؟ بادشاہ کہنے لگا۔ جب مکہ میں وہ بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے دونوں کندھوں کے درمیان علامت (مہر نبوت) ہوگی۔ اس کے لئے امامت ہوگی۔ اور اس کی برکت سے تمہاری کرامت قیامت تک ہوگی۔ عبدالمطلب کہنے لگے۔ آپ برائی سے دور رہیں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ ہمارا وفد نہایت خوش بخت ہے۔ اور ہم وہ کچھ لے کر لوٹیں گے۔ جو ایک کامیاب وفد کا حصہ ہوتا ہے۔

اگر جلالت سلطان مانع نہ ہو۔ تو میں اس کی کچھ وضاحت چاہوں گا۔ تاکہ میری مسرت میں مزید اضافہ ہو۔ شاہ نے کہا۔ وہ بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ یا ہو چکا ہے۔ اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ اس کے کندھوں کے درمیان علامت ہے۔ اس کے والدین فوت ہو جائیں گے۔ دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ ہم نے پیشن گوئی بارہا پڑھی ہے۔ اللہ اسے روز روشن کی طرح ظاہر کرے اور ہمیں اس کا خادم اور ناصر کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے اولیاء کو معزز اور دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ دشمن اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔ اور ان کی عالی نسب عورتیں مباح کرلی جائیں گی۔ رحمان کی عبادت ہوگی۔ شیطان ذلیل ہوگا۔ آگ بجھ جائے گی اور بت ٹوٹ جائیں گے۔ اس کا فیصلہ تقدیر الٰہی اور اس کا حکم سراپا عدل ہوگا نیکی کا حکم دے گا۔ اور اسے خود کرے گا۔ برائی سے روکے گا۔ اور اس سے خود باز رہے گا۔

عبدالمطلب کہنے لگے۔ اے شاہ یمن! آپ کے پڑوسی معزز ہیں آپ کی کوشش کامیاب اور شان بلند رہے۔ عمر لمبی ہو۔ اور ملک ہمیشہ قائم رہے۔ کہا بادشاہ آپ مزید وضاحت کر سکتے ہیں؟ سیف نے کہا۔ غلاف والے کعبہ کی قسم جس کی شہرت دور دور تک ہے اے عبدالمطلب اس بچے کے دادا تو تم ہو اس میں کوئی جھوٹ نہیں عبدالمطلب یہ سن کر سجدے میں گر گئے۔ شاہ نے کہا سر اٹھائیں۔ تمہارا سینہ ٹھنڈا رہے کہ۔ کیا میری ذکر کردہ علامات تم میں موجود ہیں؟ عبدالمطلب کہنے لگے۔ ہاں اے بادشاہ۔ میرا ایک بیٹا تھا۔ جس کے ساتھ مجھے بے حد پیار تھا۔ میں

لے اسے اپنی قوم کی ایک عالی نسب عورت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ سے بیاہ دیا۔ اس سے لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اس کے ماں باپ مر گئے۔ میں نے اور اس کے چچا نے اس کی پرورش کی اس کے کندھوں کے درمیان ایک نشانی ہے۔ اور وہ آپ کی ذکر کردہ تمام علامات کا حامل ہے۔ سیف نے کہا۔ اپنے بیٹے کی حفاظت کرو۔ اسے یہود سے بچاؤ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ یہود کو اس تک نہیں پہنچنے دے گا۔ میرا یہ راز اپنے ساتھی وفد سمیت کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ ممکن ہے ان کے دلوں میں حسد آجائے۔ کہ ریاست انہیں حاصل ہونے والی ہے۔ پھر یہ لوگ اس کے لئے مصائب کھڑے کریں گے۔ اس کے خلاف سازش کریں گے۔ اگر موت مجھے ہلاک کرنے والی نہ ہوتی۔ تو میں اپنے سارے سوار لے کر چلتا۔ اور یثرب کو پایۂ تخت بنالیتا۔ کیونکہ میں نے اس بولتی کتاب میں پڑھا ہے۔ کہ اس نبی کا قرار بھی یثرب میں ہوگا۔ اور مزار بھی یثرب میں ہوگا۔ اگر میرا مقصد یہ نہ ہوتا کہ اسے آفات زمانہ سے محفوظ رکھا جائے۔ تو میں عرب کے چپے چپے پر اس کا چرچہ کرتا۔ اور نوعمری میں ہی اس کا ذکر بلند ہو جاتا۔ مگر میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

بعدازاں شاہ یمن نے وفد کے ہر فرد کو سوسو اونٹ' دس دس غلام' دس دس لونڈیاں' دس دس رطل چاندی اور سونا اور عنبر سے بھرا ہوا ایک ایک برتن دیا۔ جبکہ عبدالمطلب کے لئے اس سے دس گنا زیادہ کیا۔ اور چلتے ہوئے عبدالمطلب سے کہنے لگا۔ یہ سال ختم ہونے پر مجھے اس بچہ کی خبر لادینا۔ مگر سال ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بادشاہ داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ عبدالمطلب قریش سے کہا کرتے تھے۔ اے قریش تم میں سے کوئی شخص مجھ پر اس لئے رشک نہ کرے۔ کہ شاہ یمن نے مجھے بہت نوازا تھا۔ یہ مال تو ختم ہونے والی چیز ہے۔ بلکہ مجھے اس شرافت کی مبارک باد دو۔ جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور جب پوچھا جاتا۔ وہ شرافت کیا ہے؟ تو آپ جواب دیتے کہ وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ خواہ اسے کچھ وقت لگے۔

حد ثنا سلیمان بن احمد قال حد ثنا احمد بن عمر الخلال قال حد ثنا محمد بن منصور الجوز قال حد ثنا یعقوب بن محمد بن عیسی بن عبدالملک بن حمید بن عبدالرحمن الزهری قال حدثنا عبدالعزیز قال حد ثنا عبدالله بن جعفر المخرمی عن ابی عون مولی المسور بن مخرمه عن المسور عن ابن عباس عن ابیه العباس بن عبدالمطلب قال قال عبدالمطلب قدمت الیمن فی رحلته الشتاء فنزلت علی حبر من الیهود فقال رجل من اهل الزبور یعنی اهل الکتاب ممن الرجل قلت من قریش قال ممن الیهم قلت من بنی ہاشم قال یاعبدالمطلب اتاذن لی ان انظرالی بعضک قال نعم مالم یکن عورته قال ففتح احد منخری ثم فتح الاخر فقال اشهد ان فی احدی یدیک ملکا و فی الاخری نبوته وانا بجدذالک فی بنی زهره فکیف ذالک قلت لاادری قال هل لک من شاعته قلت وما الشاعته قال الزوجته قلت اما الیوم فلا قال فاذا ارجعت فتزوج فیهم فرجع عبدالمطلب الی مکته فتزوج هالته بنت وهب بن عبد مناف بن زهره فولدت له حمزه وصفیه وتزوج عبدالله بن عبدالمطلب امنه بنت وهب فولدت له رسول الله صلی الله علیه وسلم

(لہ دلائل النبوۃ ابونعیم۔ جلد اول صفحہ نمبر ۱۴) (کہ دلائل النبوۃ بیہقی جلد نمبرا ص ۱۰۶)

ترجمہ :۔ ابن عباس بن عبدالمطلب سے بیان کرتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سردیوں میں یمن گیا۔ تو وہاں ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی۔ ایک زبور کو ماننے والے شخص نے مجھ سے پوچھا۔ کس خاندان سے ہو؟ میں نے کہا قریش سے پوچھا ان کی کونسی شاخ میں سے؟ میں نے کہا بنی ہاشم سے۔ وہ کہنے لگا اے ابو عبدالمطلب! اجازت ہو تو میں تمہارا کچھ جسم دیکھ سکتا ہوں؟ میں نے کہا شرمگاہ کے علاوہ دیکھ سکتے ہوں۔ اس نے میری ناک کا دایاں نتھنا پھرپایاں دیکھا۔ تو کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں حکومت اور دوسرے میں نبوت ہے ہم تو اس کا حقدار بنی زہرہ کو جانتے تھے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا مجھے کیا خبر۔ کہنے لگا۔ تمہاری بیوی ہے۔ میں نے کہا ابھی تو نہیں۔ پھر عبدالمطلب بیان کرنے لگے۔ کہ میں جب واپس مکہ آیا تو اس نے کہا کہ بنی زہرہ میں سے شادی کرنا۔ چنانچہ میں نے ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ سے شادی کی۔ اس سے میرے ہاں حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے۔ اور پھر جناب عبداللہ نے آمنہ بنت وہب سے شادی کی۔ تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

ایک یہودی عالم کی پیشگوئی :۔

كان يوما جلس عبدالمطلب فى الحجر وعنده اسقف نجران۔ و كان صديقاله وهو يحادثه ويقول انا نجد صفة نبى من ولد اسماعيل هذا البلد مولده من صفته كذاو كذااتى رسول الله صلى الله عليه وسلم على بقيته هذالحديث نظر اليه المسقف والى عينيه والى ظهره والى قدميه فقال هو هذاما هذا منك قال ربنى قالالسقف ماتجد ابيه حيا قال عبدالمطلب هوابن ابنى وقد مات ابوه وامته حبلى به قال صدقت قال عبدالمطلب لبنيه تحفظوا بابن اخيكم الاتسمعون مايقال فيه (دلائل النبوۃ جلد اول ص ۲۰۷ تا ۲۰۸)

جناب عبدالمطلب ایک دن حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس ایک نجران کا آسقف عالم بھی بیٹھا تھا۔ یہ ان کا بڑا دوست تھا۔ گفتگو ہو رہی تھی۔ تو کہنے لگا۔ ہم اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک پیغمبر کی خوش خبری پاتے ہیں۔ کہ جن کی جائے پیدائش یہی مکہ ہوگی۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔ آسقف نے آپ کو، آپ کی آنکھوں اور قدموں کو دیکھا۔ اور پوچھا۔ یہ بچہ تمہارا کیا لگتا ہے۔؟ میں نے کہا میرا بیٹا ہے۔ آسقف کہنے لگا۔ ہمیں تو یہ پتہ ہے۔ کہ اس کا باپ زندہ نہ ہوگا۔ عبدالمطلب کہنے لگے۔ میں نے کہا۔ کہ میں اس کا دادا ہوں۔ اس کا باپ اس کی پیدائش سے قبل ہی انتقال کر گیا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ یہ سچ ہے۔ پھر جناب عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ اپنے بھتیجے بھائی کی خوب حفاظت کرو۔ کیا تم اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے۔ وہ سنتے نہیں۔

اسم محمد رکھنے کی وجہ :۔

فقال احفظنه فانی ارجوان یصیب خیرا فلما کان الیوم السابع ذبح عنه ودعاله قریشا فلما اکلو اقالوایاعبدالمطلب ارایت ابنک هذا الذی اکرمتنا علی وجهه ما سمیته قال سمیته محمدا فلم رغبت به عن اسماء اهل بیته قال اردت ان یحمده الله تعالی فی السماء وخلقه فی الارض (دلائل النبوۃ بیہقی جلد اول ص ۱۱۳)

جناب عبدالمطلب نے عورتوں کو کہا۔ کہ اس نومولود کی بہت حفاظت کرنا۔ کیونکہ میں امید کرتا ہوں۔ کہ یہ خیر کثیر کو پہنچے گا۔ پھر جب ساتواں دن آیا۔ تو ان کی طرف سے ذبح کیا گیا۔ اور قریش کو کھانے کی دعوت دی جب سب کھا چکے۔ تو پوچھا۔ اے عبدالمطلب! یہ نومولود جس کی تو نے ہمیں دعوت کھلائی اس کا کیا نام رکھا ہے؟ کہا میں نے محمد نام رکھا ہے۔ کہنے لگے خاندانی ناموں کو چھوڑ کر یہ نیا نام رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ کہا میں نے ارادہ کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اس کی مخلوق زمین پر اس کی تعریفیں کرے اس لئے میں نے یہ نام رکھا ہے۔

اسم عبداللہ رکھنے کی وجہ:۔

قیل خرج عبد المطلب ومعه ولده عبدالله وکان احسن رجل فی قریش خلقا وخلقا وکان نور النبی صلی الله علیه وسلم بینا فی وجهه ..... وفی روایته انه کان اکمل بنی ابیه واحسنهم واعظمهم واجنهم الی قریش وقد هدی الله تعالی والده فسماه باحب الاسماء الی الله تعالی فضی الحدیث احب السماء الی الله تعالی عبدالله وعبدالرحمن (سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۱ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب عبدالمطلب گھر سے نکلے تو ان کے ساتھ ان کے بیٹے جناب عبداللہ بھی تھے۔ خاندان قریش میں سب سے زیادہ حسین اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک ان کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے جناب عبداللہ کامل ترین، خوبصورت ترین، اور محبوب ترین شخص تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو ان کا نام رکھنے کی مخصوص راہنمائی فرمائی۔ کیونکہ ان کا نام وہ نام ہے۔ جو ازروئے احادیث اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں سے زیادہ محبوب ہے۔ یعنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن (۵)

لمحہ فکریہ:

جناب عبدالمطلب نے لوگوں کے سوال کے جواب میں جو فرمایا کہ میں نے اپنے پوتے کا نام "محمد" اس لیے رکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق ان کی تعریف کرے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان تھا۔ اور آسمانوں کا خالق و مالک اسی کو سمجھتے تھے۔ یہی توحید ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کی طرف خیال جاتا ہے جو اس نے عبدالمطلب کو اپنے بیٹے کے نام رکھنے میں عطا کی۔ تو اس سے اور بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ

انہیں شرک سے کتنی نفرت تھی۔ اور خدا کی بندگی کا کس قدر اعتقاد تھا۔ حالانکہ اس دور کے مردوں کے نام عام طور پر بتوں کے ناموں پر رکھے جاتے تھے۔ لہٰذا جناب عبدالمطلب کا مومن اور موحد ہونا اس طرح روشن ہے۔ جس طرح دن کے وقت سورج۔

عبدالمطلب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا علم کتب سابقہ سے بھی معلوم تھا۔

قال اخبر نا محمد بن عمر من الاسلمی قال حد ثنی علی بن یزید بن عبداللہ بن وھب بن زمعۃ عن ابیہ عن عمتہ قالت لما ولدت امنہ بنت وھب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت الی عبدالمطلب فجاءہ البشیر وھو جالس فی الحجر معہ ولدہ ورجال من قومہ فاخبرہ ان امنہ ولدت غلاما فسر ذالک عبدالمطلب وقام ھو ومن کان معہ فدخل علیھا فاخبرتہ بکل ما رات وما قیل لھا وما امرت بہ قال فاخذہ عبدالمطلب فادخلہ الکعبۃ وقام عندھا یدعو اللہ ویشکر ما اعطاہ قال اخبر نا محمد بن عمر الاسلمی قال واخبرت ان عبدالمطلب قال یومئذ

الحمد للہ الذی اعطانی ھذا الغلام الطیب الاردان

قد ساد فی المھد علی الغلمان اعیذہ باللہ ذی الارکان

حتی اراہ بالغ البنیان اعیذہ من شر ذی شنان

من حاسد مضطرب الجنان

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ نمبر ۱۰۳)

ترجمہ: عبدالمطلب بن وہب اپنے باپ کے ذریعہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ آمنہ بنت وہب کے ہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہوں نے جناب عبدالمطلب کی طرف ایک خوش خبری دینے والے کو بھیجا۔ جب وہ آپ کے پاس آیا۔ تو آپ اس وقت حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپکے اردگرد آپکے بیٹے اور قوم کے کچھ اور مرد بھی بیٹھے ہوئے تھے تو آنے والے نے خوش خبری دی۔ کہ آمنہ کے گھر ایک بچہ کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب بہت خوش ہوئے۔ اٹھے اور جو ان کے ساتھ وہاں لوگ تھے بھی اکٹھے حضرت آمنہ کے گھر آئے۔ تو حضرت آمنہ نے جو کچھ (خرق عادت کے طور پر) دیکھا' جو ان سے کہا گیا اور جن باتوں کا انہیں حکم دیا۔ وہ سب عبدالمطلب سے کہہ دیں۔ عبدالمطلب اسے لے کر کعبہ میں آئے وہاں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کی عطا پر شکر گزار ہوئے۔ ایک اور روایت کے مطابق جناب عبدالمطلب نے کچھ اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

ا۔ تمام تعریفیں اس اللہ پاک کی جس نے ہمیں یہ نہایت سخی بچہ عطا فرمایا۔

۳۔ پنگھوڑے میں ہی اس نے تمام بچوں کی سیادت حاصل کر لی۔ میں اسے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں جو ہر ارکان کا مالک ہے۔

۴۔ میں اس کو مضبوطی اور بلوغ تک پہنچتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک ہر حاسد کے حسد سے میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ صاحب البدایہ والنہایہ نے یہ شعر بھی ذکر کئے ہیں۔

۱۔ ذی همته لیس له عهنان   حتی اراه رافع اللسان

۲۔ انت الذی سمیت فی القران   فی کتب ثابته المثانی

احمد مکتوب علی اللسان

(البدایہ والنہایہ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۵)

ترجمہ بصاحب ہمت ہیں۔ ان کا کوئی سردار نہیں۔ میں انہیں کا چرچا لوگوں کی زبان پر سنوں۔

تم وہ ہو کہ جن کا سابقہ کتب میں یوں تذکرہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن میں ان کا نام احمد عام و خاص کی زبان پر جاری ہوگا۔

اشعار عبدالمطلب

قال عبدالمطلب یدعوالله وذکر یونس بن بکیر عن محمد بن اسحاق ان عبدالمطلب یقول۔

۱۔ اللهم انت الملک المحمود   ربی انت المبدی المعید

۲۔ ان شئت الهمت کما ترید   لموضع الحلیته والحدید

۳۔ فبین الیوم کما ترید   انی نذرت العاهد المعهود

اجعله رب لی فلا اعود

(البدایۃ والنہایۃ جلد دوم ص ۲۴۶)

زمزم کا کنواں جناب عبدالمطلب سے پہلے بند ہو چکا تھا۔ بذریعہ الہام انہیں کھودنے کا حکم ملا۔ لیکن یہ جگہ چونکہ اساف اور نائلہ بت کے درمیان واقع تھی اس لیے ان بتوں کے نقصان کے پیش نظر قریش نے ان کی مخالفت کی) اس پر جناب عبدالمطلب دعا کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوئے۔ اور یہ اشعار بطور دعا پڑھے۔

۱۔ اے اللہ! تو بادشاہ اور قابل تعریف ہے۔ میرے پروردگار تو ہی ابتدا میں سب کو پیدا کرنے والا اور پھر دوبارہ ان کا اعادہ کرنے والا ہے۔

۲۔ تو چاہے تو جیسے بھی مجھے الہام سے نواز دے۔ اور اس جگہ اگرچہ لوہا اور سونا رکاوٹ کیوں نہ ہوں۔

۳۔ اور آج کے دن تو اپنے ارادہ کو واضح کر دے۔ میں نے تو پختہ نذر مانی ہوئی ہے۔ اور مجھے اس سے پھر جانے کی ہمت نہ عطا کرنا۔

لمحہ فکریہ:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جناب عبدالمطلب نے کہا۔ وہ مالک ہے۔ وہ محمود ہے۔ وہ میرا پروردگار ہے۔ وہ تم کو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے۔ پھر وہی اعادہ کرنے والا ہے اس کا حکم اٹل ہے۔ وہ میری طرف الہام کرتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ان کے پختہ مسلمان ہونے کی صراحت کرتا ہے۔ کفرو شرک سے بیزاری ظاہر ہوتی ہے تین سو ساٹھ بتوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا کیا کسی مشرک یا کافر سے متوقع ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ جناب عبدالمطلب پکے مسلمان، کفروشرک سے بالکل مبرا کامل موحد اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔ کسی نے ان خیالات کا اظہار ان سے زبردستی نہیں کروایا۔ بلکہ دل کی گہرائیوں سے یہ باتیں کہیں۔

ایمان حضرت عبداللہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا خاص مطیع بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنا مطیع پیدا کر۔ اس کی تفسیر میں تمام مفسرین کرام نے لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل و ذبیح کی یہ دعاء قبول فرمائی۔ اور اس کی قبولیت کا نتیجہ تھا۔ کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے تک آپ کے تمام آباؤ اجداد یقیناً مومن وموحد تھے۔ ان میں سب سے آخری شخصیت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے اس دعائیہ آیت کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ہم کر چکے ہیں۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ نمبر ۲۵ الزخرف آیت ۲۸

اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اپنے خلیل کی ایک اور دعا کا ذکر فرمایا۔

وہ یہ کہ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ! تو کلمہ توحید کو میرے اولاد میں باقی رکھنا اس آیت کے تحت بھی مفسرین کرام نے لکھا کہ کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے تک جناب خلیل کی اولاد میں جاری وساری رہا۔ اور اس کلمہ پر خود قائم رہنے اور دوسروں کو دعوت دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد بطریقہ اولیٰ تھے۔ اور یہی کلمہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں بھی آیا۔ اس آیت کی تفصیلی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔

ان مذکورہ دلائل سے جہاں آپ کے تمام آباؤ اجداد کا مومن و موحد ہونا ثابت ہوا۔ ان میں آپ کے والد گرامی بھی ہیں۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ بھی شامل لیکن ان دونوں کو ایمان کا درجہ عالیہ کاملہ عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ان دونوں کو وصال فرما جانے کے بعد کچھ دیر کے لئے پھر زندہ کیا اور انہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا نصیب فرمایا۔ یوں ان دونوں بزرگواروں کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان سے نوازا۔

نوٹ:۔ علماء امامیہ کے نزدیک والدین حضرت محمد مصطفیٰ دین ابراہیم پر انتقال فرما گئے تھے لہٰذا انہیں دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا اور کلمہ توحید مکمل پڑھنا جس حدیث سے ثابت ہے۔ وہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن بارہا لکھ چکے ہیں۔ کہ ضعیف حدیث محدثین کرام کے نزدیک بالاتفاق فضائل میں معتبر شمار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں جب اس کے تائید دوسرے نصوص سے بھی ہوتی ہو تو ضعف اور بھی ضعیف ہو جائے گا۔ لہٰذا والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مومن کامل اور موحد خالص ہونے میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے مومن و موحد ہونے پر واقعہ بھی دلالت کرتا ہے۔ جو ان سے پہلے حضرات کے ایمان پر دلالت کرتا تھا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد ماجد کی پیشانی میں نور محمدی کو اس طرح ظاہرو باہر کر دیا تھا کہ دیکھنے والے دیکھا کرتے تھے۔ اسی نور نبوت کی چمک دمک کو دیکھ کر جناب عبداللہ کو نوفل کی بچی نے عقد نکاح کا پیغام بھیجا۔ یہ واقعہ اہل سنت کی معتبر کتب میں موجود ہے۔ جو آپ کے والد ماجد کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(رقیہ بنت نوفل) و کانت تسمع من اخیها انه کائن فی هذه الامته نبی فقالت له حین نظرت الی وجهه وفیه نور المصطفی وظنت ان النبی الکائن فی هذا الامته منه و کان احسن رجل رئی فی قریش اتقع لک مثل الابل التی نحرت عنک وقع علی الان ای جامعنی ولعله کان من شرعهم ان المراته تزوج نفسها بلا ولی و شهود لانهلم تکن زانیته ولا مریدته له بل کانت عفیفته قالت ذالک لمارات فی وجهه من نور النبوته و رجت ان تحمل بهذالکریم صلی الله علیه وسلم فلی الله ان یجعله الا حیث شاء فقال لها انا مع ابی ولا استطیع خلافه وفراقه وقیل اجابها بقوله اما الحرام فالممات دونه ومعرفته کالحلال مما بقی عند هم من الشرائع ابراهیم کغسل جنابته والحج فلا یرد انهم کانو فی الجاهلیته لا یعرفون حلا لا ولا حراما و الحل موجود لعدم تزوجی بک فا ستبینته یحمی الکریم عرضه ودینه۔(زرقانی جلد اول ص ۱۰۱ ت ۱۰۲)

ترجمہ :۔ رقیہ بنت نوفل اپنے بھائی سے سنا کرتی تھی۔ کہ اس امت میں ایک پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ تو اس نے جب جناب عبداللہ کے چہرہ کو دیکھا۔ جس میں جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور جھلک رہا تھا۔ اور اس نے گمان کیا۔ کہ آنے والا پیغمبر اسی شخص سے ہوگا۔ کیونکہ جناب عبداللہ قریش میں سے خوبصورت ترین شخص تھے۔ دیکھ کر کہنے لگی۔ کہ میں اتنے اونٹ تجھے دوں گی جتنے تیری خاطر ذبح کئے گئے تھے۔ لیکن اس شرط پر تو مجھ سے ابھی جماع کرے۔ شائد اس طرح کا نکاح جو گواہوں اور ولی کے بغیر ہو۔ وہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ کیونکہ یہ عورت نہ تو زانیہ تھی۔ اور نہ ہی زنا کرنے کا ارادہ کرنے والی تھی۔ بلکہ باحیاء اور پاک دامن عورت تھی۔ جناب عبداللہ کے چہرہ میں اسے نور نبوت نظر آیا۔ تو اس نے یہ کہا۔ کیونکہ وہ یہ امید لگائے بیٹھی تھی۔ کہ میں اس نبی آخرالزمان سے حاملہ ہوجاؤں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ چاہا۔ وہ جس کے مقدر میں تھا۔ اسے ہی ملنا تھا۔ اس پیش کش کے جواب میں جناب عبداللہ نے کہا۔ دیکھو میرے ساتھ میرے والد ہیں۔ میں ان کے خلاف بھی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی ان کی جدائی برداشت کر سکتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ جناب عبداللہ نے یہ جواب دیا کہ حرام سے تو موت بہتر ہے اور حضرت عبداللہ کا اس حرام کو جاننا اسی طرح تھا۔ جس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی کچھ حلال باتیں جانتے تھے۔ جیسا کہ جنابت کا غسل اور حج وغیرہ۔ لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ آپ دور جاہلیت میں تھے۔ اور حلال و حرام کو نہیں پہچانتے تھے۔ کیونکہ میرا تیرا نکاح نہیں ہوا اس لئے تیری پیش کش پوری کرنا حلال نہیں۔ لہٰذا ایک کریم شخص اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور میں بھی اسی زمرے کا آدمی ہوں۔

قالت انی واللہ لست بصاحبۃ ریبۃ ولکنی رایت نور النبوۃ فی وجھک فاردت ان یکون ذالک لی وابی اللہ الا ان یجعلہ حیث جعلہ و بلغ شباب قریش ماعرضت علی عبداللہ بن عبدالمطلب وتابیہ علیھا فذکروا ذالک لھا فانشات تقول

انی رایت مخیلۃ عرضت	فتلالات بحناتم القطر
فلمائھا نور یضی لہ	ماحولہ کاضاءۃ الفجر
ورایتہ شرفا ابوء بہ	ماکل قادح زندہ یوری
للہ مازھریۃ سلبت	ثوبیک ماستلبت وما تدری

قالت فلا حاجۃ لی فیک انک مررت وبین عینیک نور ساطع الی السماء فلما وقعت علیھا ذھب فاخبرھا انھا فحملت خیر اھل الارض۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۶ تا ۹۷)

رقیہ بنت نوفل کہنے لگی۔ خدا کی قسم! میں بدکار عورت نہیں ہوں لیکن میں نے تمہارے چہرہ میں نور نبوت دیکھا تھا۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ وہ میرے اندر منتقل ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ ہوا۔ اس نے جہاں منتقل کرنا تھا کر دیا۔ جب قریش کے نوجوانوں کو خبر ملی کہ فلاں عورت نے اپنے آپ کو عبداللہ بن عبدالمطلب پر پیش کیا۔ اور انہوں نے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے اس عورت سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو اس نے جواباً چند اشعار پڑھے۔

۱۔ میں نے ایک بجلی کی طرح کا نور دیکھا تھا۔ جس نے کالے بادلوں کو بھی جگمگا دیا تھا۔

۲۔ اس بجلی میں ایسا نور تھا جو کامل چاند کی طرح اپنے ماحول کو منور کر رہا تھا۔

۳۔ میں نے چاہا کہ اسے حاصل کر لوں۔ تاکہ میرے لئے باعث افتخار بن جائے۔ لیکن ہر پتھر جس کو رگڑا جائے اس سے آگ نہیں نکلتی۔

۴۔ مگر اس زہری عورت (سیدہ آمنہ) کی عظمت اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ جس نے اے عبداللہ تمہارے دونوں کپڑے (نبوت حکومت) لے لئے۔ اس نے کیا لے لیا وہ کیا جانے۔

جب حضرت آمنہ کے ساتھ ہم بستری کرنے کے بعد پھر اسی عورت کو جب پیغام بھیجا کہ اب میں تمہارے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تو وہ کہنے لگی۔ اب مجھے تمہارے اندر کوئی بات نظر نہیں آتی۔ لہٰذا میں انکاری ہوں۔ کیونکہ پہلی مرتبہ جب تمہارا گزر میرے سامنے سے ہوا تھا۔ تو میں نے تمہارے دونوں آنکھوں کے درمیان سے آسمانوں کی طرف اٹھتا ایک نور دیکھا تھا۔ اب جبکہ تم نے اس (آمنہ) سے وطی کر لی ہے۔ تو وہ نور تمہاری پیشانی میں نہیں رہا۔ جب جناب عبداللہ نے حضرت آمنہ سے پوچھا۔ تو وہ کہنے لگیں۔ میں امید سے ہو گئی ہوں تو جناب عبداللہ نے کہا۔ کہ تو ایسے بچے کی ماں بننے والی ہے جو روئے زمین میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

لمحہ فکریہ:

علامہ زرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مومن اور موحد تھے۔ کیونکہ

۱۔ ایک پاک دامن عورت نے انہیں اپنی شریعت کے مطابق حقوق زوجیت ادا کرنے کی دعوت دی تھی۔

۲۔ اس عورت کو آپ کی پیشانی میں نور نبوت نظر آیا تھا۔

۳۔ آپ دین ابراہیمی کے حلال وحرام کے کچھ مسائل جانتے ہوئے ان پر عمل پیرا تھے۔ اس لئے آپ نے ایسے نکاح کو ناجائز کہہ کر انکار کردیا۔

۴۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں ایسا ناجائز کام کر کے اپنی عزت و دین کو برباد نہیں کر سکتا۔

۵۔ پھر وہی نور حضرت آمنہ کے بطن اقدس میں منتقل ہوگیا۔

۶۔ اسی نور کو پاکیزہ رحم میں منتقل کرنے کی وصیت آدم سے چلی آرہی تھی۔

یہ تمام باتیں اس امر کی شاہد ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ موحد اور مومن تھے۔ اور یہ کہ آپ بعض احکام و مسائل دین ابراہیمی پر کاربند بھی تھے۔ اور انہیں اپنی پیشانی میں چمکتے نور کا علم تھا۔ کہ یہ خود نبوت آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ان شواہد کے پیش نظر جناب عبداللہ کے کفرو شرک کا اعتقاد رکھنا کسی طرح بھی قابل یقین نہیں۔

سیرت کی مختلف کتابوں (مثلاً" سیرت حلبیہ' سیرت ابن ہشام' زرقانی طبقات ابن سعد) میں ایک واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ آب زمزم پانچ سو سال سے بند چلا آرہا تھا۔ اپنے طویل عرصہ کے گزرنے پر جناب عبدالمطلب نے اسے کھولنے کا ارادہ کیا۔ اس کنوئیں کا محل وقوع دو بتوں نائلہ اور اساف کے درمیان پڑتا تھا۔ کھودائی کرتے وقت ان کا صرف ایک بیٹا تھا جو ان کے ساتھ تھا۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دا بیٹے عطا کرے اور تمام ہوں تو میں ایک بیٹے کی قربانی پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے عطا کر دیئے۔ جب بھی جوان ہوگئے۔ پھر آواز آئی کہ اپنی نذر پوری کرو۔ اس مرتبہ انہوں نے اپنے والد سے پوچھا۔ اونٹ سے بڑی قربانی کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ اپنے بیٹوں میں سے ایک کی قربانی۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر کا واقع یاد آنے پر سنایا۔ لٰہذا طے ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ جس بیٹے کے نام نکلے گا۔ وہ قربان کیا جائے گا۔ قرعہ جناب حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ جب آپ انہیں ذبح کرنے لگے۔ تو آپ کی ہمشیرگان اپنے بھائی کے سامنے کھڑی ہوگئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہ اونٹوں اور ہمارے بھائی عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کرو۔ جس کا نام نکلا۔ پھر دس اور بڑھائے جائیں۔ اسی طرح ہر بار قرعہ کر دینا۔ اول دس اونٹ مقابلہ میں رکھے گئے۔ قرعہ ڈالا تو جناب عبداللہ کے نام نکلا۔ پھر دس اور بڑھائے اسی طرح ہر بار قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلتا تھا۔ لیکن سو اونٹ ہونے پر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر تمام قبیلہ خوش ہوگیا۔ آپ نے مزید اطمینان کی خاطر تین دفعہ قرعہ اندازی کی۔ تینوں مرتبہ

اونٹوں کے نام نکلی۔ اس پر انہیں یقین ہوگیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عبداللہ کی بجائے سو اونٹوں کی قربانی پسند فرمائی ہے۔
یہ واقعہ مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔
(۱۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۷ تا ۵۹ (۲۔ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۸۸ تا ۸۹) (۳۔ زرقانی جلد اول ص ۹۳ تا ۹۷) بہر حال سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخریہ اپنے آپ کو ذبیحین کا بیٹا کہا ان دونوں ذبیح سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ والد ماجد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نوٹ۔
مذکورہ واقعہ میں چند باتیں بطور خاص قابل غور ہیں ہم انہیں ذیل میں درج کر رہے ہیں۔
1۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے قربان کیے جانے کے اس واقعہ سے کمل دیت صرف دس اونٹ تھی اور اسی کے مطابق سب سے پہلے دس اونٹوں اور جناب عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی۔ لیکن اب سو (۱۰۰) اونٹوں پر جاکر بات ختم ہوئی تو گویا یہ اشارہ تھا کہ ایک انسان کا اگر بدل ہو سکتے ہیں تو سو اونٹ اس دیت دس کی بجائے سو اونٹ مقرر ہوئی اور یہی دیت اس وقت تا قیامت جاری و ساری ہوئی۔

عن عکرمہ عن ابن عباس قال الدیۃ یومئذ عشرا" من الابل و عبدالمطلب اول من سن دیۃ النفس مائۃ من الابل فجرت فی قریش و العرب مائۃ من الابل و اقرھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ما کانت علیہ۔ (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۸۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جناب عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ دنوں دیت دس اونٹ تھی اور سب سے پہلے شخص جناب عبدالمطلب ہیں کہ جنھوں نے ایک شخص کی دیت سو اونٹ مقرر کی۔ تو ان کی یہ سنت قریش اور عرب میں جاری ہوگئی۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ دیت کو اسی پر جاری رکھا جیسا کہ شروع ہو چکی تھی۔ (یعنی سو اونٹ دیت)۔

2۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "ابن ذبیحین" کہلانا بہت پسند تھا اور آپ اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ قحط سالی کے دوران ایک اعرابی نے جب آپ سے ان الفاظ کے ساتھ سوال کیا۔ اے ابن ذبیحین! اس چیز سے ہمیں بھی کچھ عطا کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا مشقت عطا کیا ہے۔ ان الفاظ کے سنتے ہی آپ خوش ہوئے اور تبسم فرمایا۔

وفی الکشاف انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "انا ابن الذبیحین"۔ اے عبداللہ و اسماعیل۔ وعن بعضھم قال عند معاویۃ رضی اللہ عنہ لتنا کر القوم الذبیح ھل ھو اسماعیل او اسحاق فقال معاویۃ علی الخبیر سقطتم کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتاہ اعرابی ای یشکو جدب ارضہ فقال یارسول اللہ خلفت البلاد یابسۃ ھلک المال و ضاع العیال فعد علی مما افاء اللہ علیک یابن الذبیحین فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینکر علیہ فقال القوم من الذبیحان یا امیر المومنین قال عبداللہ و اسماعیل (سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۹ مطبوعہ بیروت)۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ذبیحین کا بیٹا ہوں۔ یعنی عبداللہ اور اسماعیل بعض سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ حضرت معاویہ کے ہاں تھے۔ یا کے لوگوں میں یہ ذکر چل نکلا۔ کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے۔ یا حضرت اسحاق حضرت معاویہ نے فرمایا۔ تم نے ایک ایسے شخص کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا ہے جو حقیقت حال سے باخبر ہے۔ ہم ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اور شکایت کی۔ کہ زمین خشک ہو گئی ہے۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میں شہروں کو خشک چھوڑ آیا ہوں۔ مال ہلاک ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو عطا کیا۔ اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجئے۔ اے ابن ذبیحین۔ یہ لفظ سن کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ اور انکار نہ فرمایا۔ لوگوں نے حضرت معاویہ سے پوچھا۔ پھر وہ دو ذبیح کون کون ہیں۔ فرمایا۔ حضرت عبداللہ اور دوسرے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔

3۔ ایک ذبیح اللہ یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد گرامی جناب ابراہیم خلیل اللہ کے انتہائی پیارے اور لاڈلے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور دوسرے ذبیح حضرت عبداللہ بھی اپنے باپ کی نظروں اپنے دوسرے نو بھائیوں سے زیادہ محبوب تھے۔ اور ایفائے نذر کا قرعہ بھی ان کے نام نکلا۔ تو جس طرح حضرت خلیل نے ارادہ ذبح میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اسی طرح حضرت عبدالمطلب نے قرعہ اندازی میں ایک نہیں تین بار قرعہ ڈال کر یقین کر لیا۔

وقام عبدالمطلب یدعو اللہ تعالی فخرج السهم علی الابل فقالت قریش ومن حضره قد انتهی رضا ربک و خلص لک ابنک فقال عبدالمطلب لا واللہ حتی اضرب علیها ثلاث مرات حضربوافخرج علی الابل فی المرات الثلاث فنحرت۔(دلائل النبوۃ جلد اول ص ۱۰۰ تا ۱۰۱)

جناب عبدالمطلب اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے کھڑے ہوئے اور قرعہ اندازی کی۔ اس دفعہ قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ تو قریش اور حاضرین نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اب اس پر راضی ہے۔ اور اس نے تمہارے بیٹے کی جان بخشی کر دی ہے۔ جناب عبدالمطلب نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم! میں جب تک تین مرتبہ قرعہ نہ ڈال لوں۔ اس وقت تک یقین نہ آئے گا۔ لہذا انہوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا۔ اور ہر مرتبہ قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ جس پر اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب عبدالمطلب نے اپنے اپنے صاحبزادوں سے ذبح ہونے کے بارے میں پوچھا۔ تو دونوں نے کوئی انکار نہ کیا۔ یہ ایک امتحان تھا۔ جب دونوں اپنے اپنے امتحان میں سرخرو ہوئے تو حضرت اسماعیل کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک دنبہ کی قربانی قبول فرمائی۔ اور عبداللہ کی جگہ سو اونٹ منظور ہوئے۔ دونوں کو خود قربان ہونے سے بچانے میں حکمت یہ تھی کہ دونوں کی پیشانی میں نور محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر تھا۔

قال بعضهم لما احب ابراهیم ہم ولده اسماعیل بطبع البشر بته ای لا سیما وهو بکره و وحیده افناک وقد اجری تعالی العادته البشر به بکر الاولاد احب الی الوالدای وخصوصا اذا کان لا ولدالہ غیره امر اللہ بذبحه لیخلص سره ولا رجع علی عادة الطبیع فداه بذبح عظیم لان مقام الخلته یقتضی توحید المحبوب بالمحبته فلما خلصت الخلته من

من شاهد المشلوكته لم يبق في الذبح مصلحته فنسخ الامر والفدى هذا (سیرت حلبیہ جلد اول ص ۵۹ تا ۶۰)

بعض نے کہا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بمقتضائے بشریت اپنے بیٹے (اسماعیل) سے محبت زیادہ دکھائی۔ خاص کر اس لیے بھی کہ وہ ان کا اکلوتا اور پہلا بیٹا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ فطری بات رکھی ہے۔ کہ اس کی سب سے پہلی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور پھر خاص کر اس وقت جب اس کے سوا اور کئی اولاد (نرینہ) نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو اپنے پیارے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ محبت میں ان کا راز صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔ اور اس خلوص کے لئے سبب بھی ایسا کہ جس سے قوی سبب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یعنی بچے کو ذبح کر دینا۔ پھر جب خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر دیا۔ اور اپنا دل صرف اسی کی محبت میں خالص کر دکھایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس ذبح کے بدلے ایک عظیم ذبح کے عطاء کر دی۔

کیونکہ مقام خلت و محبت کا تقاضا ہی یہ ہے۔ کہ محبت میں محبوب کی یکتائی ہی رہے تو جب خلت میں مشارکت کی ہر بات ختم ہو گئی تھی۔ اب لڑکے کے ذبح کرنے میں کوئی مصلحت نہ رہی تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ اور اس کے بدلے دنبہ کی قربانی کا حکم دے دیا۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ جات اور ان سے ثابت شدہ امور مذکورہ سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت عبدالمطلب اور ان کے صاحب زادے جناب عبداللہ مومن اور موحد تھے۔ اگر انہیں خدا سے پیار نہ ہوتا۔ تو نہ عبدالمطلب بیٹے کی قربانی خدا کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ اسی طرح جناب عبداللہ کی قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے اشارے کی تمثیل تھی۔ اور دونوں خدا کی رضا کی خاطر تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو دو ذبح ہونے والوں کا فرزند کہنے میں خوشی کا اظہار نہ فرماتے۔ اور نہ ہی اپنے آپ کو "**ابن الذبیحین**" کا لقب دیتے۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ جس کی انہوں نے تعمیل کی۔ تو اسماعیل ذبیح اللہ کہلائے۔ ادھر جناب عبدالمطلب کی نذر درست تھی۔ اور اس کی تعمیل پر ان کے صاحب زادے ذبیح اللہ کہلائے۔ اگر جناب عبدالمطلب کی نذر غلط ہوتی۔ اور ان کی قربانی دینا شرعاً محمود و ممدوح نہ ہوتا۔ تو ایسے غلط کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی فخر نہ کرتے اور نہ ہی تبسم فرماتے۔

منقول ہے کہ جناب عبدالمطلب نے سو اونٹ قربان کیے جو ان کی ذاتی ملکیت تھے۔ تو ان میں سے گھر والوں نے ایک لقمہ بھی نہ لیا۔ علاوہ ازیں اگر جناب عبدالمطلب کی یہ قربانی غلط ہوتی۔ تو پھر اس کو بطور دیت جاری و ساری رکھنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مختصر یہ کہ جس طرح تاقیامت ہر صاحب توفیق شخص عید قربانی کے دنوں میں قربانی دے کر سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ان تمام قربانیوں کا ثواب بغیر اس کے کہ کرنے والا کا کم ہو۔ جناب خلیل اللہ کے نامہ اعمال میں درج ہو رہا ہے۔ اسی طرح جب تک دیت کے طور پر سو اونٹ دیئے جاتے رہیں گے۔ اس

سنت کا اجروثواب جناب عبدالمطلب کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ جسے چاہے عطا کرے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والد اور دادا دونوں پکے مومن اور موحد تھے۔ اور بت پرستی ان سے کبھی وقوع پزیر نہیں ہوئی۔

ایمان حضرت آمنہ

روایت نمبر1: طبقات ابن سعد:

قال اخبر نا محمد بن عمر بن واقد الاسلمی قال حدثنی علی بن یزید بن عبداللہ بن واھب بن زمعتہ عن ابیہ عن عمتہ قلت کنا نسمع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لماحملت بہ امنہ بنت وھب کانت تقول ما شعرت انی حملت بہ ولا وجدت لہ ثقلتہ کماتجد النساالا انی قد انکرت رفع حیضتی و ربما کانت ترفعنی و تعودوانانی ات وانابین النائمہ والیقظان فقال شعرت انک حملت؟ فکانی اقول ما ادری فقال انک قد حملت بسید ھذہ الامتہ و بنیھا و ذالک یوم الاثنین قالت فکان ذالک مما یقن عندی الحمل ثم امہلنی حتی اذا دنا ولادتی اتانی ذالک الاتی فقال قولی اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد(طبقات ابن سعد جلد اول ص ۹۸)

وہب بن زمعہ اپنے باپ کے واسطے سے اپنی پھوپھی سے بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتی تھیں ہم یہ سنا کرتے تھے کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ گر ہوئے تو آپکی والدہ آمنہ بنت وہب کہا کرتی تھیں مجھے اس حمل کا کوئی پتہ نہ چلتا تھا اور نہ ہی مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھااور گاہ بگاہ وہ حمل اوپر یا نیچے ہوتا پھرایک آنے والا آیا اور میں اونگھ کی کیفیت میں تھی وہ کہنے لگا کیا تجھے پتہ ہے کہ تو امید سے ہوگئی ہے؟ گویا میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے کوئی علم نہیں تو اس نے کہا کہ تمہارے شکم میں اس امت کا سردار اور پیغمبر جلوہ فرما ہے یہ سوموار کی بات تھی سیدہ آمنہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ سے مجھے یقین ہوگیا کہ میں امید سے ہوں پھروقت گزرتا گیا اور جب ولادت کا وقت قریب آیا تو پھروہی آنے والا آیا اور کہنے لگا آمنہ کہو"میں اللہ بے نیاز کی پناہ چاہتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر سے"

توضیح:۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو اس کا یقینی علم تھا کہ ان کے پیٹ میں سید الانبیاء جلوہ فرما ہیں اور پھر اللہ کی طرف سے کسی نے غائبانہ انہیں ایسے کلمات کہنے کو بتائے تھے جوسراسر توحید پر مبنی ہیں سیدہ آمنہ نے انہی الفاظ سے استفادہ کیا اس سے ان کے ایمان و توحید کا علم ہوتا ہے۔

قال اخبرنا محمد بن عمر قال و ذکر بعض الناس ان حلیمتہ لما خرجت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بلا دھا قلت امنہ بنت وھب اعیذہ باللہ الجلال من شرما مر علی الجبال حتی اراہ حامل الحلال ویفعل العرف الی الموال وغیرھم من حشوۃ الرجال (طبقات ابن سعد جلد ا ص ااا)

کچھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

لے کر مکہ سے باہر اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوئیں۔ تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے انہیں فرمایا۔ میں اللہ صاحب جلال کی پناہ میں اس بچے کو دیتی ہوں۔ اس کی پناہ ہر شر سے جو پہاڑوں پر گزرتا ہے۔ یہ پناہ اس وقت تک مانگتی ہوں کہ وہ ہتھیار اٹھانے والا ہو جائے اور غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ بھلائی کرے۔

توضیح

اس روایت میں بھی حضرت آمنہ علیہا السلام کا رب ذوالجلال کی پناہ میں دینا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ شرک و کفر سے کوسوں دور تھیں اور ان کا عقیدہ تھا کہ ہر شر سے پناہ دینے والا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے اور انہی الفاظ میں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حلال و حرام کا بھی علم رکھتی تھیں تبھی تو کہا کہ میرا یہ بیٹا حلال کا طرفدار ہو گا ان باتوں سے بھی حضرت آمنہ علیہا السلام کا مومنہ اور موحد ہونا واضح ہوتا ہے کیونکہ ایسی باتیں کسی کافرہ یا مشرکہ سے نکلنا ناممکن ہے۔

فقالت آمنہ یا حلیمہ اعلمی انک قد اخذت مولودا" لہ شان واللہ لحملتہ فما کنت اجد ما تجد النساء من الحمل ولقد اتیت فقیل لی انک ستلدین غلاما" فسمیہ احمد و ھو سید المرسلین (طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۵۱)

حضرت آمنہ نے فرمایا اے حلیمہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم ایک ایسے بچے کو لئے جا رہی ہو جو عجیب شان والا ہے خدا کی قسم! میں جب حمل میں تھی تو مجھے کوئی ایسی بات پیش نہ آئی جو دوران حمل عام عورتوں کو پیش آتی ہے میرے پاس ایک آنے والا آیا اور کہا گیا کہ تم عنقریب ایک بچہ کو جنم دے رہی ہو اس کا نام احمد رکھنا اور وہ تمام رسولوں کے سردار ہوں گے۔

توضیح

روایت مذکورہ سے واضح ہوا ہے کہ حضرت آمنہ علیہا السلام کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ہی بتادیا گیا تھا کہ نومولود سید المرسلین ہیں اور ان کا نام احمد رکھنا اسی بنا پر آپ نے حلیمہ سعدیہ کو فرمایا کہ اس بچے کی شان ہی نرالی ہے اور پھر خدا کی قسم اٹھا کر ان کے دوران حمل کے واقعات بیان کئے ان باتوں سے بھی صاف عیاں ہے کہ حضرت آمنہ علیہا السلام مومنہ اور موحدہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ساتھ ان کی عقیدت صرف اپنا فرزند ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ کا رسول ہونے کی بنا پر تھی اس لئے اس بات کو وہ بڑی احتیاط سے اور فخر سے حلیمہ سعدیہ کے سامنے بیان کر رہی ہیں۔

و کانت آمنہ بنت وھب ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحدث انھا اتیت حین حملت بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فقیل لھا انک قد حملت بسید ھذہ الامۃ فاذا وقع علی الارض فقولی اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد و ذکر سائر

الابیات کما مضی و قال فان اٰیۃ ذالک یخرج معہ نور یملا قصور بصری من ارض الشام فاذا وقع فسمیہ فان اسمہ فی القراٰن محمد فسمتہ ذالک

دلائل النبوۃ جلد اول ص ۱۱)

• حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بیان کیا کرتی تھیں کہ دوران حمل میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا۔ کہ تو اس امت کے سردار کو اپنے شکم میں لئے ہوئے ہے جب ان کی زمین پر تشریف آوری ہو تو یہ کہنا میں اللہ واحد کی پناہ میں اسے ہر حسد کرنے والے کے حسد سے دیتی ہوں اس کے بعد وہ تمام ابیات ذکر کئے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اور اس کہنے والے نے کہا اس نو مولود کی پیدائش کی علامت یہ ہو گی کہ ایک روشنی کا اس کے ساتھ ظہور ہو گا جو ارض شام میں واقع بصریٰ کے محلات کو چمکا دے گی جب وہ اس کائنات میں جلوہ فرما ہو جائیں تو ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) رکھنا ان کا توراۃ و انجیل میں نام احمد ہے ان کی تمام آسمانوں اور زمینوں والے تعریف کریں گے اور ان کا قرآن میں نام محمد ہے اس پر حضرت آمنہ نے آپ کا نام محمد رکھا۔

توضیح :-

گزشتہ روایات کی طرح اس روایت میں بھی یہی مذکور ہے کہ حضرت آمنہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی معتقد تھیں اور ہر شر سے اسی پناہ کی قائل تھیں اور یہ بھی جانتی تھی کہ نو مولود کا تذکرہ توراۃ و انجیل میں ہے اور وہ سید المرسلین ہیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ ان پر اترنے والی کتاب کا نام قرآن ہو گا اور تمام کائنات ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گی اس قدر معلومات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آمنہ علیہا السلام کا اللہ وحدہ لا شریک کے ہاں کیا درجہ و مقام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کن کن فضائل و مناقب سے نوازا تھا اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کی عظمت کا معتقد رکھے۔ آمین

(ووضعت انا ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رکبت اتانی) حماری الانثی و یقال حمارۃ بالھاء علی قلۃ د واعنقت محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بین یدی قالت فنظرت الی الاتان و قد سجدت) خفضت راسھا او وضعت و جھھا علی الارض و ھوالظاہر ثلاث سجدات (نحو) ای جھتہ (الکعبۃ ثلاث و رفعت راسھا الی السماء الھمھا اللہ تعالی فعل ذالک شکر اللہ ان خصھا بکونہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ظھر ھا قالت حلیمۃ ولکبت اسمع اتانی تنطق و تقول واللہ ان لی شانا ثم شانا و کانہ قیل ما ذلشان فقالت (بعثنی اللہ بعد موتی) اعطانی قوتہ فذریھا الی سرعتہ السیر بعدما کنت کالمیتۃ من الضعف و ردلی سمنی بعد ھزالی۔۔۔ یانساء نبی سعد انا کنا لفی غفلتہ و ھل تدرین من ای الذی علی ظھری و قولہ علی ظھری خبرہ مبتداء خیار النبیین و سید المرسلین و خیر الاولین والاٰخرین و حبیب رب العالمین (زرقانی جلد اول ص ۱۳۴۔۱۳۵)

اور میں (حلیمہ) نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو الوداع کیا پھر میں اپنی درازگوش پر سوار ہو گئی اور میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے سامنے بٹھایا فرماتی ہیں کہ میں نے درازگوش کی طرف دیکھا کہ وہ اپنا سر جھکائے ہوئے ہے یا اس نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی ہے کیونکہ سجدہ کا معنی یہ دوسرا ظاہرا" بہتر ہے اور اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے بہر حال درازگوش نے جانب کعبہ تین مرتبہ ایسا سجدہ کیا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا اللہ تعالٰی نے اسے ایسا کرنا سکھا دیا تھا کہ وہ اس طرح کر کے اس بات کا شکریہ ادا کرے کہ آج اس کی پشت پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جلوہ فرما ہیں حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں اپنی درازگوش سے یہ باتیں سن رہی تھی وہ کہہ رہی تھی خدا کی قسم! میری شان بڑی عظیم ہے اس پر ایک سوال ابھرا کہ کیوں شان بڑی ہے؟ تو اس نے اس مقدر سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا وہ اس طرح کہ اللہ تعالٰی نے مجھے پھر دوبارہ زندہ کیا ہے مجھے ایسی قوت عطا کی ہے کہ میں اب تیز چل سکتی ہوں حالانکہ اس سے قبل میں کمزوری کے باعث مردوں میں شمار ہونے کے برابر تھی اور اللہ تعالٰی نے میری کمزوری کو میری قوت میں تبدیل فرما دیا ہے۔

بنی سعد کی عورتو! ہم غفلت میں تھیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ میری پشت پر کون ہے وہ ہے جو تمام مرسلین کا سردار اولین و آخرین میں سے بہتر اور کائنات کے رب کا حبیب ہے۔

توضیح:۔

اس روایت میں بظاہر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے ایمان وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں لیکن ہم نے اسے اس موضوع کے ضمن میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ بتایا جا سکے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم درازگوش پر سواری فرماتے ہیں تو اللہ تعالٰی اسے الہام کے ذریعہ یہ بتا دیتا ہے کہ اس کی پشت پر سید المرسلین جلوہ فرما ہیں اور وہ حیوان ہوتے ہوئے اپنی قسمت کی یاوری پر سجدہ شکر بجا لاتا ہے حالانکہ وہ حیوان ہے اور اس پر کچھ دیر کے لئے آپ نے قیام فرمایا تو اس سے خوش قسمت والدہ کا حال معلوم کر لیں کہ جن کے بطن اطہر میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کئی مہینے جلوہ گر رہے اور دوران حمل کئی عجائبات قدرت ملاحظہ فرمائے ان کے ایمان و اسلام میں لوگوں کو اعتراض ہے لہٰذا درازگوش کا یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کفر و شرک سے بالکل بیزار اور ایمان و توحید کا اقرار کرنے والی تھیں

عن العباس بن عبد المطلب قال قلت یا رسول اللہ دعانی الی الدخول فی دینک امارۃ لنبوتک رایتک فی المہد تناغی القمر و تشیر الیہ باصبعک فحیث اشرت الیہ مال۔(البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ٢٦٦)

حضرت عباس بن مطلب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کے لئے آپ کی نبوت کی ایک علامت نے دعوت دی وہ یہ کہ میں نے آپ کو (بچپن میں) پنگھوڑے میں دیکھا کہ آپ چاند کو اپنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور وہ آپ کے اشارے پر

ادھر ہی جھک جاتا تھا جدھر اشارہ ہوتا۔

حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف ایک علامت نبوت ایمان کی طرف کھینچ لائی اور جس شخصیت نے متعدد علامات دیکھی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں غائبانہ طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فضائل و کمالات سے آشکارا بھی کر دیا ہو ان کے ایمان میں تردد کرنا کب کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے لہذا یہ واقعہ بھی ایمان آمنہ علیہا السلام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ولادت باسعادت کے وقت حضرت آمنہ کا علامات نبوت کے دیکھنے کا اجمالی تذکرہ

عن ابن عباس کانت امنہ تحدث و تقول اتانی ات حین مرمن حملی ستتہ اشھر فی المنام فقال لی یا امنہ انک حملت بخیر العالمین فاذا و لدتہ فسمیہ محمدا" و اکتمی شانک قالت ثم لما اخذنی ما یاخذ النساء و لم یعلم بی احد لا ذکر و لاانثی و انی لوحیدۃ فی المنزل و عبدالمطلب فی طوافہ فسمعت وجبہ عظیمتہ و امرا عظیما ھالنی ثم رایت کان جناح طیرا بیض قد مسح علی فوادی خذھب عنی الرعب و کل و جع اجدہ ثم التفت فاذا انا بشربتہ" بیضاء فتنا و لتھا فاضا بنی نور عال ثم رایت نسوۃ کا لنخل طوالا کانھن من بنات عبد مناف یحففن بی فبینا انا اتعجب و اقول و اغوثاہ من این علمن بی فقلن بی نحن اسیہ امراۃ فرعون مریم ابنتہ عمران و ھولا من حورالعین و اشتد بی الامر و انا اسمع ابوجبتہ فی کل ساعتہ اعظم و اھول مماتقدم فبینما انا کذالک اذا بدیباج ابیض قد مربین السماء والارض و اذا بقائل یقول خذوہ عن اعین الناس قالت رایت رجالا قد وقفوا فی الھواء بایدیھم اباریق من فضتہ ثم نظرت فاذا انا بقطعتہ من الطیرقد غطت حجرتی منا قیرھا من الزمرد و اجنحتھا من الیاقوت فکشف اللہ عن بصری فرایت مشارق الارض و مغاربھا و رایت ثلاثتہ اعلام مضروبات علما بالمشرق و علما بالمغرب و علما علی ظھرا الکعبتہ فاخذنی المخاض فوضعت محمد اصلی اللہ علیہ و سلم فنظرت الیہ فاذا ھو ساجد قد رفع اصبعیہ الی السماء کالمتضرع المبتہل ثم رایت سحابتہ بیضا قد اقبلت من السماء حتی غشیتہ فغیبتہ عنی فسمعت منادیا ینادی طوفوا بہ مشارق الارض و مغاربھا و ادخلوہ البحار لیعرفوہ باسمہ ونعتہ و صورتہ ثم تجلت عنہ فی اسرع الوقت۔ ۔ ۔ ۔ رایت سحابتہ عظیمتہ لھا اسمع فیھا صھیل الخیل و خفقان الاجنحتہ و کلام الرجال حتی غشیتہ و غیب عنی و اذا قائل یقول بخ بخ قبض محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی الدنیا کلھا لم یبق خلق من اھلھا الادخل فی قبضتہ ۔ ۔ ۔ ۔ خرج معہ نوراضاء ما بین المشرق و المغرب

(انوار محمدیہ ص ۲۲ تا ۲۳)

ترجمہ :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ علیہا السلام بیان کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ جب میرا حمل چھ ماہ کا ہوا تو خواب میں کوئی آیا اس نے مجھے کہا اے آمنہ! تو خیر العالمین کو اپنے شکم میں لئے

ہوئے ہے جب اس کی ولادت ہو تو اس کا نام "محمد" رکھنا اور اپنی شان چھپائے رکھنا بیان فرماتی ہیں پھر مجھے عورتوں والی وہ کیفیت ہوئی جو بوقت ولادت ہوا کرتی ہے میرا کسی مرد و زن کو کوئی علم نہ تھا اور میں گھر میں اکیلی تھی اور عبدالمطلب طواف میں مصروف تھے میں نے ایک زور دار آواز سنی اور ایک عظیم معاملہ دیکھا جس سے میں ڈر گئی پھر میں نے سپید پرندوں کے پر سے دیکھے کہ جو میرے سینہ پر مسح کر رہے ہیں اس سے میرا تمام ڈر ختم ہو گیا اور تمام تکلیف کافور ہو گئی پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے شربت سپید نظر آیا میں نے اسے نوش کر لیا مجھے ایک بلند ہوتا ہوا نور محسوس ہوا پھر میں نے کھجوروں کے درختوں کی طرح دراز قد عورتیں دیکھیں معلوم ہوتا تھا کہ عبد مناف کے خاندان کی عورتیں ہیں وہ میری طرف بغور دیکھ رہی تھیں میں بڑی متعجب تھی اور ہائے فریاد کہہ اٹھی اور ان سے پوچھا کہ تمہیں میرے بارے میں کہاں سے پتہ چلا؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں ایک کا نام آسیہ زوجہ فرعون دوسری مریم بنت عمران اور بقیہ جنتی حوریں ہیں معاملہ کچھ مجھے سخت سا لگا اور میں ہر لحظہ ایک زور دار آواز سن رہی تھی جس میں رعب و ہول بڑھتا جا رہا تھا اسی دوران ایک سپید ریشم نظر آیا جو آسمان و زمین کے درمیان تانا گیا تھا اور اسی کے ساتھ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا اس بچے کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دو حضرت آمنہ مزید بیان کرتی ہیں کہ میں نے ہوا میں کھڑے کچھ مرد دیکھے ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے تھے پھر میں نے ایک پرندوں کا غول دیکھا جنہوں نے میرے حجرہ کو ڈھانپ رکھا تھا ان کی چونچیں زمرد کی اور پر یاقوت کے تھے اللہ نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے تو میں نے زمین کا مشرق و مغرب دیکھا اور مجھے تین جھنڈے نظر آئے ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا کعبہ کی چھت پر نصب تھا پھر مجھے درد زہ نے آلیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت ہو گئی میں نے ان کی طرف دیکھا وہ سجدہ ریز تھے اور انہوں نے اپنی انگلیاں آسمان کی طرف ایسے شخص کی طرح اٹھائیں جو نہایت گڑگڑانے والے اور عاجزی کرنے والا ہو پھر میں نے ایک سپید بادل دیکھا جو آسمانوں سے آیا اور اس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور مجھ سے اوجھل کر دیا پھر میں نے ایک آواز دینے والے کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا کہ اسے زمین کے مشارق اور مغارب میں پھراؤ اور سمندروں دریاؤں کی سیر کراؤ تاکہ سبھی ان کے نام کو پہچان لیں ان کی نعت و صورت کو جان لیں پھر وہ بادل بہت جلد آپ سے چھٹ گیا میں نے ایک بڑا بادل دیکھا جس میں روشنی تھی اور خوبصورت گھوڑے تھے جو ہنہنا رہے تھے اور حسین و جمیل پرندے چہچہا رہے تھے اور کچھ لوگوں کی گفتگو سنائی دے رہی تھی یہاں تک کہ اس بادل نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ڈھانپ لیا اور مجھ سے اوجھل کر دیا اور اس وقت ایک کہنے والا کہہ رہا تھا واہ' واہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو زیر قبضہ کر لیا اس میں سے کوئی مخلوق ایسی نہ بچی جو آپ کے قبضے میں نہ آگئی ہو بوقت ولادت آپ کے ساتھ ایک نور نمودار ہوا جس سے مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو گئی۔

عن ابن عباس ان امنه قالت تحدثت عن يوم ولادت و ما رات من العجائب قالت بينما انا اعجب اذا انا بثلاثة نفر ظننت ان الشمس تطلع من خلال وجوههم بيد احدهم ابريق فضة و في ذالك الابريق ريح كريح المسك و ...

طست من زمردة خضراء عليها اربعة نواحى على كل ناحية من نواحيها لؤلؤة بيضاء و اذا قائل يقول هذا الدنيا شرقها و غربها و برها و بحرها فاقبض يا حبيب الله على اى ناحية شئت منها قالت فدرت لا نظر اين قبض من الطست فاذا هو قد قبض على و سطها فسمعت القائل يقول قبض محمد على الكعبة و رب الكعبة اما ان الله قد جعلها له قبلة و مسكنا مباركا و رايت بيد ثالث حريرة بيضاء مطوية طيا شديدة فنشرها فاذا فيها خاتم تحار ابصار الناظرين دونه ثم جاء الى ابنى وله صاحب الطست فغسل بذالك الابريق سبع مرات ثم ختم بين كتفيه بالخاتم ختما واحدا" ولفه فى الحرير مربوط عليه بخيط من المسك الاذفر ثم حمله فادخله بين اجنحته ساعة قال ابن عباس كان ذالك رضوان خازن الجنان وقال فى اذنه كلام لم افهمه وقال ابشر يا محمد صلى الله عليه وسلم فما بقى لنبى علم الاوقد اعطيته فانت اكثر هم علما واشجعهم قلبا معك مفاتيح النصرة قد البست الخوف والرعب لايسمع احد بذكرك الا وجل فواده وخاف قلبه وان لم يرك ياخليفة الله(خصائص کبریٰ جلد اول ص ۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ علیہا السلام ولادت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں اور ان عجائبات کا تذکرہ کیا کرتی تھیں جو انہوں نے اس وقت دیکھے تھے فرماتی ہیں میں تعجب میں پڑی تھی کہ تین آدمی نظر آئے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کے چہروں میں سے سورج طلوع ہو رہا ہے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں آفتابہ تھا۔ جو چاندی کا بنا ہوا تھا اور اس میں مشک کی سی خوشبو تھی۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا ایک تھال تھا۔ اس کے چار کونے تھے۔ ہر کونے پر ایک سپید بڑا موتی تھا۔ اتنے میں ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔ یہ ہے دنیا اور اس کا مشرق و مغرب اور تر و خشک۔ اے اللہ کے حبیب! اس کے جس کنارے پر چاہے قبضہ جمالے حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے نظر پھیر کر دیکھا۔ کہ تھال کے کس۔ تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ نے اس کے درمیان پر قبضہ کیا۔ اس پر ایک آواز آئی۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ اور کعبہ کے رب نے اسے ان کا قبلہ کر دیا۔ اور ان کی مبارک رہائش گاہ بنا دیا۔ میں نے تیسرے کے ہاتھوں میں سپید ریشم دیکھا۔ جو شدید طور پر لپیٹا گیا تھا۔ اسے بچھایا اور اس میں سے ایسی انگوٹھی نکلی۔ جسے دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں۔ پھر وہ میری طرف آنے لگا۔ تو تھال والے نے اسے پکڑ لیا۔ آفتابے سے اسے (انگوٹھی کو) سات مرتبہ دھویا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک ہی مرتبہ مہر لگا دی گئی۔ اور اسے ریشم میں لپیٹ کر خالص مشک کے دھاگے کی اس پر گانٹھ لگا دی گئی۔ پھر اسے اٹھا کر چند لمحوں کے لیے اپنے بازوؤں میں رکھا۔ ابن عباس کہتے ہیں وہ شخص جنت کا خازن رضوان نامی تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان شریف میں کوئی بات کی جو میں نہ سمجھ سکی اور کہا اے محمد! خوشخبری ہو۔ کسی نبی سے جو علم بچ گیا تھا۔ وہ آپ کو عطا کر دیا گیا۔ اس لیے آپ علم کے اعتبار سے تمام نبیوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور آپ دل کے اعتبار سے سب سے بڑے بہادر ہیں آپ کو کامیابی کی چابیاں عطا ہوئیں۔ آپ کو رعب اور ڈر کا لباس پہنایا گیا ہے۔ جو بھی آپ کی بات کچھ سنے گا۔ اس کا دل آپ کے تصور سے کانپ اٹھے گا۔ اور بن دیکھے بھی اس کا دل دہل جائے گا۔

اے اللہ کے خلیفہ۔

قالت امنه لقد رأيت ليلة وضع رسول الله صلى الله عليه وسلم نورا اضاءت له قصور الشام حتى رأيتها وقالت امنه ولدته جاثيا" على ركبتيه ينظر الى السماء ثم قبض قبضة من الارض واهوى ساجدا(الوفاء لابن جوزی جلد اول ص ۹۴ تا ۹۵)

حضرت آمنہ علیہا السلام فرماتی ہیں کہ میں نے اس رات جس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ ایک نور دیکھا۔ جس کے سامنے شام کے محلات چمک اٹھے۔ حتیٰ کہ میں نے انہیں دیکھا...... حضرت آمنہ بیان فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت ولادت گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے تشریف لائے۔ آپ آسمانوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی لی اور سجدہ میں گر گئے۔

قالت اخشيتما عليه الشيطان كلا و الله ما للشيطان عليه سبيل وانه لكائن لابنى هذا شان(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد اول ص ۳۵)

حضرت حلیمہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس والدہ کے پاس لے کر آئیں اور خلاف عادت واقعات بیان کئے اور کہا کہ مجھے اس بچے کے بارے میں نقصان کا خطرہ ہے اس لئے واپس لے آئی ہوں اس کے جواب میں حضرت آمنہ نے فرمایا۔ کیا تم دونوں میاں بیوی اس بچے کے بارے میں شیطان کا خطرہ محسوس کرتے ہو خدا کی قسم! شیطان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اور یقیناً" میرے اس برخوردار کی ایک عظیم ہی شان ہونے والی ہے۔ (۵)۔

مذکورہ روایات کی روشنی میں حضرت آمنہ نے درج ذیل علامات نبوت دیکھیں۔

۱۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین ماہ قبل سیدہ آمنہ کو ہاتف سے آواز آئی کہ تمہارے شکم میں سید الکائنات ہیں ان کا نام محمد رکھنا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۲۔ بوقت ولادت جب زور دار آواز سے آپ ڈر گئیں تو نورانی پرندے نے آپ کے دل سے مس کیا جس سے خوف جاتا رہا۔

۳۔ حضرت آسیہ، مریم اور جنتی حوریں مین بوقت ولادت حاضر دیکھیں جنہوں نے دایہ کا کام سرانجام دیا۔

۴۔ زمین و آسمان کے درمیان ریشمی پردہ بچھا ہوا دیکھا جو صرف آپ کی تعظیم و تکریم کے لئے تھا۔

۵۔ بوقت ولادت ایک نوری مخلوق جو مردوں کی شکل وصورت میں تھی۔ آپ نے زمین و آسمان کے درمیان کھڑی دیکھی۔ جن کے ہاتھوں میں چاندی کے برتن تھے۔

۶۔ پرندوں کی شکل میں نوری فرشتے دیکھے جن کی چونچیں زمردیں تھیں اور انہوں نے آپ کے حجرہ کو گھیر رکھا تھا۔

۷۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے سے پردے اٹھا دیئے گئے۔ حتیٰ کہ آپ نے مشرق و مغرب دیکھا۔

۸۔ تین جھنڈے نظر آئے ایک مشرق ایک ایک مغرب اور تیسرا بیت اللہ پر نصب تھا۔
۹۔ بوقت ولادت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر سجدہ میں رکھ دیا اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھا دیں اور یہ حالت نہایت عاجزی کے ساتھ تھی۔
۱۰۔ سپید بادل نظر آئے جنہوں نے آپ کو ڈھانپ لیا اور ایک آواز سنائی دی کہ اس نو مولود کو چھپا لو اور مشرق و مغرب، بحر و بر کی سیر کراؤ تاکہ پوری کائنات ان کے نام اور ان کی صفت سے روشناس ہو جائے۔
۱۱۔ بوقت ولادت تین نورانی آدمی نظر آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ دوسرے کے ہاتھ میں تھال اور تیسرے کے ہاتھ میں ریشم کا کپڑا تھا جس میں انگوٹھی تھی اس انگوٹھی کے ذریعہ آپ کے کندھوں کے درمیان مہر لگائی گئی۔
۱۲۔ خازن جنت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان میں کچھ کہا لیکن مجھے سمجھ میں نہ آیا پھر اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو علم و شجاعت اور رعب و دبدبہ میں یکتا بنایا گیا۔
۱۳۔ بوقت ولادت ایک نور دکھائی دیا جس سے شام کے محلات میں نے دیکھے۔ ۵

لمحہ فکریہ:۔

گذشتہ اوراق میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زبانی ان کے ایمان لانے کا سبب ایک واقعہ کی شکل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے تو ایک بات دیکھی اور مشرف بایمان ہوگئے ادھر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سی نشانیاں دیکھیں اور ان میں سے کئی ایک کا تعلق خود ان کی ذات کے ساتھ تھا۔ ان علامات و مشاہدات کا محل بننے والی شخصیت دولت ایمان سے محروم ہو یہ کیونکر ممکن ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ایسا مشاہدہ عطا فرمائے کہ مکہ میں بیٹھے شام کے محلات دیکھ رہی ہیں مشرق و مغرب کا نظارہ ہو رہا ہے ان مشاہدات سے اتنا بھی یقین نہ ہو کہ میری گود میں خاتم النبیین ہے سیدالمرسلین ہے محبوب رب العالمین ہے عالم ما کان وما یکون ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت آمنہ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا یقین کامل تھا اور اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر مکمل اعتماد اور بھروسہ تھا انہی علامات و مشاہدات پر علامہ زرقانی ان الفاظ سے تبصرہ کرتے ہیں۔

وشاهدت فی حمله وولادته من آیاته الباهرة ما یحمل علی التحنف ضرورة ورأت نور الذی خرج منها اضاء له قصور الشام حتی رأتها کما تری امهات النبیین وقالت لحلیمة حین جاءت به وقد شق صدره اخشیتما علیه الشیطان کلا والله ما للشیطان علیه سبیل وانه لکائن لابنی هذا شان فی کلمات اخر من هذا النمط وقدمت به المدینة علی وفاتها وسمعت الیهودیة وشهادتهم له بالنبوة ورجعت به الی مکة فماتت فی الطریق فهذا کله مما یوید انها تحنفت فی حیاتها۔(زرقانی جلد اول ص ۱۶۵۔۱۶۶)

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حمل میں رہنے اور پیدائش کے وقت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے جن باتوں کا مشاہدہ کیا۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دین ابراہیمی کی پابند تھیں اور وہ نور جو آپ نے حضور کی

ولادت کے وقت دیکھا کہ جس سے شام کے محلات چمک اٹھے تھے اور آپ نے انہیں بعینہ دیکھا جیسا کہ تمام انبیاء کرام کی مائیں دیکھا کرتی ہیں اور وہ بات جو آپ نے حلیمہ سے کہی تھی جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شق صدر کے واقعہ کے بعد واپس مکہ لے کر آئیں فرمایا کیا تم دونوں میاں بیوی کو اس بچے پر شیطانی اثرات کا ڈر ہے خدا کی قسم! شیطان تو ان کی طرف راہ نہیں پاسکتا اور بے شک اس بچے کی شان ہی نرالی ہے اسی قسم کے اور کلمات بھی ملتے ہیں جن سے یہی مضمون ٹپکتا ہے حضرت آمنہ آپ کو لے کر ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئیں یہ اس سال کا واقعہ ہے جس میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہاں مدینہ میں انہوں نے یہودیوں سے آپ کی نبوت کی گواہی اور باتیں سنی تھیں پھر واپس مکہ تشریف لائیں لیکن راستے میں ہی آپ کا وصال ہوگیا یہ تمام باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں دین ابراہیمی پر تھیں اور مومنہ موحدہ تھیں۔

بارک اللہ فیک من غلام یا ابن الذی من حومتہ الحمام نجا بعون الملک العلام فودی غداۃ الضرب بالسہام بمائۃ من ابل السوام ان صح ما ابصرت فی المنام فانت مبعوث الی الانام من عن عند ذی الجلال والاکرام تبعث فی الحل والحرام تبعث فی التحقیق والاسلام دین ابیک البر ابراھام فاللہ انہاک عن الاصنام ان لا توالیہا مع الاقوام کل حی میت وکل جدید بال وکل کبیر یفنی وانا میتہ وذکری باق وقد ترکت خیرا وولدت طہرا ثم ماتت رضی اللہ عنہا وھذا القول منہا صریح فی انہا موحدۃ اذ ذکرت دین ابراھیم وبعث ابنہا صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ ونہیہ عن الاصنام وموالاتہا ونحو ھلوھذا القدر کاف فی التبری من الکفر وثبوت صفۃ التوحید فی الجاھلیۃ قبل البعثۃ (زرقانی جلد اول ص ۱۶۵)

حضرت اسماء بنت رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت آمنہ کے وصال کے وقت ان کے قریب موجود تھیں اس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ برس تھی آپ اپنی والدہ ماجدہ کی پاس تشریف فرماتھے آپ کی والدہ نے آپ کو دیکھ کر یہ کلام فرمایا اے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے تو اس کا فرزند ہے کہ جس نے موت کی سختی سے اللہ کی مدد سے نجات پائی تھی جب صبح کے وقت عبدالمطلب نے اپنی نذر پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا تھا اور تمہارے باپ کا نام نکلا تھا پھر اس کے عوض ایک سو اونٹوں کا فدیہ کیا گیا تھا بیٹا! میں نے جو خواب دیکھا تھا اگر سچ ہے تو تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والا حلال وحرام میں فرق کرنے والا عرب و عجم کی طرف بھیجا گیا اور دین ابراہیمی کو پھیلانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے بتوں کی پرستش سے باز رکھے گا۔ اور یہ بھی کہ تو لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی تعظیم کرے اس سے بھی اللہ نے تجھے منع کردیا ہے۔ ہر زندہ مرنے والا ہے۔ ہر نیا پرانا ہونے والا ہے اور بڑا فنا ہونے والا ہے۔ میں مرجاؤں گی۔ میرا ذکر باقی رہے گا میں بھلائی چھوڑے جارہی ہوں۔ اور میں نے پاکیزہ بچہ جنا۔ اتنا کہا اور حضرت آمنہ کا وصال ہوگیا۔

حضرت آمنہ کی یہ باتیں ان کے موحدہ ہونے پر دلائل صریح ہیں کیونکہ انہوں نے دین ابراہیمی کا تذکرہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے کا ذکر کیا اور بتوں سے منع کیا اور ان کی دوستی

سے روکا یہ باتیں اتنی ہی مقدار میں کسی کے کفر سے بیزار ہونے کے لئے کافی ہوتی ہیں اور اس کے موحد ہونے کے اثبات میں مکمل ہیں اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعثت مبارکہ سے قبل زمانہ جاہلیت میں ایسی باتیں تو بطریقہ اولیٰ قائل کے ایمان و توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

لمحہ فکریہ:۔

حضرت آمنہ علیہا السلام کا بوقت وصال حضور علیہا السلام سے مذکورہ گفتگو کرنا جسے امام زرقانی نے نقل کیا ہے یہ ان کے ایمان و توحید کے اقرار پر روز روشن کی طرح دلالت کرتا ہے اس کے برخلاف ان کے کفر و شرک پر کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں ملتی تھی اور نہ ہی ان کے بارے میں بتوں کی پوجا کرنے کی کوئی روایت ملتی ہے اور دین ابراہیمی کہ جس کی خود پابند تھیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کی پابندی کی وصیت فرمارہی ہیں اور اپنی قسمت پر فخر کررہی ہیں کہ ان کا تاقیامت اس نیک بیٹے کی برکت سے نام روشن رہے گا یہ باتیں ان کے کامل ایمان پر گواہی دیتی ہیں۔(۵)

چند مثالیں:۔

اب ہم چند ایسی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔جن سے یہ ثابت شدہ بات اور روز روشن کی طرح واضح ہوگی۔وہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین کو دوزخی یا مشرک کہنے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے اور ایذائے رسول کریم سخت ذلت و خواری کا موجب ہے۔

مثال اول:

ابولہب کو جہنم میں نبی علیہ السلام کی ولادت کی خوشی کا فائدہ

اعتقها ابولهب حين بشرته بولادته عليه السلام ...... وقد رؤي ابولهب بعد موته في النوم والرائي له اخوه العباس بعد سنة من وفاته اي لهب بعد وقعة بدر ذكر السهيلي وغيره فقيل له ماحالك؟ قال في النار الا انه خفف عني بعض العذاب بسبب ماأسقاه من الماء كل ليلة اثنين و ذالك اني امص من بين اصبعي هاتين ماء والظاهر انهما السبابة والابهام وحكمة تخصيصهما اشارة لها بالعتق بهما ...... واشار ابولهب الي تقليل ماسقاه بواس اصبعه الي النقرة التي تحت ابهامه كماهو في رواية عبدالرزاق قال ابن بطال يعني ان الله ساقه ماء في مقدار نقرة ابهامه لا جل عتقها..... واشار الي ان ذالك باعتاقي لثويبه حين بشرتني بولادة النبي صلى الله عليه وسلم بارضاعها ..... قال ابن الجزري فاذا كان هذا الكافر الذي نزل القران بذمه جوزي في النار بفرحته هوليلة مولد وضع النبي صلى الله عليه وسلم به اي بالمولد فما حال المسلم الموحد من امته عليه السلام حال كونه يسر بمولده يبذل ماتصل اليه قدرته في محبته صلى الله عليه وسلم من الصد قلت وهو استفهام تفخيم اي فحاله بذالك امر عظيم والله در حافظ الشام شمس الدين محمد بن ناصر في قوله۔

اذا كان هذا كافرا جاء ذمه	وتبت يداه في الجحيم مخلدا
اتي انه في اليوم الاثنين دائما	يخفف عنه السر وريا حمدا
فالظن بالعبدالذي كان عمره	باحمد مسرورا ومات موحدا

(۱۔ زرقانی جلد اول ص ۱۳۸) (۲۔ سیرت حلبیہ) (۳۔ تاریخ الخمیس جلد اول ص ۲۲۲)

جب ابولہب کو اس کی لونڈی ثویبہ نے یہ خوش خبری دی کہ حضرت عبداللہ کے ہاں صاحبزادہ پیدا ہوا ہے تو ابولہب نے اس خوشی کے جواب میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ابولہب کے مرنے کے ایک سال بعد اس کے بھائی جناب عباس نے اسے خواب میں دیکھا۔ یہ بدر کے واقعہ کے بعد کا واقعہ ہے۔اسے سہیلی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے۔بہر حال جناب عباس نے پوچھا۔کیا حال ہے کہنے لگا آگ میں ہوں۔ہاں ہر سوموار کی رات تھوڑا سا پانی پیتا ہوں جس سے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجاتی ہے۔اور یہ یوں کہ میں اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوستا ہوں۔بظاہر یہ دو

انگلیاں ایک انگوٹھا اور دوسری شہادت کی انگلی تھی۔ اور ان دونوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ابو لہب نے ثویبہ کو آزاد کرتے وقت ان دونوں سے آزادی کا اشارہ کیا تھا۔ ابولہب نے پانی کی تھوڑی مقدار کے لیے انگوٹھے کے اس حصہ کی طرف اشارہ کیا جو پنجرے اور گوشت والا حصہ انگوٹھے کے نیچے ہوتا ہے جیسا کہ محدث عبدالرزاق کی روایت میں گزرا ہے ابن بطال کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر پانی ابولہب کو پلایا۔ کیونکہ اس نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا......
ابن الجوزی کہتا ہے کہ جب ایک کافر جو نص قرآنی سے جہنمی ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ کی رات کو خوشی منانے کا یہ صلہ ملا۔ آپ کی امت میں سے ایک مومن موحد کا کیا حال ہوگا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ اور محبت مصطفےٰ میں اپنی بساط و قدرت کے مطابق جو ملے خرچ کرتا ہے یعنی اس کا عظیم الشان حال ہے۔ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر نے اپنے اشعار میں کیا خوب کہا۔

جب یہ کافر کہ جس کے بارے میں تبت یدا آیت اتری ہے۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔ اس کے بارے میں آیا ہے کہ پیر کے دن ہمیشہ تک اس سے عذاب کی تخفیف کر دی گئی کیونکہ اس نے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کی تھی۔ تو اس غلام مصطفےٰ کے بارے میں کیا ظن ہے۔ جو عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ کی خوشیاں مناتا ہے اور جب دنیا سے جاتا ہے تو توحید و ایمان پر قائم رہتے ہوئے جاتا ہے۔

لمحہ فکریہ:

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمادیا ہے کہ کافر کو اس کے کسی عمل کی جزا قیامت میں نہیں دی جائے گی۔ تو اس کے بالکل خلاف اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو ایک مخصوص وقت کے لیے دوزخ میں رہتے ہوئے خوشی عطا فرمائی۔ یہ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارکہ پر خوشی سے اپنی لونڈی آزاد کر دی تھی۔ تو وہ والدین کہ جنھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت عجائبات قدرت کا نظارہ کیا۔ جن کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار تھا۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جسمانی ایسا تعلق تھا۔ جو کسی کو میسر نہیں تو ان کے درجات و مراتب کا کوئی ادراک کر سکتا ہے؟

مثال دوم:

کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی

ثم لی استقرات امہات الانبیاء علیہم السلام فوجد تہن مومنات فلم اسحاق و موسی و ھارون و عیسی و حوام بنت مذکورات فی القران بل قیل بنبوتہن ووردت الاحادیث بایمان ھاجرام اسماعیل وام یعقوب وامہات اولادہ

وام داؤد سلیمان و زکریا و یحیی و شمویل و شمعون و ذی الکفل و نص بعض المفسرین علی ایمان ام نوح و ام ابراہیم و رجحہ ابن حیان فی تفسیرہ وقد تقدم عن ابن عباس انہ لم یکن بین نوح و دم ولد کافر و لھذا قال رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وقال ابراہیم رب اغفرلی والوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب ولم یعتذرعن استغفار ابراہیم فی القران الا لا بیہ خاصتہ دون امہ فدل علی انھا کانت مومنتہ واخرج الحاکم فی المستدرک وصححہ عن ابن عباس قال کانت الانبیاء من بنی اسرائیل الاعشرتہ نوح و ھود و صالح و لوط و شعیب و ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و محمد علیھم السلام و بنو اسماعیل کلھم کانوا مومنین لم یکن فیھم کافرلی ان بعث عیسی فکفربہ من کفر فامھات الانبیاء الذین من بنی اسرائیل کلھم مومنات وایضافغالب بنی اسرائیل کانوا اولاد الانبیاء واولاد ھم فان النوبتہ تکون فی سبط منھم بتنا سلون کما ھو معروف فی اخبار ھم واما العشرتہ المذکورون من غیر بنی اسرائل فقد ثبت ایمان ام نوح و ابراہیم و اسماعیل واسحاق وبقی ام ھودو صالح و لوط و شعیب یحتاج الی نقل اودلیل والظاہران شاء اللہ تعالی ایمانھن فکذالک ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان السرفی ذالک ماجرتہ من النور و رد فی الحدیث اخرج احمد و البزاز والطبرانی فی الحاکم والبیھقی عن العرباض بن ساریہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی عنداللہ لخاتم النبین وان ادم لمنجدل فی طینہ وسلخبر کم عن ذالک دعوتہ ابراھیم وبشارتہ عیسی و رویا امی التی رات و کذالک امھات النبین یرین وام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات حین وضعتہ نورا اضائت لہ قصور الشام ولاشک ان الذی راتہ ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حال حملھا بہ وولادتھا لہ من الایات اکثر و اعظم مماراہ ساء امھات الانبیاء (مسالک الحنفا ص ۲۸۔ ۲۹)

ترجمہ: پھر میں نے تمام انبیاء کرام کی ماؤں کے بارے میں غور و فکر کیا۔ تو وہ سب مجھے مومنہ نظر آئیں۔ حضرت اسحاق' موسیٰ' ہارون و عیسیٰ اور جناب شیث کی والدہ حوا کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے۔ بلکہ ان کی نبوت کا قول بھی کیا گیا ہے۔ اور احادیث اس بارے میں وارد ہیں کہ حضرت اسماعیل یعقوب اور انکی اولاد داؤد' سلیمان' ذکریا' یحییٰ' شموئل' شمعون اور ذی الکفل کی مائیں ایمان دار تھیں۔ اور بعض مفسرین نے نوح اور ابراہیم کی والدہ کے ایمان پر نص فرمائی ہے۔ اور ابن حیان نے اپنی تفسیر میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت گزر چکی ہے کہ نوح اور آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی شخص کافر نہیں ہوا۔ اسی لیے حضرت نوح نے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے بخش میرے والدین کو بخش اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن داخل ہوا اسے بخش۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! مجھے بخش اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو قیامت کے دن بخش دے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی استغفار کے جواب میں صرف ان کے باپ کے بارے میں روکا گیا۔ والدہ کا کوئی ذکر نہ آیا۔ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی والدہ مومنہ تھیں۔ حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح بھی کی۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس پیغمبروں کے سوا تمام پیغمبر بنی اسرائیل سے ہوئے۔ وہ دس یہ ہیں نوح' ہود' صالح' لوط و شعیب' ابراہیم' اسماعیل' اسحاق و یعقوب' اور محمد مصطفیٰ علیہم السلام۔ اور

بنی اسرائیل تمام مومن تھے۔ ان میں عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک کوئی کافر نہیں ہوا۔ ان کی بعثت کے بعد جو کافر ہوا ہوگیا۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی مائیں بھی مومنہ ثابت ہوئیں۔ اور یہ بھی کہ بنی اسرائیل غالباً انبیاء کرام کی اولاد ہوئے۔ کیونکہ نبوت ان کے قبائل میں ہی رہی' اور پھر ان کی نسل پھیلتی رہی۔ جیسا کہ اسرائیلیات میں معروف ہے۔ اور بقیہ دس پیغمبر جو بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوئے۔ تو ان میں سے حضرت نوح' ابراہیم' اسماعیل' اور اسحاق علیہم السلام کی ماؤں کا ایمان ثابت ہے۔ باقی رہیں حضرت ہود' صالح لوط اور شعیب علیہم السلام کی مائیں تو ان کا ایمان کسی نقل یا دلیل کا محتاج ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ سب مومنہ تھیں۔ تو اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی مومنہ ہیں اس میں راز یہ تھا۔ کہ ان میں سے ہر ایک نے نور نبوت دیکھا تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے جسے امام احمد البزاز' طبرانی اور بیہقی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین ہوں اور بے شک آدم علیہ السلام ابھی ان کا خمیر گوندھا جا رہا ہے۔ اور میں عنقریب اس کی خبر دونگا۔ میں دعائے ابراہیم اور بشارت عیسیٰ ہوں۔ اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کی مائیں دیکھتی آئی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت باسعادت کے وقت نور دیکھا تھا۔ جس کی چمک سے شام کے محلات روشن ہوگئے تھے۔ اور بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے دوران حمل اور بوقت ولادت جو خارق عادت اور نشانیاں دیکھیں وہ ان نشانیوں سے کہیں بڑھ کر عظیم تھیں۔ جو دوسرے پیغمبروں کی مائیں دیکھتی رہیں۔ ہ

مثال سوم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافرہ کا دودھ نوش نہیں فرمایا

وذکر بعضھم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ترضعہ مرضعتہ الاو اسلمت لکن ھذا البعض قال و مرضعاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع امہ وحلیمۃ السعدیہ و ثویبہ وام ایمن ایضا (سیرت حلبیہ جلد اول ص ۱۷۱)

ترجمہ: بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس عورت نے بھی دودھ پلایا۔ وہ مسلمان تھی۔ لیکن ان بعض کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والی عورتیں چار تھیں۔ آپ کی والدہ' حلیمہ سعدیہ' ثویبہ' اور ام ایمن۔ ہ

توضیح:

جب یہ بات واضح ہے کہ جس عورت کو بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت ایمان عطاء فرمائی تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان میں سے نہ صرف دودھ

پلانے والی بلکہ حقیقی والدہ اس دولت سے محروم رہیں۔ اور دوسری جنتی اور یہ (معاذاللہ) دوزخی؟

مثال چہارم:

تابوت سکینہ کو فرشتے زمین و آسمان کے درمیان اٹھاتے تھے

قرآن حکیم میں دوسرے پارہ کے چوتھے رکوع آیت ۲۴۸ میں اللہ تعالیٰ نے تابوت سکینہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

قال لهم نبيهم ان اية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم وبقية مما ترک ال موسى وال هرون تحمله الملئكة ان في ذالک لاية لكم ان كنتم مومنين ۔ ترجمہ: ان سے ان کے نبی نے فرمایا۔ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ

اشتكى الى النبى صلى الله عليه وسلم ان الناس يسبون ابيه فقال صلى الله عليه وسلم (لاتوذو الاحياء بسب الاموات) رواه الطبرانى ولا شک انه صلى الله عليه وسلم حى فى قبره تعرض عليه اعمالنا وذاروعى عكرمه رضى الله عنه فى ابيه بالنهى عما يتاذى به من بسبه فسيد الخلق اولى واجب كيف وقد جاء ان سبيعة و كانها المعروفة بغرته بنت ابى لهب جاء ت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت ان الناس يصيحون بى يقولون انى ابنة حطب النار فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مغضب شديد فقال (ما بال اقوام يوذوننى فى نسبى وذوى رحمى الا ومن اذى نسبى و ذوى رحمى فقداذانى ومن اذانى فقد اذى الله عز وجل (فتح الربانی جلد نمبر ۸ ص ۱۷۱ تا ص ۱۷۲' ابواب زیارۃ القبور)

الحلوانی نے مواہب میں لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا قول کرنا ایک عقل مند کی ذلت ہے۔ جو شخص منہ سے یہ بات نکالتا ہے تو اس نے دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ عکرمہ بن ابی جہل نے ایک دفعہ رسول کریم سے عرض کیا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ میرے باپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھو مردوں کے سب سے زندوں کو تکلیف نہ دیا کرو اس کو طبرانی نے روایت کیا۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے قبر شریف میں زندہ ہیں۔ آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جب عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے باپ کے معاملہ میں یہ رعایت برتی گئی کہ اسے برا بھلا کہنے سے انھیں اذیت ہوتی ہے۔ تو سید الکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار اور اولیٰ ہیں ۔ اور یہ بھی مروی ہے۔ کہ ابولہب کی بیٹی سبیعہ نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ کہ لوگ مجھے چلا چلا کر کہتے ہیں کہ حطب النار کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ آپ اس وقت سخت غصہ میں تھے۔ فرمایا اس قوم کا کیا حال ہے۔ جو میرے نسب اور میرے رشتہ

داروں کے ذریعہ مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ خبردار جس نے مجھے میرے خاندان اور رشتہ داروں کے ذریعہ مجھے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی۔ اس نے اللہ تعالیٰ عزوجل کو اذیت دی۔

لمحہ فکریہ:

عکرمہ بن ابی جہل اور سبیعہ بنت ابی لہب کو ان کے باپ کے برا بھلا کہنے سے آپ نے منع فرمایا۔ کیونکہ اس کو برا بھلا کہنے سے ان مرنے والوں کو تو کچھ نہ ہوگا۔ لیکن ان کے زندہ رشتہ داروں کا جو مومن ہیں دل ضرور دکھتا تھا۔ اسی لیئے آپ نے مردوں کے سبب سے زندوں کو دکھی کرنے سے منع فرمایا۔ ایک طرف یہ واقعات اور دوسری طرف خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے والدین کریمین کا معاملہ ہے۔ آپ سید المرسلین، امام الانبیاء، اور محبوب خالق کائنات میں ادھر عکرمہ اور سبیعہ میں۔ پھر ادھر ابوجہل ابولہب ہیں جو نص قرآنی سے قطعی جہنمی ہیں۔ اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جن کے کفر وشرک پر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں ملتی۔ بلکہ ان کے مومن و موحد ہونے پر دلائل کا انبار ہے۔ تو کیا آپ کے والدین کریمین کو کافر یا جہنمی کہنے سے ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پائی جائے گی؟ اور جب ایذائے رسول متحقق تو بارشاد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایذائے باری تعالیٰ موجود اور پھر ان اذیتوں کا اجر و خمیازہ جو بھگتنا پڑے گا۔ اس پر نظر کریں تو اس کے خیال و تصور سے ایک مومن کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ اور کبھی بھی اس قول کے کہنے پر ہمت نہ کرے گا جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔

مثال دہم

حضور اکرمؐ کل قیامت کو سب سے پہلے اپنے قرابت والوں کی شفاعت کریں گے

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول من اشفع لہ یوم القیامۃ اہل بیتی ثم الاقرب فالاقرب وما اوردہ المحب الطبری فی ذخائر العقبی عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامعشر بنی ہاشم والذی بعث بالحق نبیا لو اخذت بحلقۃ الجنۃ ما بدأت الا بکم عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقوام یزعمون ان رحمی لا ینفع بل حتی یبلغ حاکم وھم احد قبیلتین (مسالک الحنفاء ص ۱۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن جن کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ وہ میرے اہل بیت ہوں گے۔ پھر جو ان کے قریب اور پھر جو ان کے قریب ہیں۔ ذخائر العقبیٰ محب طبری نے ذکر کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ اے جماعت بنی ہاشم! اس خدا کی قسم! کہ جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنایا۔ اگر میں نے جنت کی زنجیر پکڑ لی تو اندر گزارنے کے لیئے ابتداء تم سے ہی کروں گا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ اس قوم کا کیا بنے گا جو یہ خیال کرتی ہے۔ کہ میری رشتہ داری کوئی نفع نہ دے گی۔ یہاں تک کہ ایک حاکم ہو وہ قبیلوں میں سے۔

لمحہ فکریہ:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رشتہ داری کو کل قیامت میں باعث نفع فرمایا۔ اور بنی ہاشم کو عظیم خوش خبری سے نوازا لیکن اس خوش خبری کے مصداق وہ لوگ نہیں بنیں گے۔ جو نص قرآنی سے ابدی جہنمی ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت گناہ گار مسلمانوں کے لیئے ہوگی۔ اب یہاں ایک خدشہ نظر آتا ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کافروں کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔ جو جہنمی ہیں تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے والدین کریمین کی شفاعت فرما کر ان کے مزید درجات بلند کرائیں گے۔ کیونکہ اس کے لیئے مغفور و مرحوم ہونا ضروری ہے اس کے لیئے مومن ہونا شرط اولین ہے۔ تو اس بارے میں تاریخ خمیس کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے

مااخرجہ ابن جریر فی تفسیرہ عن ابن عباس فی قولہ تعالی و لسوف یعطیک ربک فترضی قال من رضا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار وما اخرجہ الحاکم وصححہ عن ابن مسعود انہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ابویہ فقال ماسالتھما ربی فیعطینی فیھما وانی لقائم یومئذ المقام المحمود (تاریخ خمیس جلد اول ص ۲۳۲)

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالی کے قول **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند یہ ہے کہ کوئی بھی آپ کے اہل بیت میں سے دوزخ میں نہ جائے۔ اور وہ روایت جس کو حاکم نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا۔ اور اسے صحیح کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے والدین کریمین کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا میں اللہ تعالی سے ان دونوں کے بارے میں جو بھی مانگوں گا۔ وہ مجھے عطا کر دیا جائے گا۔ اور میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوگیا۔

لمحہ فکریہ:

اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے اپنے والدین کے متعلق کیا سوال کریں۔ جو انہیں عطاء کر دیا جائے گا۔ کیا وہ انہیں دوزخ میں جانے کی بابت پوچھیں گے۔ کہ اے اللہ! انہیں دوزخ میں بھیج دے۔ کیا وہ

ان کے بارے میں یوں عرض کریں گے۔ اے اللہ! انہوں نے کسی نبی کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا۔ ان کے پاس تفصیلی دین پہنچانے والا کوئی نہ تھا۔ اس لئے تو انہیں عذاب میں گرفتار کر۔ اگر یہ سوالات نہیں ہوں گے۔ تو پھر واضح بات ہے۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بروز حشر یہ سوال کریں گے۔ کہ انہیں جنت میں تو تو پہلے پہنچا چکا ہے۔ اب ان کے درجات تو مزید بلند فرما۔ اور اللہ آپ کی یہ بات مقبول فرمائے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۵)

مثال یازدھم:

دس جانور جنت میں جائیں گے

روی انه یدخل الجنته مع المومنین علی ماقال مقاتل عشرته من الحیوانات تدخل الجنته ناقته صالح وعجلته ابراهیم وکبش اسماعیل وبقرته موسی و حوت یونس و حمار عزیز ونملته سلیمان و هدهد بلقیس وکلب اصحاب الکهف وناقته محمد صلی الله علیه وسلم فکلهم یصیرون علی صورته کبش ویدخلون الجنته ذکره فی مشکوته الانوار قال الشیخ سعدی قدس سره۔

سگ اصحاب کہف روزچند   پئے نیکاں گرفت مردم شد
یعنی بامراداں داخل جنت شد درصورت کبش

(تفسیر روح المعانی جلد پنجم ص ۲۳۶ مطبوعہ بیروت)

جناب مقاتل کے بقول مروی ہے کہ حیوانات میں سے دس جنت میں داخل ہوں گے۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی' ابراھیم علیہ السلام کا بچھڑا اسماعیل" کا دنبہ' موسیٰ علیہ السلام کی گائے' یونس علیہ السلام کی مچھلی' عزیز علیہ السلام کا گدھا' سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی' بلقیس کا ہدہد' اصحاب کہف کا کتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی۔ ان تمام جانوروں کو مینڈھے کی شکل میں مشکل کر کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ مشکوٰۃ الانوار میں یہ مذکور ہے۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اصحاب کہف کے کتے کو چند دن نیک مردوں کی صحبت میسر آئی۔ تو وہ اور لوگوں کے ساتھ مینڈھے کی شکل میں جنت میں جائے گا۔

لمحہ فکریہ:

ان جانداروں اور حیوانات کے دخول جنت کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ نسبت اور تعلق کی بنا پر انہیں یہ شرف دیا گیا۔ جب ہم ان میں سے ہر ایک کے تعلق اور نسبت پر غور کرتے ہیں۔ تو وہ سارے اسباب و تعلقات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے والدین کریمین میں بالخصوص آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا میں موجود ہیں۔ اگر بچھڑے اور گائے کی نسبت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی طرف ہے تو اس

سے کہیں بڑھ کر اور حقیقی تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے والدہ ماجدہ سے ہے۔ اگر مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو چالیس دن اپنے اندر ٹھہرائے رکھا۔ تو حضرت آمنہ کے بطن اقدس میں آپ نوماہ تک قیام پذیر رہے۔ اگر گدھے نے حضرت عزیز علیہ السلام کو سواری کرائی۔ تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے کیا اپنے نور نظر کو کبھی ہاتھوں پر کبھی گود میں سوار نہیں کیا۔ اگر چیونٹی کی باتیں سن کر حضرت سلیمان تبسم فرماتے ہیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدہ ماجدہ کی بارہا باتیں سن کر خوشی کا اظہار نہیں فرمایا اور وہ کتا کہ جس نے اصحاب کہف کی خدمت کی۔ کیا آپ کی والدہ ماجدہ کی دودھ پلانے کی خدمت' مکہ سے مدینہ سے اور مدینہ سے پھر واپس مکہ لانا اور ان کی ہر طرح دیکھ بھال کرنا برابر ہیں؟ جب یہ سب باتیں حضرت آمنہ میں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ اور پھر آپ کی والدہ ہونے کا شرف مزید اکرام ہے۔ اس کے باوجود یہ تو جنت میں نہ جائیں۔ اور مذکورہ حیوانات جنت میں داخل کیے جائیں ؟

عقل اس کے تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ اگر ان میں اور کوئی خوبی نہ ہوتی تو بھی وہ جنتی تھیں۔ لیکن بایں ہمہ ان میں ایمان و توحید اور دین ابراہیمی کے بچے کھچے احکام پر پابندی بھی تھی۔ لہٰذا وہ جنت میں ہی نہیں بلکہ جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گی۔

مثال دوازدھم:

اگر والدین کریمین آپ کو نماز میں بلائیں۔ تو حضور فرماتے ہیں میں ان کے بلاوے کا نماز میں جواب دوں گا

قال البیھقی فی شعب الایمان اخبر ناابوالحسین بن بشران انا ابوجعفر الرازی ابنانا یحیی بن جعفر اخبر نا زید بن الحباب اخبرنا بسن بن معاذ اخبر نا عبداللہ بن یزید عن طلق بن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لوادرکت والدی اواحدھما وانا فی صلواتہ العشاء وقد قری فیھا بفاتحتہ الکتاب فنادی یا محمد لا جبتھما لبیک (مسالک الحنفاء ص ۵۶)

جناب طلق بن علی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں اپنے والدین کو پاتا۔ یا ان میں کسی ایک کا زمانہ مجھے میسر آتا۔ اور میں نماز عشاء شروع کر کے سورہ فاتحہ مکمل کر چکا ہوتا۔ اور وہ مجھے آواز دیتے یا محمد! تو میں ان کی آواز کا جواب دیتا۔ میں حاضر ہوں۔

لمحہ فکریہ

اس حدیث پاک سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر میں اپنے

والدین کا کس قدر مقام تھا۔ اور اس مقام و مرتبہ کو آپ نے نماز کی مثال سے واضح کیا۔ اگر وہ دونوں یا کوئی ایک کافر و مشرک ہوتا تو پھر اس کا احترام اور پھر نماز کے دوران آپ سے ایسا متوقع نہ تھا۔ لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک بھی ان کا مومن ہونا واضح تھا۔

مثال سیزدھم:

حافظ قرآن کی شفاعت سے گھر کے دس افراد جنت میں جائیں گے

عن علی ابن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء القران و حفظہ ادخلہ اللہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اہل بیتہ کلھم قد استوجب النار۔(ابن ماجہ شریف ص ۱۹)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے قرآن کریم پڑھ لیا اور حفظ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کی اس کے گھر والوں میں سے دس آدمیوں کے متعلق شفاعت مقبول فرمائے گا۔ ایسے دس آدمی جن پر جہنم لازم ہو چکا ہو گا۔

لمحہ فکریہ:

ایک حافظ دس جہنمیوں کو شفاعت کر کے جنت میں پہنچاوے گا۔ تو سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والدین کو جنت میں نہ لے جاسکیں گے۔؟ یہ کم از کم دلیل ہے۔ ورنہ ہم تو انہیں پہلے سے ہی جنتی تسلیم کرتے ہیں۔ اور آپ کی شفاعت سے ان کے درجات میں مزید اضافہ ہوگا۔ تو وہ لوگ جو آپ کے والدین کریمین کو جہنمی کہتے ہیں ان کے نزدیک ایک امتی (حافظ و قاری) کو تو دس افراد کے بخشوانے کا اعزاز لیکن پیغمبر اپنے والدین کو بھی نہ بچا سکا؟ ان کی اس منطق کو کون سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے۔

مثال چہاردھم:

نیک بیٹے کی اپنے والدین کے انتقال کے بعد ان کے لیے مانگی گئی دعاء مستجاب ہوتی ہے

عن عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر ما یخلف الرجال من بعدہ ثلث ولد صالح یدعولہ و صدقۃ تجری یبلغہ اجرھا و علم یعمل بہ من بعدہ (ابن ماجہ شریف ص ۲۱)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی آدمی کے مرنے

کے بعد تین چیزیں بہترین خلیفہ ہیں ایک نیک بچہ جو اس کے لئے دعا کرتا ہو۔ دوسرا صدقہ جاریہ جس کا اسے ثواب ملتا رہے تیسرا علم کہ جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل کیا جاتا رہے۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حدیث میں تین ایسے اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے جو کسی کے مرجانے کے بعد اس کے کام آتے ہیں ۔ اور اس کے ثواب میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ نے اپنے پیچھے ایک ایسا صدقہ جاریہ چھوڑا۔ جو پوری کائنات میں کسی کو نہ حاصل ہوسکا اور نہ ہو سکے گا۔ اب ایک عام بچہ اگر عام والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے والدین کے لیے دعا فرمائیں تو اس کے قبول نہ ہونے کا کونسا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمابھی دیا۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کے بارے میں جو دعا کروں گا۔ وہ منظور ہوگی۔ یہ تو قیامت کی بات ہے دنیا میں آپ نے یہاں تک فرمایا۔ کہ اگر دوران نماز وہ مجھے بلائیں۔ تو میں لبیک کہتا حاضر ہو جاؤں گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین دن بدن بلند درجات پر فائز ہو رہے ہیں۔

مثال پنجدھم:

حافظ قرآن کے والدین کو قیامت میں حلے پہنائے جائیں گے

ان هذا القران يلقى صاحبه يوم القيامة حين ينشق عنه قبره كالرجل الشاب فيقول له هل تعرفني فيقول ما اعرفك فيقول انا صاحبك القران اظما تك في الهوا جر واسهرت ليلتك وان كل تاجر من وراء تجارته وانك اليوم وراء كل تجارته فيعطى الملك بيمينه والخلد بشماله ويوضع على راسه تاج الوقار و يكسى والداه حلتين لا يقوم لهما اهل الدنيا فيقولان بما كسينا هذه فيقال لهما باخذ ولدكما القران ۔(کنز العمال جلد اول ص ۵۵۲)

یہ قرآن کریم اپنے پڑھنے والے سے کل قیامت کو ملاقات کرے گا۔ اور یہ ملاقات اس وقت ہوگی جب قبروں سے لوگوں کو نکالا جائے گا۔ قرآن ایک نوجوان شخص کی صورت میں ہوگا اور پوچھے گا۔ کیا مجھے تو نے پہچانا ہے۔ قاری کہے گا۔ نہیں قرآن کہے گا تیرا ساتھی قرآن ہوں۔ میں نے تجھے سخت گرمی میں پیاسا رکھا۔ راتوں کو سونے نہ دیا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوگا۔ اور میں آج ہر تجارت کے پیچھے ہوں۔ پھر اس حافظ کو دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں ہاتھ میں جنت عطا کی جائے گی اور اس کے سر پر عزت و وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے والدین کو ایسے دو جوڑے پہنائے جائیں گے۔ کہ جن کی قیمت تمام دنیا ادا نہ کر سکے گی۔ وہ پوچھیں گے۔ یہ کس سبب سے

ہیں پہنایا گیا تو جواب آئے گا۔ کہ تمہارے بچے کے قرآن کریم یاد کرنے کے بدلہ میں عطا ہوا ہے۔

مثال شش دہم:

حافظ قرآن کے والدین کے سروں پر قیامت کو تاج رکھا جائے گا

عن سہل عن معاذ الجهنی عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قراء القران وعمل بمافیہ لبس والداہ تاجا یوم القیامۃ ضوئہ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت بکم فماظنکم بالذی عمل بھذا۔ (ابوداؤد شریف ص ۲۰۵)

معاذ جہنی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے قرآن کریم پڑھا۔ اور اس کے منزلہ احکام پر عمل کیا۔ اس کے والدین قیامت کے دن تاج سر پر رکھیں گے۔ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ خوبصورت ہے جبکہ وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو۔ تو اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو خود اس کا عامل ہے ------(۵)

لمحہ فکریہ:

قرآن کریم حفظ کرنے والے کے والدین جنت میں اور بیش بہا قیمتی جوڑے پہنیں۔ عامل بالقرآن کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی میں دنیا کا سورج بھی مقابلہ نہ کرسکے تو کیا وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو مجسمہ قرآن کریم ہیں۔ جن کی بدولت قرآن کریم ہم تک پہنچا آپ کے والدین کریمین ان پوشاکوں ان تاجوں سے محروم رہیں۔ بلکہ جنت سے ہی محروم رہیں؟ اس لیے ماننا پڑے گا کہ اگر عام حافظ کے والدین کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ سلوک کرے گا۔ تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ساتھ ان سے کہیں بہتر سلوک کرے گا۔ یہ چند مثالیں نفس مسئلہ کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لئے ہم نے ذکر کی ہیں۔ تاکہ کوئی بھولا ہی انہیں پڑھ سن کر راہ راست پر آجائے۔

نوٹ: ابن تیمیہ اور اس کے کچھ پیرو یہ کہتے ہیں کہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین مومن اور موحد ہوتے۔ تو ان کا تذکرہ بکثرت ہوتا۔ گویا بکثرت تذکرہ نہ ہونا بھی ان کے نزدیک ان کے مومن نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سبحان اللہ کیا علمیت ہے اور کیا اصل و قاعدہ وضع کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کو کسی سے عقیدت ہوتی ہے۔ وہ تو اس کا تذکرہ کرتا بھی ہے۔ اور ایسی کتابیں بھی اسے نظر آجاتی ہیں۔ جن میں اس کے محبوب کا تذکرہ ہو۔ اور جسے عقیدت نہ ہو۔ تو اسے سورج بھی برا اور گندا ہوا معلوم ہوگا ------(۵)

وہ کتب جو ایمان والدین سید الانبیاء پر تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں لکھی گئیں

آیئے! ہم کچھ ایسی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں اس تعداد یا تذکرہ کے لیے ہم نے صرف "کشف الظنون" سے اقتباس کیا ہے کیونکہ صاحب کشف الظنون نے اپنی کوشش کے مطابق ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو اس کتاب کی تصنیف سے پہلے معرض وجود میں آچکی تھی لیکن اس کی تصنیف و تدوین کے دوران بعد والے ادوار کی جو کتابیں ہیں وہ اس میں درج نہ ہو سکتی تھیں اور نہ ہوئیں اور جو زمانہ ماضی میں لکھی گئی ہیں بھی بالاستیعاب ذکر نہیں بہرحال مختصری فہرست پیش خدمت ہے۔

نمبر شمار　نام کتاب　تعارف مصنف

۱　رسالہ فی ابوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد شاہ بن محمد الغفاری زین بن الدین الحنفی المعروف چلپی قاضی حلب وصال ۹۳۶ھ

۲　انباء المصطفیٰ فی حق آبات المصطفیٰ

محمد بن قاسم بن یعقوب بن احمد الرومی الحنفی محی الدین المعروف بابن الخطیب المتوفی ۹۴۰ھ

۳　فی اسلام والدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شمس الدین بن شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن یوسف حلبی شافعی المعروف بابن الملا حلبی المتوفی ۱۰۱۰ھ

۴　ذخیرۃ العابدین وارغام العابدین فی نجات الوالدین المکرمین سید المرسلین

محمد بن یوسف بن یعقوب بن علی ابن الحسن الغنی بالجلب الشہیر بالا سپیری المتوفی ۱۱۹۴ھ

۵　الانتصار لوالدی النبی المختار حدیقۃ الصفاء فی والدی المصطفیٰ

محمد بن محمد بن عبد الرزاق المصری الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ

۶　ہدایۃ الکرام فی تنزیہ آباء النبی علیہ السلام

یوسف بن عبد اللہ الدمشقی الحنفی المعروف بالبدیعی قاضی موصل المتوفی ۱۰۷۳ھ

۷　انباء المصطفیٰ فی حق آباء المصطفیٰ

محمد بن قاسم الرومی المتوفی ۹۷۰ھ

۸　تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفیٰ فی الدارین من الناجین

نور الدین علی ابن الجزار المصری

۹　تحفۃ الصفا فیما یتعلق بابوی المصطفیٰ

احمد بن اسماعیل الجزری المتوفی ۱۱۵۰ھ

۱۰ الرد علی من اتھم القدح فی الابوین المکرمین

حسن بن عبداللہ بن محمد الحلبی المتوفی ۱۱۹۰ھ

۱۱ قرۃ العینین فی ایمان الوالدین

حسین بن احمد بن ابی بکر الحلبی المعروف بالدواجی الحنفی المتوفی ۱۱۷۵ھ

۱۲ رسالہ فی اسلام ابوی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

داؤد بن سلیمان البغدادی المتوفی ۱۲۹۹ھ

۱۳ رسالہ فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علی بن الحاج صادق بن محمد بن ابراہیم الشماخی المتوفی ۱۱۹۹ھ

۱۴ التعظیم والمنۃ فی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ

جلال الدین السیوطی عبدالرحمن بن کمال الدین الخضری۔ المتوفی ۹۱۱ھ

۱۵ مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ

۱۶ الفوائد الکامنہ فی ایمان السیدہ امنہ

۱۷ نشر العلمین المنیفین فی احیاء ابوین الشریفین

۱۸ رسالہ فی ابوی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علی بن الحاج صادق بن محمد بن ابراہیم الشماخی المتوفی ۱۱۹۹ھ (۵)

عقیدۂ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

واما متاخرین پس اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمام آباء و امہات آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم تا آدم علیہ السلام و ایشاں را در اثبات آں طریقہ است یا ایشاں بردین ابراہیم بودہ اند یا آنکہ ایشاں را دعوت نرسیدہ و مردہ کہ در زمان فترت بودہ و مردند پیش از زمان نبوت تا آنکہ زندہ گردانید خدائے تعالیٰ ایشان را بردست آنحضرت و بدعائے وے پس ایماں آوردند و حدیث احیائے والدین اگرچہ در حد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح و تحسین کردہ آست اں را تعدد و طرق و ایں علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آں را حق تعالیٰ بر متاخرین واللہ یختص برحمتہ من یشاء بما شاء من فضلہ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۶۵ مطبوعہ منشی نو لکشور)

بہرحال متاخرین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین بلکہ آپ کے تمام آباؤ امہات آپ سے تا آدم علیہ السلام کا اسلام ثابت کیا ہے اور اس بارے میں ان کے اثبات کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ وہ دین ابراہیمی پر تھے۔

۲۔ ان کو دعوت اسلام نہ پہنچی اور فترت کے دور میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے ابھی حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی

نبوت کا زمانہ شروع نہ ہوا تھا۔
۳۔ یہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دست اقدس پر زندہ کیا پھر وہ ایمان لائے اور (انتقال کر گئے) والدین کریمین کے زندہ کرنے والی حدیث اگرچہ بذاتہ ضعیف ہے لیکن علماء نے اس کی تصحیح اور تحسین کی ہے اور یہ مختلف طریقوں سے مروی ہونے کی وجہ سے ہے حضور صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے والدین کریمین (بمعہ آباؤ اجداد) کے مومن ہونے کا مسئلہ متقدمین سے چھپا کر رکھا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر اسے منکشف فرما دیا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔

اما آبائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبداللہ طاہر و مطہر انداز دنس کفر و رجس شرک چنانکہ فرمود میروں آمدہ ام از اصحاب طاہرہ بار حام طاہرہ و دلائل دیگر کہ متاخرین علمائے حدیث آں را تحریر و تقریر نمودہ اند و لعمری ایں علمے است کہ حق تعالیٰ سبحانہ مخصوص گردانیدہ است بایں متاخراں را یعنی علم آں کہ آباؤ اجداد شریف آنحضرت بر توحید و اسلام بودہ اند۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۹)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آدم علیہ السلام سے تا عبداللہ تمام آباؤ اجداد طاہر اور مطہر تھے نہ کفر کی گندگی اور شرک کی نجاست سے وہ آلودہ ہوئے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا میں پاک مردوں سے پاک عورتوں کی طرف منتقل ہوتا ہوا پیدا ہوا اور : دلائل کہ جو متاخرین علمائے حدیث نے اس موضوع پر تحریر و تقریر فرمائے مجھے اپنی عمر کی قسم! کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد کے ایمان دار ہونے کا علم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ متاخرین حضرات کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ دونوں عبارات اس شخصیت کی ہیں جنہیں اپنے بیگانے سبھی "شیخ" تسلیم کرتے ہیں والدین کریمین کے بارے میں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ۔

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ امہات حضرت عبداللہ و آمنہ تا آدم سبھی کفر و شرک سے پاک تھے۔
۲۔ والدین رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زندہ ہونا اور ایمان قبول کرنا اور پھر انتقال کر جانا جس روایت میں آیا ہے وہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے ثبوت ایمان و اسلام کے تین طریقے مذکور فرمائے۔
ا۔ وہ دین ابراہیمی پر تھے۔ ۲۔ وہ زمانہ فترت میں ہی انتقال فرما گئے۔ ۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں زندہ کیا اور دولت ایمان سے مشرف فرمایا۔

ان تینوں وجوہات کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اور وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ اور وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا وغیرہ آیات سے اثبات ایمان والدین کی تفصیل بھی آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

آخر میں شیخ محقق نے حلفیہ بیان کیا کہ والدین کریمین کا مومن ہونا اگرچہ حضرات متقدمین پر اللہ تعالیٰ نے

مخفی رکھا لیکن متاخرین کو اس فضل سے نواز دیا لہٰذا ہم پورے اعتماد اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین پختہ مومن اور موحد تھے کفر و شرک کا ان کے قریب تک سے گزر بھی نہیں ہوا۔

مثال ہفدہم:

جس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام نے دونوں قدم رکھے اس کی عظمت و شان

قرآن پاک میں کاملوں کے افعال کی نسبت سے کئی چیزوں کو ایسی رفعت اور شان ملی کہ جس کی وجہ سے وہ دنیا میں بے مثل ہو گئیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر قدم رکھا جس کو مقام ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اس کے نور کو بند نہ کرتا تو اس کی روشنی سورج پر غالب ہوتی اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس دن سے لے کر ابراہیم علیہ السلام نے اس پر قدم رکھا اس کے بعد آج تک اس کے اوپر سے کوئی جانور نہیں گزرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مصلیٰ بنا دیا تو قارئین کرام غور فرمائیں کہ جس پتھر کے ساتھ اللہ کے خلیل کا قدم مس کرے وہ تو مصلےٰ بن جائے اور اس کی عزت اور عظمت یہ ہو کہ اس کے اوپر سے کوئی جاندار نہ گزرے تو جس ماں کے شکم مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ماہ گزارے اور صرف قدم ہی نہیں لگایا بلکہ یوں جسم مبارک کے ساتھ مس کیا ان کے متعلق دوزخی ہونے کے فتویٰ دینا یہ کہاں کی دیانت اور عقلمندی ہے۔(۵)

مثال ہشدہم:

حضرت ہاجرہ کے صفا و مروہ کے درمیان چکر لگانے کی وجہ سے صفاء مروہ کی عظمت و شان

حدیث اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب شام سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو لے کر حکم خدا سے مکہ تشریف لائے اور ان کو حرم کعبہ میں چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے اور کچھ کھجوریں اور تھوڑا سا پانی دیکر چلے گئے تو حضرت ہاجرہ ام المومنین نے جب پانی اور خوراک کو ختم پایا تو پانی کی تلاش کے لیئے کوہ صفا پر چڑھیں اور چاروں طرف نظر کی کہ کوئی انسانی وجود نظر آئے یا پانی کا کوئی سبب معلوم ہو لیکن جب کوئی معلوم نہ ہوا تو وہ صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلی گئی اور اسی طرح انہوں نے سات چکر دونوں پہاڑیوں کے درمیان لگائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ میں تیرے خلیل کی بیوی ہوں اور اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہو لہٰذا مجھے میرے بیٹے اسماعیل کے لیے پانی عطا فرما تو قارئین کرام غور فرمائیں کہ اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے جہاں سات چکر لگائے اور جن راستوں پر دوڑیں اللہ تعالیٰ کو وہ جگہ اتنی پسند آئی کہ اس کا ذکر یوں فرمایا **اِنَّ الصَّفَاءَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ**

پارہ دوم رکوع سوم یعنی صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جن پہاڑیوں پر اسماعیل علیہ السلام کی والدہ قدم رکھے اس کو اللہ تعالیٰ شعائر اللہ کہے تو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم مبارک رکھیں اور نو ماہ گزاریں کیا وہ بھی شعائر اللہ بنتی ہے یا نہیں اور پھر جہاں اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے قدم رکھے اور جہاں سات چکر لگائے اس کی تو اللہ تعالیٰ تا قیامت یادگار منائے لیکن کچھ بدبخت ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ جس کا عقیدہ ہے کہ حضور کے والدین کی قبریں بھی باقی نہیں رہنی چاہیں اور بلکہ ۱۹۸۶ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کی قبر پر بل ڈوزر بھی چلایا گیا اگرچہ اب معلوم ہوا ہے کہ قبر کے ارد گرد کچھ حد بندی کی گئی ہے حالانکہ جنگ احد کے موقع پر ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جب کہ دونوں اسلام نہیں لائے تھے لشکر کفار جو کہ جنگ احد کے لیے مدینہ جا رہا تھا اس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کی قبر چھوڑ کر اپنے قبضے میں کر لو تو پھر اگر جنگ احد میں تمہارے کئی لوگ گرفتار ہو جائیں گے تو اس کے معاوضہ میں تم ان کو چھڑا سکو گے اس وقت لشکر کفار نے ابو سفیان یہ کو کہا تھا اگر تم نے ایسا کیا اور ہندہ کے مشورے پر عمل کیا تو پھر مسلمان تمہارے سب بڑوں کی قبریں چھوڑ کر رکھ دیں گے یعنی کفار نے بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر کے چھوڑنے کے مشورے کو بہت بڑا المیہ قرار دیا لیکن نامعلوم جو لوگ کلمہ گو بھی ہیں اور پھر ان کے والدین کے بارے میں گستاخانہ طریقہ اختیار کرتے ہیں ان کا دعویٰ محبت رسول کیسا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کے بارے میں ۱۹۷۸ء میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی قبر کی کھدائی کی گئی تو پاکستان کی اخبارات نے یہ خبر شائع کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کی نعش مبارک ایسے نکلی کہ جیسے آج ہی دفن کئے گئے ہیں اور اس وقت کے اخبارات کے قطعات آج تک محفوظ ہیں اور یہ شان کیوں نہ ہوں کہ جب وہ سب رسولوں کے رسول اور خاتم المرسلین کے والدین ہوں ـــــ(۵)

مثال نہم:

نبی علیہ السلام کی قبر شریف کعبہ عرش اور جنت سے افضل ہے

فقہا اور محدثین کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک ہے وہ قطعہ مکہ شریف سے تو کیا کعبہ اور عرش اعظم سے بھی افضل ہے ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

ونقل قاضی عیاض وغیرہ الاجماع علی تفضیل ماضمہ الاعضاء الشریفۃ حتی علی الکعبۃ المنیفۃ وان الخلاف فیما عداہ ونقل عن ابی عقیل حنبلی ان تلک البقعۃ افضل من العرش وصرح الفاکہانی بتفضیلها علی السموات قال بل الظاہر المتعین تفضیل جمیع الارض علی السماء لحلولہ علیہ السلام

اعتراض :۔

اگر کوئی یہ کہے کہ خلاصۃ الوفاء والی روایات ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو دولت ایمان سے مشرف ہوں پھر انہیں حالت ایمان ہی پر موت آئے اور پھر مدینہ منورہ میں قبر نصیب ہو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا مومن ہونا ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے؟

جواب :۔

مدینہ منورہ میں قبر نصیب ہونا یہ الگ فضیلت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اس سے آپ کے والدین کریمین کا ایمان ثابت کرنا مقصود نہیں ایمان کے ثبوت پر ہم گزشتہ اوراق میں تفصیل سے دلائل پیش کر چکے ہیں۔

نبی علیہ السلام کے والد ماجد کا چوداں سو سال کے بعد تر و تازہ جسم برآمد ہوا

لیکن اب ہم ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ چند سال قبل کی بات ہے جب مسجد نبوی کی توسیع کی خاطر گردو نواح کی زمین کو ہموار کرنے لگے تو نبی پاک صلی علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی قبر کو جب کھودا گیا تو وہ تازہ جسم کے ساتھ موجود تھے پاکستان کے اخبارات میں بھی یہ بات چھپی اس لیے ہم نوائے وقت کی خبر کی کٹنگ فوٹو سٹیٹ کر کے لگا رہے ہیں ملاحظہ فرمایئے تو قارئین کرام پندرہ سو سال کے بعد جس کا کفن میلا نہ ہو جس کا جسم تر تازہ ہو اس کے مومن و جنتی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

مثال دوو ستم :

آپ کے چند دفعہ تکیہ لگانے کی وجہ سے حنانہ کی شان

قال جابر بن عبداللہ کان المسجد مسقوفا علی جذوع النخل فکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب یقوم الی جذع منها فلما صنع لہ المنبر سمعنا لذالک الجذع صوتا کصوت العشار فی روایۃ انس حتی ارتج المسجد بخواره و فی روایۃ سهل و عشر بکار الناس لما راوبہ و فی روایۃ المطلب و ابی حتی تصدع و انشق حتی جا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع علیہ فسکت زاد غیرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا بکی لما فقد من الذکر زاد غیرہ والذی

نفسی بیدہ لولم التزمہ لم ھکذا الی یوم القیامۃ تحزنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الاسفرائنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعاہ الی نفسہ فجاءہ یخرق الارض فالتزمہ ثم امرہ فعاد الی مکانہ وفی حدیث بریدۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت اردک الی الحائط الذی کنت فیہ تنبت لک عروقک و یکمل خلقک و یجدد لک خوص و ثمرۃ وان شئت اغرسک فی الجنۃ فیاکل اولیاء اللہ من ثمرک ثم اصغی لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستمع ما یقول فقال بل تغرسنی فی الجنۃ فیاکل منی اولیاء اللہ و اکون من مکان لا ابلی فیہ فسمعہ من یلیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد فعلت ثم قال اختار دار البقاء علی دار الفناء فکان الحسن اذا حدث بھذا بکی وقال یا عباد اللہ الخشبۃ تحن الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوقا الیہ لمکانہ فانتم احق ان تشتاقوا الی لقائہ (الشفاء قاضی عیاض ص ۱۹۹ تا ۲۰۰ جز اول مطبوعہ مصر)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت کھجور کے پرانے درختوں کے ستونوں پر قائم تھی آپ جب بھی خطبہ دینے کھڑے ہوتے تو ان میں سے ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا لیتے پھر جب آپ کے لیے علیحدہ منبر تیار کیا گیا تو ہم نے اس درخت سے گابھن اونٹنی کی سی آواز سنی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کی آواز سے مسجد گونج اٹھی اور سہل کی روایت میں ہے کہ یہ دیکھ کر حاضرین نے بکثرت گریہ کیا مطلب اور ابی کی روایت میں ہے کہ روتے روتے اس درخت پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ پھٹ گیا یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑھ کر اس پر اپنا دست اقدس رکھا تو وہ خاموش ہو گیا کچھ اور راویوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ درخت اس لیے رو رہا ہے کیونکہ اس نے مخصوص ذکر کھو دیا ہے دیگر حضرات یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر آپ اسے سینہ نہ لگاتے تو یہ قیامت تک کی جدائی کے غم میں اسی طرح روتا رہتا۔ اسفرائنی ذکر کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخت کو اپنی طرف آنے کو کہا تو وہ زمین چیرتا ہوا بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا آپ نے اسے سینے سے لگایا پھر فرمایا کہ اپنی جگہ واپس چلے جاؤ وہ واپس آ گیا حضرت بریدہ کی حدیث میں ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا اے درخت! اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے اسی باغ میں واپس بھیج دوں جس میں تو اگا تھا اور وہاں جا کر تیری جڑیں اور شاخیں پھوٹ نکلیں اور تو مکمل درخت بن جائے اور تیرا پھل وغیرہ نئے سرے سے لگنا شروع ہو جائے اور اگر تیری خواہش یہ ہے کہ تجھے میں جنت میں گاڑ دوں کہ تیرا پھل اللہ کے ولی کھائیں یہ فرما کر آپ نے درخت سے کان لگائے تاکہ اس کا فیصلہ سن لیں تو اس نے اپنی رائے یہ ظاہر کی حضور! مجھے جنت میں ہی گاڑ دیں تاکہ میرا پھل اللہ تعالیٰ کے ولی تناول فرمائیں اور میں اسی جگہ پہنچ جاؤں جس میں مجھ پر پرانا ہونے کی کیفیت نہ آنے پائے درخت کا یہ جواب ان لوگوں نے بھی سنا جو قریب بیٹھے تھے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا تمہاری خواہش میں نے پوری کر دی پھر فرمایا اس درخت نے فانی جگہ چھوڑ کر دار بقاء کو پسند کیا جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ جب حدیث بیان فرمایا کرتے تو رو دیا کرتے اور کہا کرتے اے اللہ کے بندو! ایک خشک درخت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے عظیم مرتبہ کے شوق میں پڑ کر گڑ گڑاتا ہے تمہیں تو اس سے بڑھ کر آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہے۔

توضیح:

حنانہ ستون کا واقعہ دیگر احادیث میں تفصیل سے درج ہے بقدر ضرورت ہم بیان کر دیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں ابتدا" کھجور کے ایک خشک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر خطاب فرمایا کرتے تھے بعض صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ آپ کو اس سے کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے لہذا کوئی انتظام ہونا چاہئے ایک عورت کا غلام لکڑی کا کام جانتا تھا اسے کہا گیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لکڑی کا منبر بنائے جس پر آپ بیٹھ کر وعظ و نصیحت فرمایا کریں چنانچہ منبر تیار ہو گیا اور آپ اس پر جلوہ فرما ہوئے اور کھجور کے خشک تنے سے تکیہ لگانا ترک فرما دیا اس جدائی کی وجہ سے وہ ستون گڑگڑایا فریاد کی اور آپ نے اسی کی فریاد پر اسے سینہ سے لگا کر خاموش کر دیا اور اس کی فرمائش پر اسے جنت کے درختوں میں سے ایک بنا دیا۔

اس مثال کو پیش کرنے سے ہم یہ استنباط کرنا چاہتے ہیں کہ کھجور کا ایک خشک تنا اگر چند دن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کا سہارا بنتا ہے اور آپ کے جسم اطہر سے مس کرنے کی فرصت میسر آتی ہے تو اس میں بھی زندگی آجاتی ہے اور عقلمندوں کی طرح گفتگو کرنے لگتا ہے اور ایسا عقلمند ہو جاتا ہے کہ دار فنا پر دار بقاء کو ترجیح دے رہا ہے یہ چند دن کا ساتھ تھا اور ادھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ لگاتار حالت حمل میں اور پھر طفولیت میں کئی ماہ رہنا ہے آپ ان کے شکم اطہر میں جلوہ فرما رہے ہیں ان کی گود میں کھیلتے رہے ان کا دودھ نوش فرمایا اتنی طویل قربت و مصاحبت کے ہوتے ہوئے وہ پھر بھی جنت میں نہ جائیں؟ افسوس صد افسوس! اعتراض کرنے والوں کو کبھی یہ نصیب ہوتا کہ وہ اس محبت بھری نسبت کا تصور کر لیتے کہ والدین کریمین کس محبوب کے والدین ہیں وہ صرف اہل دنیا کے ہی محبوب نہیں اہل سموات کے بھی محبوب ہیں نہیں نہیں وہ تو خالق ارض و سماء کے محبوب ہیں اس نسبت کے پیش نظر عقل تو آپ کے والدین کے مقام ارفع و اعلیٰ کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

خلاصہ مثال

مذکورہ مثال کا خلاصہ اور استنباط یہ ہے کہ کھجور کے خشک تنا کو اگر چند دن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکیہ بننے کی سعادت حاصل ہو جائے تو اسے زندگی آجاتی ہے۔ اور اس میں ارباب عقول کی طرح گفتگو کرنے اور عشق رسول میں رونے کی استطاعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار دینے پر جنت کو اختیار کر سکتا ہے تو کیا اس اماں جان کی شان والا کا کیا مرتبہ اور مقام ہو گا کہ جس کو صرف چند

ساعات کے لئے نبی علیہ السلام کا تکیہ بنا تو کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نو ماہ اپنے شکم مبارک میں رکھے
میں کھلانے آپ کو چومنے کا شرف حاصل ہو تو کیا وہ ماں جنت میں جا سکتی ہے۔ کہ نہیں ہائے افسوس ان الزام
کرنے والوں کو کبھی اسی نسبت کو محبت کی نگاہ سے تصور کرنا نصیب ہوتا کہ یہ والدین کس محبوب کے والدین ہیں
صرف دنیا والوں کے ہی محبوب نہیں بلکہ رب العالمین کے بھی محبوب ہیں۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
والدین کا لفظ بولا جائے اور اسی تصور سے ان کا مرتبہ اور مقام کو سمجھا جائے۔ تو ان کے مرتبہ اور مقام کا تعین
وراء الوریٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ تو قارئین کرام اگر یہ لوگ اس کھجور کے خشک تنے جتنی بھی نسبت کا مقام رسول
علیہ السلام کے والدین کو تسلیم کرتے تو کبھی حضور علیہ السلام کے والدین کے خلاف لب کشائی نہ کرتے۔

نوٹ

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ کی قبر انور کے بارے اجماع ہے۔ کہ وہ عرش و کعبہ سے بھی افضل
و اعلیٰ ہے۔ اگرچہ اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں ایک اور انداز سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔
کہ آپ کی قبر مبارک کی افضلیت "اجماعی" ہے اور دوسرا یہ کہ اس سے آپ کی والدہ ماجدہ کی رفعت شان پر
کرنا چاہتے ہیں۔ افضلیت اجماعی کے لئے حوالہ ملاحظہ ہو۔

قد انعقد الاجماع علی تفضیل ما ضم الاعضا الشریفۃ حتی علی الکعبۃ المنعتۃ واجمعوا بعدا علی عس
مکتبہ والمعتمد علی سائر البلاد و اختلفوا ایہا افضل فذھب عمر بن الخطاب وابنہ عبداللہ و مالک بن انس
المدنین الی تفضیل المدینۃ واحسن بعضھم فقال محل الخلاف فی غیر الکعبۃ الشریفۃ فھی افضل من المد
ما عدا ماضم الاعضا الشریفۃ اجماعا واحکایۃ الاجماع علی تفضیل ما ضم الاعضا الشریفۃ نقلہ القاضی عیا
و کذالقاضی ابوالولید الباجی قبلہ کما قال الخطیب ابن جملۃ و کذا نقلہ ابوالیمن ابن عساکر و غیرھم
التصریح بالتفضیل علی الکعبۃ الشریفۃ بل نقل التاج السبکی عن ابن عقیل الحنبلی ان تلک البقعۃ افضل
العرش وقال التاج الفاکہی قالو الا خلاف ان البقعۃ التی ضمت الاعضاء الشریفۃ افضل بقاع الارض علی الاطلاق
حتی موضع الکعبۃ ثم قال و انا افضل بقاع السموات ایضاو لم ارمن تعرض لذالک والذی اعتقدہ ان ذالک
عرض علی علما الامۃ لم یختلفوا فیہ وقد جاء ان السموات تشرفت بمواطی قدمیہ صلی اللہ علیہ وسلم بل لو
قائل ان جمیع بقاع الارض افضل من جمیع بقاع السماء شرفھا لکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم حالا فیہا لم یبعد
ہو عندی ظاہر متعین۔ (وفاء الوفاء جلد اول ص ۲۸)

اس پر اجماع منعقد ہے۔ کہ زمین کا وہ حصہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء شریف سے ملا
ہے۔ وہ کعبہ پاک سے بھی افضل ہے۔ اس کے بعد اس پر بھی اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں باقی
شہروں سے افضل ہیں۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ حضرت عمر بن
عبداللہ بن عمرؓ مالک بن انس اور اکثر اہل مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے بعض نے جو یہ کہا ہے

اچھا کہا ہے کہ اختلاف کعبہ شریف کو چھوڑ کر دوسرے شہروں کی بہ نسبت ہے۔ کیونکہ کعبہ مکرمہ تو مدینہ منورہ سے افضل ہے لیکن مدینہ منورہ سے کعبہ کی افضلیت بھی اس جگہ کو چھوڑ کر ہے۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس سے متصل ہے۔ (یعنی آپ کی قبر انور) اسے قاضی عیاض نے نقل کیا ہے۔

اور ان سے پہلے قاضی ابوالولید باجی نے بھی لکھا ہے۔ جیسا کہ خطیب ابن جملہ نے کہا ہے۔ اسی طرح ابوالیمن ابن عساکر وغیرہ نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تصریح بھی ان حضرات سے منقول ہے۔ کہ آپ کی قبر شریف کی جگہ کعبہ مکرمہ سے بھی افضل ہے بلکہ ابن عقیل سے تاج الدین سبکی نے نقل فرمایا کہ وہ بقعہ مبارکہ عرش سے بھی افضل ہے۔

علامہ تاج فاکہی نے کہا۔ علماء نے فرمایا کہ وہ مبارک جگہ جو آپ کے جسم اطہر سے ملی ہوئی ہے۔ وہ زمین کی تمام جگہوں سے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ سے بھی علی الاطلاق افضل ہے۔ پھر کہا میں کہتا ہوں کہ وہ مقدس جگہ جو آپ کے جسم اطہر سے ملی ہوئی ہے تمام آسمانی جگہوں سے بھی افضل ہے۔ اور عقیدہ پر گرفت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ امت کے علماء میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف ممکن نہیں۔ یہ بھی آیا ہے کہ آسمانوں کو تو فضیلت در اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی سے حاصل ہوئی۔ بلکہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے۔ کہ زمین کی تمام جگہیں' آسمانوں کی تمام جگہوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ زمین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں تو یہ کوئی بعید از فہم نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک یہ بالکل ظاہر اور متعین ہے۔ صاحب وفاء الوفاء علامہ نورالدین سمہودی رحمتہ اللہ علیہ قبر انور کے افضل ترین ہونے پر علامہ زرکشی کی ایک محبت بھرا استدلال یوں پیش فرماتے ہیں۔

قال الزرکشی تفضیل ما ضم الاعضاء الشریفتہ للمجاورتہ ولھذا یحرم للمحدث مس جلد المصحف (وفاء الوفاء جلد اول ص ۲۹)

ترجمہ۔ علامہ زرکشی نے فرمایا کہ اس جگہ کی افضلیت کی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے متصل ہونا نصیب ہے' کی علت یہ ہے کہ اسے آپ کے جسم اقدس سے ملنا نصیب ہوا۔ اسی اتصال و ملنے کی وجہ علت سے بے وضو کے لیے قرآن کریم کی جلد (غلاف) کو چھونا حرام ہے۔

خلاصہ کلام۔

یہ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کی افضلیت علی الاطلاق متفق علیہ عقیدہ ہے۔ اور اس پر اجماع امت منعقد ہے۔ ہاں اگر اختلاف ہے تو قبر انور کے سوا بقیہ مدینہ منور اور مکہ مکرمہ میں افضلیت کا ہے جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں علامہ زرکشی نے بقعہ مبارکہ کے افضل علی الاطلاق ہونے کی علت مجاورت قرار دے کر قرآن کریم کے چھونے سے اسے واضح فرمایا۔ قرآن کریم کہتا ہے لا یمسہ الا المطھرون اس کو صرف پاک لوگ

لیکن جس طرح نفس قرآن کریم کو بے وضو ہاتھ نہیں لگ
چھوتے ہیں۔ صراحۃً" یہ حکم قرآن کریم کے لئے ہے
اسی طرح اس کی جلد اس سے لپٹے غلاف وغیرہ کو بھی ہاتھ لگانا منع ہے۔ یہ حرمت و ممانعت' مجاورت و اتصال
سے آئی اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مقدسہ افضل ترین خلق ہے۔ تو اس کی مجاورت
جگہ بھی افضل ترین ہو جائیگی۔

یہاں یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ حضور صلی علیہ و آلہ وسلم کے جسم اقدس سے ملنے والا زمین کا
قبر شریف کا اندرونی حصہ ہے۔ اور جو اوپر دائیں بائیں غیر متصل ہے وہ ملا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے افضل نہ
اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ عرفاً" اور عقلاً" اندرونی اور بیرونی پوری جگہ کا نام قبر ہوتا ہے اور اندرونی
بیرونی سے متصل ہے لہٰذا دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔ تفاسیر میں لو انہم اذ ظلموا آیت کے تحت جس اعرابی کا واقعہ
ہے۔ وہ آپ کے وصال کے بعد تیسرے دن حاضر ہوا۔ اور قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

نفسی الفدا القبر انت سا کہ فیہ العفف والجود الکرم

ترجمہ۔ میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ قیام پذیر ہیں۔ اس میں معافی سخاوت اور کرم موجزن ہیں۔

ان قیاسی و عقلی باتوں سے ہٹ کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر انور کی افضلیت دلیل نقلی سے
ثابت ہے۔ جسے امام جوزی نے الفاء باحوال الفاء ص ۷۹۷ پر نقل کیا۔ اور اسے صاحب وفاء الوفاء نے ان الفاظ
ذکر کیا۔

دروی ابن الجوزی فی الوفاء عن عائشۃ قالت لماقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخت نفس ابن نفلو
یفلن رسو اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال علی انہلیس فی الارض بقعۃ اکرم علی اللہ من بقعۃ قبض فیھا نفس
اللہ صلی اللہ وسلم دروی یحیی ان علیا قال لما اختلفو الا یلون الاحیث تو فاہ اللہ عزوجل انھم سور بملک
و یوخذ مما قالہ علی مستند نقل الاجماع السابق علی تفضیل القبر اشریف لسکو تہم علیہ ورجوعھم الی الل
وکما قال الناس لا بی بکر رضی اللہ عنہ یا صاحب رسول اللہ صلی علیہ وسلم؟ قال فی المکان الذی قبض اللہ
روحہ فیھہ فان اللہ لم یقبض زحہ الا فی ملکان طیب رواہ الترمذی شمائلہ والنسائی فی الکبری والسلا مع
رو ابو یعلی الموصلی و لفظہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقبض النبی الاضی احب لا مکنہ
قلت واحبھالیہ اجھا الی ربہ لان حبہ تابع لحب ربہ اذان یکون حبہ عن ھذی نفس وما کان احب الی اللہ و
کیف لا یکون الفضل و لھذا اخلت تفضیل المدینۃ علی مکتہ من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کمافی الصحیح
الوفاء جلد اول ص ۳۳۔

ترجمہ۔ ابن جوزی نے الوفاء میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ۔ جب سرکار دو عالم
اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ تو صحابہ کرام میں آپ کی تدفین کے بارے میں اختلاف ہوا۔ کہنے لگے حضو
اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیاجائے؟ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ

روح قبض کی گئی۔ اس سے زیادہ باعزت و افضل دوسری کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ جناب یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے اختلاف کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو یقیناً" وہیں دفن کیا جائے گا۔ جہاں آپ کی روح اقدس قبض کی گئی۔ اس پر تمام صحابہ کرام راضی (متفق) ہو گئے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا قول اس اجماع سابق کی دلیل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کا تمام مقامات سے افضل ہونا منقول ہوا۔ کیونکہ علی المرتضیٰ کی بات پر سب صحابہ خاموش ہو گئے۔ اور اسی جگہ دفن کرنے پر رجوع کرلیا۔

جب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے رسول اللہ کے ساتھی! حضور صلی اللہ کو کس جگہ دفن کیاجائے؟ فرمایاجہاں آپ کی روح مبارک قبض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح اقدس یقیناً" طیب و افضل مقام پر قبض فرمائی ہے۔ اسے ترمذی نے شمائل میں اور نسائی سے کبریٰ میں ذکر کیا۔ اور اس کی اسناد صحیح ہیں اور ابو یعلی الموصلی نے ان الفاظ سے روایت ذکر کی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر پیغمبر کو اس مقام و جگہ پر روح قبض فرماتا ہے جو اس کی محبوب ترین جگہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ پیغمبر کی محبوب جگہ دراصل اللہ کی محبوب جگہ ہوتی ہے کیونکہ اس کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہوتی ہے۔ ہاں اگر محبت ہوائی نفس کے تابع ہو تو پھر نہیں اور جو چیز (جگہ) اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہو۔ وہ کیونکر افضل نہ ہوگی۔ اسی لیے مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ پر افضلیت بیان کی گئی ہے۔

قارئین کرام! آپ یہ بخوبی جان چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر اور جو بھی چیز پیدا فرمائی۔ خواہ وہ زمین سے تعلق رکھتی ہو یا عالم بالا میں اس کا وجود ہو ان میں سے کوئی چیز اس جگہ سے افضل نہیں ہو سکتی جس جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ اس جگہ کی افضلیت صرف اور صرف اس لیے ہوئی کہ اس نے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جد اطہر کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ جب حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت ہوجانے کی وجہ سے زمین کا وہ ٹکڑا عرش و کرسی اور جنت و کعبہ سے مرتبہ میں بڑھ گیا۔ تو اس نسبت کے پیش نظر جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو دیکھتے ہیں۔ تو لازما" تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس نسبت کی وجہ سے آپ کو ارفع و اعلیٰ مرتبہ حاصل ہے۔ بلکہ قبر شریف کی بہ نسبت آپ کی والدہ کے ساتھ آپ کا تعلق کہیں زیادہ ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں پرورش پائی۔ اس طرح یہ دونوں ہم جنس ہونے میں قبر کی مٹی سے ممتاز ہوئے۔ پھر ولادت باسعادت کے بعد حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو گود میں کھلایا۔ انہیں دودھ پلا کر جزو و کل کا تعلق قائم کیا یہ تعلق بھی اس زمین کے ٹکڑے کے ساتھ نہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ گود میں لے کر شفقت و محبت بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتی رہی۔ ایسا دیکھنا اس مٹی کو کہاں نصیب؟ پھر یہی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت مجھ [illegible] سے میں نے قیصرو کسریٰ کے محلات دیکھے۔ یہ نسبتیں اور تعلقات اس

خطہ زمین کو کہاں حاصل؟ جب قبر انور کو صرف آپ کے جسم اطہر سے لگا رہنے کی وجہ سے یہ مقام و مرتبہ مل گیا تو آپ کی والدہ ماجدہ جو کہ بہت سی نسبتوں اور تعلقات کی حامل ہیں ان کو عرش و کعبہ اور جنت کا مرتبہ حاصل ہونا کیوں کر تسلیم نہیں کیا جاتا لہٰذا معلوم ہوا آپ کی والدہ اعلیٰ درجہ کی جنتی ہیں اور انہیں معاذ اللہ دوزخی کہنے والا اذیت رسول کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں۔(۵)

آپ کے والدین کا زندہ ہونا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس مسلک کی طرف حفاظ محدثین کے طائفہ کثیرہ کا میلان پایا جاتا ہے۔ جن میں ابن شاہین، حافظ ابوبکر خطیب بغدادی، امام سہیلی، امام قرطبی، محب طبری اور علامہ ناصرالدین دمشقی وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں۔

ان حضرات نے اس مسلک کا استدلال اس روایت سے کیا ہے جسے علامہ ابن شاہین نے "الناسخ والمنسوخ" میں، حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے "السابق واللاحق" میں، امام دار قطنی اور ابن عساکر نے "غرائب مالک" میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ آخری حج کیا اور آپ حجون کی گھاٹی سے نہایت غمزدہ حالت میں تشریف لا کر میرے پاس سے گزرے اور پھر آپ نیچے اتر کر طویل عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے اور جب آپ وہاں سے لوٹ کر میرے پاس تشریف لائے تو آپ نہایت شادمان و شگفتہ خاطر تھے۔ اور آپ کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔

میں نے آپ سے اس خوشی کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ان کو زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلالیا۔ (۴)

یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں

اس حدیث پاک کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے بلکہ "بعض نے" اسے موضوع بھی کہا لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔

میں نے اس امر کی وضاحت کے لئے ایک جز علیحدہ تالیف کر رکھی ہے اور امام سہیلی نے "الروض الانف" میں اسے ایک سند سے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس روایت میں دو راوی غیر معروف ہیں ان کی روایت ہے کہ،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کریم کے حضور میں دعا کی کہ میرے والدین کو زندہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی خاطر ان کو زندہ فرمادیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔ (۴)

خدا کی قدرت

حضرت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر

چیز پر قدرت حاصل ہے اور اس کی رحمت و قدرت کسی امر میں درماندہ اور کمزور نہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جس بزرگی اور خصوصیت سے چاہے نوازے۔

اور حضرت امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زندہ کرنے والی حدیث کا نہی عن الاستغفار والی حدیث سے کوئی تعارض نہیں اور اس کی دلیل ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی بیان کردہ وہ حدیث ہے جس میں حجتہ الوداع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن شاہین نے اس حدیث کو دوسری حدیث کا ناسخ قرار دیا ہے۔

حضورؐ کے لیے احیائے موتیٰ

علامہ ناصر الدین منیر مالکی کتاب "المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں کہ "ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مردوں کو زندہ کیا گیا اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات کے مثل و نظیر ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے مزید وضاحت سے فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے لیے استغفار سے منع فرمایا گیا۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی میرے والدین کو زندہ کیا جائے' چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کی خاطر آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی اور حالت ایمان میں فوت ہوئے۔

حضرت امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل آپ کے وصال مبارک تک مسلسل ظہور پذیر ہوتے رہے اور یہ بات بھی آپ کے فضائل میں ہے نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً" اور شرعاً" ممتنع نہیں' قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے مقتول کا اپنے قاتل کے متعلق اطلاع دینے کا ذکر موجود ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر مردوں کی ایک جماعت کو زندہ فرمایا۔

پس جب یہ امور ثابت ہیں تو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کے بعد ایمان لانے میں بھی کوئی امتناع نہیں' بلکہ یہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل وکرامت میں اضافہ کا باعث ہے۔ (۳۴)

بلندی کی طرف

جناب حافظ فتح الدین بن سید الناس اپنی سیرت کی کتاب "عیون الاثر" میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے کے واقعہ کے بعد بیان کرتے ہیں کہ تعذیب کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں۔ ان کے درمیان بعض اہل علم کے تطبیق دینے کا ذکر کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ہی مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کی طرف بلند ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال مبارک ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے قرب خاص میں جگہ دی۔

پس یہ جائز ہے کہ یہ درجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہو' کیونکہ آپ کے لیے اس سے قبل اس درجہ کا ظہور نہ ہوا تھا اور زندہ کرنے اور ایمان لانے کا واقعہ ان احادیث سے بعد کا ہے پس ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا اور اس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے۔

اس کے فضل کو تم بھی مان لو

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی اپنی کتاب "موردالصادی فی مولدالهادی" میں مذکورہ بالا حدیث بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں کہ'

اللہ تبارک وتعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مزید افضال و اکرام نازل فرمائے۔ وہ آپ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ یہ اس کا آپ پر بڑا ہی لطیف فضل ہے اور تم بھی اس بات کو تسلیم کرلو کہ وہ ایسے امور پر قدیم سے ہی قدرت رکھتا ہے اگرچہ اس بارے میں بیان ہونے والی حدیث ضعیف ہے۔ (۵۴)

خاتمہ نہ ماننے والے

علماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ مسالک مضبوط اور قوی نہیں ہیں' اور انہوں نے مسلم کی دو حدیثوں وغیرہما کو نسخ کے دعویٰ سے عدول کیے بغیر اپنی ظاہری صورت پر قائم رکھا ہے۔ اور ساتھ ہی کہا ہے کہ کسی کے لیے اس بات کا بیان کرنا جائز نہیں۔

لعنت نہ خریدو

حضرت امام سہیلی "الروض الانف" میں مسلم کی حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق ایسی کوئی بات کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زندوں کو مردوں کے باعث ایذاء نہ دو۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ الآیۃ**

ابوبکر بن العربی مذہب مالکیہ کے اماموں میں سے ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین آگ میں ہیں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کے مطابق یہ بات کہنے والا شخص ملعون ہے اور اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور اذیت کیا ہوگی کہ آپ کے والدین کریمین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ آگ میں ہیں۔

حضور کو ایذاء دینا غیر مشروط پر منع ہے

بعض علماء پانچویں قول کی طرف گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے' چنانچہ شیخ تاج الدین الفاکہانی اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے والدین کے حالات کو زیادہ جانتا ہے' اور باجی شرح موطا میں فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مباح فعل سے ایذا دینا بھی جائز نہیں جب کہ دوسرے لوگوں کو مباح فعل سے ایذاء دینا جائز ہے کیونکہ آپکے علاوہ کسی دوسرے کو مباح فعل سے ایذا دینے سے ہمیں منع نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی فعل مباح کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچتی ہو۔

پس مومنین پر یہ شرط لگادی گئی کہ وہ بغیر دوسروں کے کسی فعل کے انکو ایذاء نہ دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا خصوصیت کے ساتھ غیر مشروط طور پر منع ہے۔

زبان کاٹوں یا گردن کاٹ دوں

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یحییٰ بن عبدالمالک بن ابی غنیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عامل نوفل بن الفرات نے بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس اہل شام کا ایک امان بادہ کاتب تھا' اس نے ایک ایسے آدمی کو ایک ضلع کا افسر بنا دیا۔ جس کے باپ نے ایک مجوسیہ سے زنا کیا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ تجھے اس امر کی جرأت کیسے ہوئی کہ ایک مجوسی عورت سے زنا کرنے والے شخص کو ایک ضلع کا افسر بنادیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ امیرالمومنین کو خیریت سے رکھے' اس بات کی وجہ سے مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بھی مشرک تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی یہ بات سنی تو آہ سرد کھینچ کر خاموش ہوگئے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا' کیا میں اس کی زبان کاٹوں یا ہاتھ اور ٹانگ کاٹ دوں یا اس کی گردن ہی کاٹ دوں؟ پھر فرمایا جب تک

میں زندہ ہوں تو حکمران نہیں بن سکے گا۔

جو ثقلین کو ہلاکت سے بچانے والے ہیں

سیدنا امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مجھ سے کہا گیا کہ میں اس مسئلہ کو نظم کی صورت دے کر اپنی تالیف کو ختم کروں تو میں نے کہا کہ جس رب عظیم نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے صدقہ اور وسیلہ سے جنوں اور انسانوں کو ان امور سے نجات دے گا جو ان کی ہلاکت کا باعث ہیں تو آپ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات کا حکم بھی مشہور و معروف ہے اور اہل تصنیف حضرات نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

جن میں سے ایک جماعت نے آپؐ کے والدین کریمین کو ان اشخاص پر محمول کیا ہے' جن کے پاس دعوت دینے والے مددگاروں کی خبر نہیں پہنچی اور جس شخص کو دعوت کی خبر نہ پہنچے اس پر عذاب کا حکم نہیں ہوگا۔ اور یہی مذہب تمام شافعیوں اور اشعریوں کا ہے۔ اور سورہ اسراء میں اس کے متعلق حجت موجود ہے اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں جو آیات پائی جاتی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں۔ اور بعض فقہاء نے اس کی تعلیل میں نہایت لطیف معانی بیان کیے ہیں' اور امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک الگ موقف اختیار کا ہے جو سننے سے تعلق رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فطرت پر پیدا ہوئے ہیں اور ان سے "دین اسلام" کے خلاف عناد اور مخالفت کا اظہار نہیں ہوا۔ (۴۳)

آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں

اور پہلے گروہ نے کہا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین' توحید اور دین حنیف پر پیدا ہوئے تھے اور حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آپ کے آباؤاجداد میں کوئی بھی مشرک نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے توحید کو ناپسند کیا ہے۔

اور سورہ توبہ کے بیان **"انما المشرکون نجس"** کے مطابق آپ کے آباؤاجداد کو پاک بیان کیا جاتا ہے اور سورہ "الشعراء" میں ان کے بارے میں "تقلبک فی الساجدین کے الفاظ آئے ہیں' یہ کلام امام و بزرگ فخرالدین رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "اسرار التنزیل" کا ہے جسے پڑھ کر آنکھوں سے آنسو برسنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور انہیں نعمتوں والی خوش رنگ جنتیں عطا فرمائے۔

دور جاہلیت اور توحید پرستی

نیز یہ کہ زمانہ جاہلیت میں ایک فرقہ دین ہدایت پر تھا جس میں زید بن عمرو اور ابن نوفل شامل ہیں' ان لوگوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور حضرت امام سبکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر ایک مقالہ لکھا ہے۔

ایک جماعت نے آپ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔ ابن شاہین نے اس بارے میں ایک مسند حدیث کا تذکرہ کیا لیکن وہ حدیث ضعیف ہے' چنانچہ اگر یہ تمام مسالک منفرد یعنی الگ الگ بھی ہوتے تو بہر صورت کافی تھے۔ اب جب کہ یہ سب ایک جگہ جمع ہیں تو اس شخص کی کیا حالت ہوگی جو ادبا" خاموش رہنے پر بھی راضی نہیں ہوتا ؟ مگر انصاف پسند شخص کہاں ؟

نماز توڑ کر جواب دیتا

حضرت امام بیہقی شعب الایمان میں حدیث بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوالحسین بن بشران نے بتایا کہ ابوجعفر الرزاز' زید بن الحباب' یٰسین بن معاذ' عبداللہ بن قرید' طلق بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں اپنے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کو پالیتا اور میں عشاء کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا تو اس حالت میں میری والدہ محترمہ مجھے آواز دیتی کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو میں انہیں نماز چھوڑ کر جواب دیتا کہ امی جان میں حاضر ہوں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف ایک راوی یٰسین بن معاذ ضعیف ہے۔

ماںؓ بیٹےؐ کا پیار کافر بھی جانتے تھے

فائدہ: علامہ ازرقی نے تاریخ میں کہا کہ محمد بن یحییٰ' عبدالعزیز بن عمران ہشام بن عاصم اسلمی سے روایت کرتے ہیں کہ جب قریش غزوہ احد میں حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لیے نکلے اور جب وہ مقام ابواء پر پہنچے' تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے کہا کہ اگر تم یہاں سے آمنہ ام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اکھاڑ لو تو ہم ان کے بدلہ میں ان تمام آدمیوں کو چھڑا سکیں گے۔ جو ہم میں سے مسلمانوں کے قیدی بنیں گے۔ ابوسفیان نے اپنی بیوی کا یہ مشورہ قریش کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ ابوسفیان یہ دروازہ ہمارے لیے نہ کھولو ورنہ بنوبکر ہمارے مردوں کو کھود ڈالیں گے۔

قدیم سے پاک حسب والے ہیں

فائدہ: علامہ صلاح صفدیؒ نے اپنے تذکرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت

عبداللہ کے یہ اشعار نقل فرمائے ہیں کہ

ہر ملک کے مسافروں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے اور میرے والد گرامی حضرت عبدالمطلب اس سرداری اور بزرگی والے ہیں جن کی طرف ہر نشیب و فراز سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کے آباؤ اجداد قدیم سے ہی پاک حسب والے ہیں۔

اسے قتل کر دیا جائے

فائدہ: امام موفق الدین بن قدامہ حنبلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مغنی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جو مسلمان یا کافر حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ معظمہ پر شرک وغیرہ کی اتہام تراشی کرتا ہے اسے قتل کیا جائے۔(۴)

حق سبحانہ و تعالیٰ نے سرکار کونین کے والدین ماجدین کو سر اللہ الاعظم کی خاطر زندہ فرمایا اور دار دنیا میں عود کر کے واپس تشریف لائے۔ اور انہوں نے تصدیق قلب سے کلمہ توحید پڑھا اور زمرہ اہل ایمان میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے بعد پھر دار فنا سے رحلت فرما گئے۔ یہ واقع احیاء حجتہ الوداع کے ایام میں واقع ہوا۔

اور جزم فرمایا ہے اس طریق پر حفاظ محدثین میں سے ایک طائفہ کبیر نے اور دیگر آئمہ میں سے بھی ایک جم غفیر نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے مثلاً" ابوالحفص عمر بن شاہین بغدادی واعظ متوفی ۳۸۵ھ۔ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی۔ سہیلی۔ قرطبی۔ محب الطبری۔ علامہ ناصرالدین ابن منیر وغیرہم (۲)

توضیح کلام

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۵)

اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ امت روز افزوں ہر حالت میں کامیاب ہوتی رہے۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

اس آیت مبارک سے صاف عیاں ہوا کہ ذات مطلق نے اپنے حبیب تاجدار عرب و عجم و کل ملکوت اللہ کو وہ شرف منزلت اپنے قرب خاص میں عطا فرمایا ہے کہ جہاں تک انسان کی عقل وہم اور ادراک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس ذات واجب الوجود نے اپنے فضل لامتناہی سے آپ کا قدر مبارک بلند فرمایا۔ آپ کے براہین کو روشن فرمایا۔ پاک وطیب حسب ونسب میں آپ کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بہترین ابوین کے یہاں آپ کا ظہور و اجلال فرمایا۔ آپ ہی کی خاطر رب تعالیٰ نے کونین کو پیدا فرمایا۔ تمام مومنین کے لئے آپ کو رؤف الرحیم بنایا اور ذات واجب الوجود نے آپکو نبی الانبیاء کا رتبہ عطا فرمایا اور اس وقت آدم علیہ السلام ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور ذات مطلق نے آپ کا اسم مبارک عرش اعظم پر اپنے اسم اعظم کے قرین تحریر فرمایا۔ تاکہ تمام کائنات پر آپ کا رتبہ و عظمت و فضیلت عیاں ہو جائے۔ جب آدم علیہ السلام نے آپکے وسیلہ کے بغیر چارہ نہ پایا اور جب آدم نے ذات مطلق کے دربار اقدس میں آپ کا وسیلہ پیش کیا تو رب تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے آدم کی لغزش کو معاف فرمایا۔ اور آدم کو عیاں کیا گیا۔ کہ اے آدم اگر وہ ذات پاک کو جس کا وسیلہ تو پیش کر رہا ہے اگر اس ذات پاک کو میں ازل سے اپنا محبوب مقرر نہ فرماتا تو تجھے بھی پیدا نہ فرماتا۔ یہاں تک کہ اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔ کما قال سعدی

ترا عز لولاک و تمکین بست | ثنائے توطٰہٰ و یٰسین بست

و کما قال شیخ عطارؒ

حق سبحانہ و تعالیٰ نے سرکار کونین ؐ کے والدین ماجدین کو سر اللہ الاعظم کی خاطر زندہ فرمایا اور دار دنیا میں عود کر کے واپس تشریف لائے۔ اور انہوں نے تصدیق قلب سے کلمہ توحید پڑھا اور زمرہ اہل ایمان میں داخل ہوگئے۔ اور اس کے بعد پھر دار فنا سے رحلت فرماگئے۔ یہ واقع احیاء حجتہ الوداع کے ایام میں واقع ہوا۔

اور جزم فرمایا ہے اس طریق پر حفاظ محدثین میں سے ایک طائفہ کبیر نے اور دیگر آئمہ میں سے بھی ایک جم غفیر نے اس مسلک کو ترجیح دی ہے مثلاً" ابوالحفص عمر بن شاہین بغدادی واعظ متوفی ۳۸۵ھ۔ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی۔ سہیلی۔ قرطبی۔ محب الطبری۔ علامہ ناصرالدین ابن منیر وغیرہم (۲)

توضیح کلام

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۵)

اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ امت روز افزوں ہر حالت میں کامیاب ہوتی رہے۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

اس آیت مبارک سے صاف عیاں ہوا کہ ذات مطلق نے اپنے حبیب تاجدار عرب و عجم و کل ملکوت اللہ کو وہ شرف منزلت اپنے قرب خاص میں عطا فرمایا ہے کہ جہاں تک انسان کی عقل وہم اوراک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس ذات واجب الوجود نے اپنے فضل لامتناہی سے آپ کا قدر مبارک بلند فرمایا۔ آپ کے براہین کو روشن فرمایا۔ پاک وطیب حسب ونسب میں آپ کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور بہترین ابوین کے یہاں آپ کا ظہور و اجلال فرمایا۔ آپ ہی کی خاطر رب تعالیٰ نے کونین کو پیدا فرمایا۔ تمام مومنین کے لئے آپ کو رؤف الرحیم بنایا اور ذات واجب الوجود نے آپکو نبی الانبیاء کا رتبہ عطا فرمایا اور اس وقت آدم علیہ السلام ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور ذات مطلق نے آپ کا اسم مبارک عرش اعظم پر اپنے اسم اعظم کے قرین تحریر فرمایا۔ تاکہ تمام کائنات پر آپ کا رتبہ و عظمت و فضیلت عیاں ہوجائے۔ جب آدم علیہ السلام نے آپکے وسیلہ کے بغیر چارہ نہ پایا اور جب آدم نے ذات مطلق کے دربار اقدس میں آپ کا وسیلہ پیش کیا تو رب تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے آدم کی لغزش کو معاف فرمایا۔ اور آدم کو عیاں کیا گیا۔ کہ اے آدم اگر وہ ذات پاک کو جس کا وسیلہ تو پیش کر رہا ہے اگر اس ذات پاک کو میں ازل سے اپنا محبوب مقرر نہ فرماتا تو تجھے بھی پیدا نہ فرماتا۔ یہاں تک کہ اپنی خدائی کو ظہور میں نہ لاتا۔ کما قال سعدی

تراعز لولاک و تمکین بست — ثنائے توطٰہٰ ویٰسین بست

وکما قال شیخ عطارؒ

ازوے حق آمدی آدم توئی . اصل کرمنا بنی آدم توئی
قبلۂ کل آفرینش آمدی پائے تا سر عین بینش آمدی

اور نیز رب تعالیٰ نے اپنے فضل کاملہ کے ساتھ آپ کو جنت کا مالک مختار فرمایا۔ اور آپ کے منشا و اختیار میں ذات مطلق نے اس بات کو بھی داخل فرمایا کہ جنت میں سے آپ جسے چاہیں راندہ کردیں۔ اور جسے چاہیں جنت کے مرغزار کا مالک و حصہ دار بنائیں۔ اور عہد آدم سے لیکر تا زمانہ ظہور وجود تمام سلسلہ نسب کو رب تعالیٰ نے پاک و مطہر بنایا۔ کسی قسم کا شرک وشین مطلقاً" ان سے صادر نہیں ہوا۔ (تفہیم ...) اور آپ کے سلسلہ کو ہر زمانہ کے اندر تمام اصول و فروع اپنے اپنے زمانہ میں خیر اہل زمانہ بنایا۔ جیسے گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ سرکار کونینؐ کے آباء شریفہ اپنے اپنے قرن میں بہترین اہل قرن خود تھے۔ کماقال ابی الفضل ابن حجر۔

نبی الھدی المختار من ال ھاشم فعن فخرھم فلتقصر المتطاول
تنقل فی اصلاب قوم تشرفوا بہ مثل ما للبدر تلک المنازل

اور نیز ذات مطلق نے تمام انبیاء عظام سے عہد لیا کہ اگر میرا حبیب سراللہ الاعظم تمہارے زمانہ میں ظہور پذیر ہو جائے تو البتہ تم کو ضرور ایمان لانا ہوگا اور ان کی نصرت کرنی ہوگی۔ اور اگر انبیاء عظام سرکار کونین کے زمانہ کو پاتے تو البتہ ظاہراً" اطناً" ان کو سرکار کونین کی اتباع کرنی پڑتی اس اتباع کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور نیز رب تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا مثلاً" انس۔ جن۔ ملائکہ۔ حیوانات۔ جمادات۔ شجر۔ حجر وغیرہ۔ کما قال اللہ تعالی اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" آپ ارشاد فرمائیں تمام مخلوقات کو کہ میں تمہارے تمام کی طرف اللہ جلیل و جبار کی جانب سے پیغمبر مبعوث ہوا ہوں۔ (پارہ ۹ سورہ اعراف ع ۱۰)
لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا" (پارہ ۱۸ سورہ فرقان ع ۱۶)

ذات مطلق بڑی عظمت والی ذات ہے کہ جس نے یہ کتاب فرقان حمید اپنے بندہ جناب محمد الرسول اللہ پر نازل فرمائی۔ تاکہ تمام جہان والوں کے لئے وہ بندہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈرانے والا ہو۔ عالمین جمع عالم کی۔ عالم ماسوا اللہ تعالیٰ کے تمام عالم کہلاتا ہے اور تمام کی طرف سرکار مبعوث ہیں اور نیز رب تعالیٰ نے سرکار کونین کو ماتقدمہ تمام امتوں کیلئے بھی رسول بنا کر مبعوث فرمایا وغیرہ کل الخلق)

ثابت ہوا کہ جمیع انبیاء عظام اور ان کی امتیں حضور کے امتی ہیں اور سرکار کونینؐ کی نبوت و رسالت کل کائنات کیلئے عام ہے اسی لیے حضرت عیسیٰ قرب قیامت نازل ہونگے۔ تو تمام شریعتیں جو کہ انبیاء عظام ماتقدمہ لے کر آئے ہیں وہ تمام دراصل آپ ہی کی شریعتیں تھیں۔ اور جو احکام وغیرہ کل قوانین انبیاء عظام اپنی اپنی امتوں کو بیان کر چکے تھے وہ تمام آپ ہی کے احکام وغیرہ تھے۔ تو اس معنے و توضیح کے مطابق آپ نبی الانبیاء ہیں۔ (القامتہ السندیہ ص ۳۴)

اور نیز سر اللہ الاعظم کے دست مبارک سے معجزات ہزاروں کی تعداد میں ظاہر ہو چکے ہیں جن کا ذکر اس

مختصر سی کتاب میں ممکن نہیں۔ نیز آپ کو وہ خصائص عطا فرمائے گئے جو کسی اور نبی کو مطلقاً عطا نہیں ہوئے۔ کما قال بوصیری

وکلھم من رسول اللہ ملتمس غرفاً من البحر او رشفاً من الدیم

اور نیز آپ کے معجزات و خصائص سے یہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے والدین وغیرہ کو زندہ فرمایا۔ اور تمام آپ پر ایمان لے آئے۔ جیسے ذیل میں حضرت عائشہ سے ہم بیان کرنے والے ہیں۔ اہل علم اس خبر کو فضائل میں روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور تمام انسانوں میں اس حدیث کو نشر کر چکے ہیں۔ اور اس حدیث کو آجتک کسی اہل علم نے پوشیدہ نہیں رکھا۔ بلکہ اس حدیث کو اہل علم سراللہ الاعظم کی خصوصیات سے شمار کرتے ہیں۔ اور مناقب و کرامات میں اس حدیث کو سند یقین کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک کو ابن شاہین نے اپنی کتاب "ناسخ و منسوخ" میں اور امام قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں بایں الفاظ روایت فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حجتہ الوداع کے دوران سرکار کونینؐ نے ہمارے ساتھ حج وداع ادا فرمایا تو جب ہمارا گزر عقبۃ الحجون پر ہوا اور گزرنے کی حالت میں جب میں نے سرکارؐ کے چہرہ مطہرہ پر نگاہ ڈال کر دیکھا تو سرکار بہت زیادہ غمزدہ تھے اور حزن و غم کی وجہ سے آپ کے چشمان مبارک سے اشک جاری ہو رہے تھے تو جب سرکار کونینؐ کو میں نے اس غم و حزن کی حالت میں دیکھا تو میں سرکار کے اندوہ و غم کو برداشت نہ کر سکی اور حضورؐ کے غم میں میں بھی رونے لگی۔ چند لمحات گزر جانے کے بعد سرکار کونینؐ ایک مقام پر سواری سے نیچے اتر گئے اور مجھے بھی نیچے اتار دیا۔ اور مجھے اونٹ کی مہار ہاتھ میں دیکر فرمایا(یا حمیرا استمسکی) کہ اے حمیرا اس مہار کو تھام رکھو۔ میں نے حضورؐ کے ارشاد عالیہ کے مطابق اونٹ کی لگام کو تھام رکھا۔ اور اونٹ کے ساتھ تکیہ لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اور سرکار کچھ دور فاصلہ پر تشریف لے گئے۔ (فمکث عنی طویلاً) اور کافی دیر کے بعد تشریف لائے۔ تو جب سرکار میرے قریب آپہنچے تو میں نے سرکار کو بہت زیادہ خوشنود و خرم پایا۔ اور آپؐ مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ جب آپؐ مجھ سے تشریف لے جانے لگے تھے تو بہت زیادہ غمناک و حزین تھے۔ اور آپ کے آنسو مبارک جاری تھے۔ تو جب میں نے حضورؐ کا یہ حال دیکھا تو میں بھی آپ کے غم کی وجہ سے رونے لگی۔ اور اب آپ واپس تشریف لائے تو آپ بہت زیادہ خوشنود و شاداں ہیں اور آپ مسکرا رہے ہیں تو یا رسول اللہ! اس خوشی و شادانی کی وجہ کیا ہے۔ سرکار کونینؐ نے جواباً" ارشاد فرمایا۔ ذھبت لقبر امنۃ، امی فسألت اللہ ربی ان یحییھا فاحیاھا فامنت وردھا اللہ۔ اے عائشہ میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر پر گیا اور اپنے رب سے سوال کیا کہ یا اللہ میری والدہ ماجدہ کو میری خاطر زندہ فرما۔ رب تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرمایا اور میری والدہ کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔ اور رب تعالیٰ نے کامل ایمان کے ساتھ دوبارہ عالم برزخ میں واپس لوٹا دیا۔

اور علامہ سہیلی نے اپنی کتاب (الروض الفائق) میں روایت کیا ہے کہ حضور نے اپنے ہر دونوں والدین کے

لئے رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں دعا فرمائی تھی اور رب تعالیٰ نے ہر دونوں کو زندہ فرمایا تھا۔ اور دونوں ایمان لانے کے بعد عالم برزخ میں واپس لوٹائے گئے تھے۔ اور بعض روایات میں حضرت ابوطالب اور عبدالمطلب کے زندہ ہونے کے متعلق موجود ہے۔

اور نیز ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ ایک دن سرکار کونین اپنے والدین ماجدین کی قبروں پر بہت زیادہ شدت کے ساتھ روئے اور پھر آپ نے ایک خشک درخت کی خشک شاخ توڑ کر اس کے ٹکڑے والدین کی قبروں میں گاڑ دیئے۔ اور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خشک شاخیں تر و تازہ ہوگئیں تو یقیناً" یہ ابوین کریمین کے ایمان و اسلام کی کامل نشانی ہے **فاخضرت ثم خرجا من قبرهما ببركت دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسلماثم انحلا** تو اس ارشاد عالیہ کے بعد فوراً" وہ خشک شاخیں سرسبز ہوگئیں اور ابوین شریفین سرکار کونین کی دعاء مبارک سے قبروں میں زندہ ہوگئے۔ اور عالم دنیا میں پھر تشریف لے آئے اور تصدیق قلب سے کلمہ توحید پڑھ کر مشرف باایمان ہوگئے۔ اور پھر واپس عالم برزخ میں تشریف لے گئے۔

نیز حضرت شیخ آفندی ارشاد فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ قانون تھا کہ اپنے اصنام کے نام کے مطابق عبدۃ الاوثان اپنی اولاد کا نام رکھ لیا کرتے تھے اور سر اللہ الاعظم کے والد ماجد کا نام مبارک عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا۔ اور اسم "اللہ" مختص ہے صرف ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اور جاہلیت کے زمانہ میں بھی کسی مشرک نے اپنے بت کا نام "اللہ" نہیں رکھا۔ بلکہ بعض بتوں کا نام "لات" بعض کا نام "عزیٰ" وغیرہ رکھا کرتے تھے۔ اور جب ان سے دریافت کیا جاتا تھا۔ کہ زمین و آسمان و مافیہا جو کچھ بھی اشیاء تمہاری منفعت کے لیئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ کس نے پیدا کئے ہیں تو وہ لوگ جواب دیتے کہ یہ سب کچھ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ پیدا فرمائے ہیں۔ پھر جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ پھر تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو اسی کی عبادت کرو کہ جس نے زمین و آسمان وغیرہ کل کائنات پیدا فرمائی ہے۔ تو جواب دیتے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں **لیقربونا الی اللہ زلفی** تاکہ یہ اللہ جلیل و جبار کے دربار اقدس میں ہماری سفارش کریں۔ اور وہ اپنے فضل قدسیہ سے ہمارے اوپر رحم فرمائے یہ تھا عقیدہ عام اہل جاہلیت کا۔ اور والدین ماجدین لیکن طاہرین ان کا تو عقیدہ ہی دین ابراہیمیہ حقہ پر قائم تھا بلکہ تمام سلسلہ نسب جناب آدم علیہ السلام تک۔ اس لئے تو سرکار کونین کے والدین کریمین کے نام مبارک طریقہ ایمان پر رکھے گئے تھے۔ جیسے کہ لفظ اللہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ عبداللہ تعالیٰ تھے۔ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار و عبادت گزار بندے تھے اور والدہ کی شان میں بھی جیسے لفظ آمنہ سے صاف عیاں ہے یعنی آمنہ آمن سے ہے۔ اور آمن کے معنی ہیں ہر قسم عصیان و عبادت اوثان سے پاک ہونا۔ یعنی آپ ہر قسم عصیان سے پاک و بے عیب تھیں۔ انتہی

والدین شریفین پاک و بے عیب کیوں نہ ہوں اس لئے کہ وہ نور کہ جس کی خاطر ذات واجب الوجود نے اپنی خدائی کا ظہور فرمایا۔ اسی نے اپنے فضل بے چونی سے اپنے محبوب کے نور مبین کے انتقال کے لئے "سلاً" بعد

نسل تمام اصلاب و ارحام کو طاہر و مطہر بنایا۔

یوں سمجھ لینا کہ جیسے فی زمانہ کئی واقعات آپ کے سامنے گزرتے ہیں اور وقتاً "فوقتاً" آپ ان واقعات کا معائنہ کرتے رہتے ہیں کہ جیسے ایک الوالعزم حکمران دوسرے الوالعزم حکمران کو اپنی مملکت کی سیر و سیاحت کے لئے مدعو کرتا ہے تو تاریخ معینہ سے قبل جن جن راستوں اور شاہراہوں سے اس مہمان عزیز کو گزارنا ہوتا ہے۔ ان راستوں کو ان کے آنے سے پہلے خوب صاف و ستھرا کر دیتے ہیں بلکہ شحنہ (پولیس) کا وہاں کامل پہرہ لگا دیتے ہیں تاکہ کہیں کوئی بدرو ان راستوں کو خراب نہ کرے۔ جب مہمان عزیز تاریخ مقررہ پر وہاں آوارد ہو تو ان تمام شاہراہوں پر جگہ جگہ پولیس متعین کر دی جاتی ہے اور کسی مشتبہ انسان کا ان راستوں سے گزرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور اس الوالعزم مہمان کے (بوقت گزشتن راہ) آگے پیچھے ایک مضبوط باڈی گارڈ حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ مہمان مکرم کو بوقت سیاحت و گزر مطلقاً گزند کا خطرہ تک نہ رہے۔ ان عظیم انتظامات کے ساتھ وہ مہمان عزیز سیاحت کرتا کرتا آخری منزل تک جا پہنچتا ہے۔ (۲)

حاصل نظیر:

اسی طرح سراللہ الاعظم کا روح مطہرہ عالم ارواح کے اندر مدت دراز تک حکمرانی کرتا رہا۔ رب تعالیٰ نے چاہا کہ عالم عنصر میں بلباس عنصری بھی آپ حکمرانی فرمائیں۔ تو رب تعالیٰ نے عالم ارواح سے عالم عنصر میں جن جن شاہراہوں سے آپ کے نور مبین کو گزارنا تھا۔ تمام کو خوب صاف و مجلا فرمایا اور انہی گذرگاہوں پر فرشتوں کا کامل پہرہ متعین کر دیا گیا اور ان گزرگاہوں پر ضیا کا وہ عظیم بندوبست فرمایا گیا کہ جس کا اندازہ عقل انسانی سے وریٰ ہے کیونکہ وہ گزرگاہ دراصل اصلاب آدم۔ نوح۔ ابراہیم وغیرہ تھے۔

کہ جب اللہ جلیل و جبار نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو نور سراللہ الاعظم کو صلب آدم میں ودیعت رکھا اور سراللہ الاعظم کو نور سورج کی مانند آدم کی جبین مبین میں لامع تھا اسی لئے تو فرشتوں نے آدم کے سامنے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کیونکر تھا۔ کیسے تھا۔ اس کی توضیح کا یہ مقام نہیں۔ بشرط فرصت پھر کسی وقت اس کی توضیح کے لئے قلم اٹھاؤں گا۔

جب رب تعالیٰ نے چاہا کہ وہ نور موودعہ صلب پاکیزہ آدم سے صلب پاکیزہ حضرت شیث علیہ السلام میں ودیعت رکھا جائے تو اس نور موودعہ کی کرامت کی خاطر حضرت شیثؑ کو تنہا پیدا فرمایا۔ پھر یکے بعد دیگرے وہ پاک نور پاک اصلاب وارحام کی شاہراہوں سے گزرتا ہوا خیرالابوین کے ہاں ظہور پذیر ہوا۔

تو اس توضیح کے مطابق نور سراللہ الاعظم تمام کائنات کے وجود کے لئے علت غائیہ ہے تو سرکار کونین وجود شریفہ اور عنصر لطیفہ تمام موجودات کونیہ میں سے افضل اور آپ کا روح مطہرہ تمام ارواح مطہرہ قدسیہ سے افضل اور آپ کا قبیلہ تمام قبائل سے افضل اور آپ کی زبان مبارک تمام زبانوں سے افضل اور آپ کی کتاب قرآن مقدسہ تمام کتابوں سے افضل اور آپ کے والدین ماجدین تمام آباء و اجداد سے افضل اور آپ کی آل اور اصحاب

تمام آل و اصحاب سے افضل اور آپ کا زمانہ ولادت تمام زمانوں سے افضل اور وہ مکان کہ جس میں آپ نے طلوع و جلال فرمایا تمام مکانوں سے افضل اور روضہ منورہ جس مکان پر قائم ہے وہ مطلقاً تمام اماکن سے افضل اور وہ خاک جو کہ جسد مطہرہ کے ساتھ ملحق ہے تمام اماکن کی خاک سے افضل۔ کما قال بوصیری۔

لا طیب یعدل تربا ضم اعظمہ   طوبی لمنتشق منہ وملتثم

(ترجمہ) کوئی خوشبو! اس خاک کی برابری نہیں کر سکتی۔ جو کہ حضور کے جسد اطہر سے شامل ہے خوش رہے وہ شخص جو اس خاک کو سونگھے اور بوسہ دے۔

مطلب:

سراللہ الاعظم میں ایک وصف ذاتی یہ بھی تھا کہ ابتدائے ولادت سے خوشبو لگائے بغیر آپ کے وجود مبارک سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری یا عنبر کو بوئے رسول اللہ سے خوشتر نہ پایا اور نیز فرماتے ہیں کہ جب سرکار کونینؐ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے تو بعد میں آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی اور وہ سمجھ جاتے کہ اس کوچہ میں سے حضورؐ کا گزر ہوا ہے۔ یہی بوئے خوش آپ کے روضہ اطہر میں بھی سرایت کر گئی ہے۔

روضہ مبارک میں تو منبع خوشبو مدفون ہے۔ روضہ پر کیا منحصر ہے بلکہ مدینہ منورہ کے درودیوار سے خوشبوئیں آرہی ہیں جنہیں عاشقان جمال جناب محمد الرسول اللہ اپنے شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ خاک مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے جو کسی خوشبو میں نہیں اور یاقوت کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں لا یحصیٰ خصائص ہیں منجملہ ان خصائص کے اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے اور وہاں کی بارش میں بھی بوئے خوش ہوتی ہے جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔ کما قال شیخ عطارؒ

بطیب رسول اللہ طاب نسیمہا   فما المسک ما الکافور ما المندل الرطب

(ترجمہ) رسول اللہ کی خوشبوؤں سے نسیم مدینہ خوشبودار ہو گئی۔ سو کیا ہے کستوری۔ کیا ہے کافور۔ کیا ہے عود المندل تروتازہ) اور وہ پانی جو کہ آپ کے انامل کے درمیان سے جاری ہوا تھا۔ مطلقاً تمام پانی سے افضل اور اس کے بعد آب زم زم افضل۔ کیونکہ شب اسریٰ آب زم زم سے قلب و سینہ مطہرہ سراللہ الاعظم کو دھویا گیا تھا۔ اگر زمزم سے افضل کوئی اور پانی ہوتا تو سرکار کے سینہ و قلب مبارک کے لئے اسی پانی کو استعمال کیا جاتا معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی باقی تمام پانیوں سے افضل ہے۔ غرض سراللہ الاعظم کے ہر ہر عضو مبارک کی افضلیت کا بیان ایک بحر نا پیدا کنار ہے اور عقل انسانی اس کے ورک سے حیران ہے۔ فقط اے مومن مسلمان اتنا یاد رکھنا کہ وجود سراللہ الاعظم ذات واجب الوجود کی جانب سے ایک عظیم ہدیہ اور تحفہ جسیمہ ہے۔ اور اس تحفہ و ہدیہ عظیمہ سے اعراض نہ کریگا مگر کافرو منافق۔ کما قال شیخ عطارؒ

انما انا رحمت مہدات گفت
خویشتن را خواجہ عرصات گفت

اللهم احفظ ایماننا بجاہ حبیبک الامی والحقنا باهل الحلم و الکرم ویز کینا من سوء الاخلاق والشیم ومک العصمت و التوفیق الی سواء الطریق۔ وبالله التوفیق

احباب ملت! سراللہ الاعظم کے ہر ہر عضو مبارک کی افضلیت کا بیان لکھتے وقت طبیعت میں ایک جو ولولہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی توضیح کے لئے کثیر دلائل و براہین سلک تحریر میں منسلک کروں لیکن کتاب طوالت پیش نہیں جانے دیتی اس لئے قلیل بلکہ اقل قلیل پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں ابھی ابھی حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث پاک احیاء والدین ماجدین سرور کونین کی شان میں ذکر کے آیا ہوں۔ اور اس حدیث پاک کو بعض علماء کرام نے موضوع کہا ہے مثلاً" ابالفرج ابن الجوزی وغیرہ۔ لیکن ا اجل مجدد مائۃ تاسعہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں تسلمح ابن الجوزی فی کتابه الموضاعات معروف نص علیہ الحدیث۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں مسامحہ کیا ہے اور یہ مسامحہ اس کا مشہور و معروف ہے۔ اور ا چشم پوشی پر آئمہ حدیث نے کافی مقامات میں گرفت کی ہے مثلاً" علامہ ابن صلاح۔ امام نووی۔ قاضی القضا بدرالدین ابن جماعۃ وغیرہم رضی اللہ عنا و عنہم آمین۔

تفصیل نصوص آئمہ حدیث

علامہ ابن صلاح نے جا بجا اپنی کتاب "علوم مشیرہ الیہ" میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "موضوعات" میں ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کہ یقیناً" بعض حسن، بعض ضعیف اور بعض صحیح ہیں ان احادیث کو ز موضوعات میں درج کر چکا ہے اور انکو موضوع کہہ چکا ہے۔ لیکن خود ابن جوزیؒ کے پاس ان کے موضوع ہو کوئی دلیل قاطع نہیں۔ یہی ہے ابن جوزی کی تسامح۔

اور امام نووی نے اپنی کتاب "تقریب" میں بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے اور حافظ زین الدین عراقی قصیدہ لامیہ میں فرماتے ہیں۔

واکثر الجامع نیہ اذاخرج
لمطلق الضعف اعنی ابالفرج

یعنی ابالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں جو کہ تقریباً" دو جلدوں میں ہے بعض احادیث اخراج موضوعات میں کیا ہے۔ حالانکہ وہ احادیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف وغیرہ ہیں۔ اور قاضی القضاۃ امام بدر محمد بن ابراہیم سعداللہ بن جماعۃ الکنانی شافعی متوفی ۷۳۳ھ نے اپنی کتاب (المنہل الروی فی الحدیث النبوی) م ارشاد فرمایا ہے کہ شیخ ابالفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بعض احادیث کو ضعیف لکھا ہے لیکن فی الحقیقت احادیث ضعیف نہیں بلکہ حسن و صحیح ہیں اور شیخ الاسلام عمر بن ارسلان سراج الدین بلقینی شافعی متوفی ۸۰۵

اپنی کتاب۔ "محاسن الاصلاح فی تحسین ابن صلاح" میں بعینہٖ مذکورہ بالا مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ اور صلاح الدین علائی ارشاد فرماتے ہیں کہ متاخرین علماء کرام کے لئے یہ امر نہایت دشوار ہے کہ کسی حدیث کے متعلق وضع کا حکم نافذ کرے کیونکہ کسی حدیث کو موضوع مطلقاً" نہیں کہا جا سکتا تاوقتیکہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع نہ کیا جائے اور اس کے متعلق کامل تفتیش نہ کی جائے۔

حدیث احیاء ابوین کریمین جس متن کے ساتھ کتب احادیث مبارک میں مذکور ہے اور پھر اس حدیث پاک کے راویوں کا حال کہ متہم با لکذب ہے یا نہیں یہ تفتیش کثیر قرائن کے بعد ایک حافظ متبحر کے لیے ممکن ہے اور جب کثیر قرائن بھی موجود نہ ہوں اور حکم نافذ کرنے والا حافظ متبحر بھی نہ ہو تو پھر تفتیش کیسے ممکن۔ اور چونکہ ابالفرج ابن جوزی اس رتبہ کے علماء اعلام سے نہیں اس لئے اس سے کثیر احادیث میں مسامحہ ہوا ہے۔ کہ اس نے بعض احادیث کو موضوع کہا اور حالانکہ وہ احادیث مطلقاً" موضوع نہیں بلکہ علم حدیث میں ان احادیث کو برائے حکم ذکر کرنا اشد ضروری ہے۔ اور ابن جوزی صحیح و حسن احادیث کو موضوع لکھ رہا ہے۔ **ھذا من الضرر والعظیم مالا یخفی**

اور متقدمین علماء اعلام جن کو رب تعالیٰ نے علم حدیث وغیرہ علوم میں تبحر فرمایا تھا اور وسعت علمی میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے علم حدیث کی تحقیق میں نہایت جانفشانی سے کام لیا اور تدقیق و تحقیق کے بعد انہوں نے احادیث میں جیسا جیسا حکم نافذ فرمایا وہ قابل تحسین و آفرین ہے لیکن اتنے دراز واردات الٰہی کے بعد بھی بعض احادیث کے متعلق انہوں نے ارشاد فرمایا ہے لا اصل لہ کہ اس حدیث کا اصل نہیں۔ حالانکہ تتبع کے بعد امر انکے ارشاد کے خلاف ثابت ہوا۔ **کما قال اللہ تعالیٰ وفوق کل ذی علم علیم** یعنی اللہ جلیل و جبار نے ہر ایک بلند و اعلیٰ عالم سے بلند درجہ اور اعلیٰ علماء کرام پیدا فرمائے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اعلیت کا بلند ہوتا ہوتا جناب سر اللہ الاعظم پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور سرکار کونین کی ذات پاک کے بعد ذات واجب الوجود کی شان ہے اور اس کی شان وہ خود ہی جانتا ہے۔ کسی ممکن میں جاننے کی مجال نہیں جیسے خود ارشاد فرماتا ہے **إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ" مُحِيطٌ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ" عَلِيمٌ** اور جیسے حضور والا ظہور فرماتے ہیں **لا احصی ثناء" علیک انت کما اثنیت علی نفسک** تو اگر وہ ذات واجب الوجود اپنے فضل و کرم سے کسی عالم ربانی کو مسائل مخفیہ پر مطلع فرماوے تو اس کے رحم و کرم سے کوئی بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔

تو حدیث احیاء ابوین کریمین کا علم گویا کہ متقدمین علماء کرام سے مخفی تھا۔ اور کشف فرمایا رب تعالیٰ نے متاخرین علماء کرام پر۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ** اور نیز علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ متقدمین علماء کرام نے بعض احادیث کے متعلق فرمایا ہے کہ ان احادیث کا اصل نہیں لیکن تحقیق کے بعد امر ان کے قول کے خلاف ثابت ہوا۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

اور نیز حافظ صلاح الدین علائی قول مذکورہ بالا کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حافظ کا اعتراض ابن جوزی پر مطلقاً" صحیح ہے کیونکہ موضوعات ابن جوزی میں ایسی احادیث ہیں کہ جن پر ترغیب و ترہیب میں استدلال جائز ہے۔

اور بعض احادیث تو مطلقاً" صحیح ہیں اور بعض آئمہ کرام نے جزماً" صحیح فرمایا ہے جیسے کہ حدیث صلواۃ التسبیح
علامہ محب الطبری فرماتے ہیں کہ حدیث صلواۃ التسبیح کی حدیث کو ابن جوزی کا موضوعات میں ذکر کرنا عظیم خطاء
ہے۔ اور ابن جوزی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ صحیح حدیث کو موضوعات میں شمار کرتا۔ کیونکہ حفاظ و محدثین رضی
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی تصانیف میں اس حدیث کو صحیح سند سے روایت فرمایا ہے اور جیسے حدیث قراءت
آیۃ الکرسی بعد از نماز کہ جس کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث پاک کو امام نسائی نے
صحیح سند سے روایت فرمایا ہے اور حافظ شیخ ابن حجر کی تو کئی تالیفات ایسی ہیں کہ جن میں ابا الفرج ابن الجوزی کی
کتاب "موضوعات" پر کئی مقامات میں اخراج احادیث کے بارہ میں سخت گرفت کی ہے جن میں سے ایک کتاب
(القول المسدد فی الذب عن مسند احمد) ہے نیز فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے ایک عجیب وغریب وطیرہ اختیار کیا ہے کہ
بعض احادیث مبارک کو موضوع کہہ دیتا ہے۔ حالانکہ وہ احادیث صحیحین میں موجود ہوتی ہیں اور یہ ابن جوزی کی
غفلت ہے جو کہ وہ کر چکا ہے۔ اور نیز شامی نے اپنی سیرت میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات
نے کافی تتبع کیا تو اس کتاب میں میں نے بکثرت احادیث ایسی پائیں جو کہ فی الواقع موضوع نہیں بلکہ وہ احادیث
اربعہ صحیح مستدرک وغیرہ کتب معتبرہ میں بسند صحیحہ موجود ہیں ان احادیث میں سے بعض ضعیف ہیں اور بعض حسن
اور بعض صحیح اور حدیث احیاء والدین شریفین میں کثیر آئمہ کرام نے ابن جوزی سے مخالفت فرمائی ہے کما سبق

اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک فی حد ذاتہ ضعیف ضرور ہے لیکن ضعیف حدیث کی روایت فضائل
اعمال و مناقب میں مطلقاً جائز ہے اور یہ ہے قول مفتی بہ اور اس قول پر جزم کرنے والے آئمہ کرام میں سے ایک
جم غفیر ہے۔ منجملہ ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات ہیں
حافظ ابوبکر خطیب بغدادی' حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی' حافظ ابوالحفص بن شاہین' حافظ ابوالقاسم سہیلی صاحب الروض
الفائق' امام قرطبی' حافظ محب الدین طبری' علامہ منیر' حافظ فتح الدین ابن سیدالناس وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہ
وعلیہم اجمعین۔

اور بعض علماء اعلام میں سے ایک عالم نے اسی حدیث مبارک کی طرف اپنی نظم میں اشارہ فرمایا ہے اس
کے ذکر کرنے کے بعد کہ جب حضرت حلیمہ سرکار کونین ؐ کی خدمت اقدس میں تشریف لائی تھی اور جو کچھ سرکار کونین
نے اپنی رضاعی والدہ کی قدرو منزلت فرمائی تھی۔ وقال

هذا جزاء الام عن ارضاعه — لكن جزء الله عنه عظيم
وكذالك ارجوان يكون لامه — عن فاكہ منته بهو نعيم
ويكون احيلها الاله وامنت — بمحمد فحديثها معلوم
فلربما سعلت به ايضا" كما — سعلت به بهذالشقاء حليم

یعنی سر اللہ الاعظم نے اپنی والدہ رضاعی کا جو حق خدمت ادا فرمایا۔ اور نہایت عظمت و توقیر کے ساتھ ان

اپنے پاس عالی مقام عطا فرمایا۔ یہ تو سرکار کونینؐ نے اس خدمت کا بدلہ مائی حلیمہ کو عطا فرمایا ہو کہ خوردسالگی میں اس نے سراللہ الاعظم کی خدمت اپنی جان سے بھی زیادہ کی تھی۔ اور مشرف بایمان ہونے کے بعد قیامت کے روز سرکار کونینؐ کی خاطر رب تعالیٰ مائی حلیمہ کو جو بدلہ و جزا عطا فرمائیگا وہ جزا تو شان خداوندی کے مطابق ہوگا۔

اور اسی طرح میں اللہ جلیل و جبار سے امید کرتا ہوں کہ سراللہ الاعظم کی والدہ حقیقی حضرت آمنہ بنت وہب کو بھی بخاطر سرکار کونینؐ رب تعالیٰ قیامت کے روز ایک عظیم اجر و منزلت عطا فرمائیگا۔ ہو کہ حضرت حلیمہ کی جزا سے بہت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے سراللہ الاعظم کی والدہ حقیقی کو حضور کی خاطر زندہ فرمایا۔ اور وہ تصدیق قلب سے کلمہ پڑھ کر مشرف بایمان ہوگئیں۔ اور یہ حدیث احیاء مشہور و معلوم حدیث ہے تو سرکار کونینؐ کی خاطر حضرت آمنہ نیک بخت ہوگئیں اور جنت کے مرغزار کی حقدار ہوگئیں۔ کہ جیسے حلیمہ شقاوت کے بعد سعیدہ ہوگئی اور رب تعالیٰ کے احسانات کی حقدار ہوگئی۔

اور حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی متوفی ۸۴۲ اپنی کتاب "موردالصادی فی مولدالهادی" میں، حدیث احیاء کے ایراد کے بعد اپنے اشعار میں ذکر فرماتے ہیں۔ قال

حباللہ النبی مزید فضل	علی فضل وکان بہ روفا"
فاحیا امہ و کذاباہ	لایمان بہ فضلا لطفا"
فسلم فالقدیم بہ قدیر	وان کان الحدیث بہ ضعیفا"

یعنی ذات واجب الوجود کی محبت سراللہ الاعظم کی ذات پاک کے ساتھ اس اندازہ پر ہے کہ ہر آن و ہر زمان میں فضل و رحم و کرم کی موسلادھار بارش اپنے حبیب کی ذات پاک پر نازل فرماتا رہتا ہے اور اپنے محبوب پر ازحد زیادہ روئف الرحیم ہے۔ اس رحم وفضل کی وجہ سے ذات مطلق نے آپ کی خاطر آپ کے والدین ماجدین کو زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر ہر دونوں مشرف بایمان ہوگئے اور پھر واپس عالم برزخ میں لوٹا دیئے گئے۔

اے مومن مسلمان اس قول احیاء کو حتماً" تسلیم کر" کیونکہ رب تعالیٰ احیاء موتیٰ پر قادر ہے اگرچہ اس احیاء کے بارے میں حدیث ضعیف مروی ہے۔

برادران اسلام مذکورہ بالا تقریر سے عیاں ہوا کہ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز ہے۔ جیسے کہ آئمہ اعلام نے تصریح فرمائی ہے کما سبق۔ اور اس حدیث پاک پر عمل سرکار کونینؐ کی خصوصیات سے ہے۔ کیونکہ کل انبیاء عظام کو رب تعالیٰ نے جتنے معجزات عطا فرمائے ہیں وہ تمام معجزات سرکار کونینؐ کے معجزات میں سے مستفاد ہیں۔ وہ کل معجزات آپ کے وجود مطہرہ میں موجود ہیں بلکہ اس سے لاکھوں زیادہ کما قیل

آنچہ ہناز ند بر آں دلبراں	جملہ تراهست زیادت بر آں

امام سہیلی و قرطبی فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے مطلقاً" دور نہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے سراللہ الاعظم کے والدین ماجدین کو زندہ فرمایا ہو کیونکہ ذات مطلق ہر ایک چیز پر قادر ہے اور احیاء و

ایمان والدین شریفین شرعاً و عقلاً ممنوع نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں صریح موجود ہے کہ عہد موسیٰ علیہ السلام میں جب ایک آدمی قوم بنی اسرائیل سے قتل کیا گیا تھا۔ اور پھر قاتل کا علم مطلقاً نہ تھا تو رب تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مقتول کو زندہ فرمایا۔ اور نیز حضرت عیسیٰ روح اللہ کے دست مسیحی پر رب تعالیٰ نے ایک جماعت مردوں کو زندہ فرمایا تھا۔

اور نیز ان لوگوں کا احیاء جو کہ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے باہر نکل گئے تھے۔

قال اللہ تعالیٰ فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم الایۃ اور نیز حضرت عزیز کے احیاء کا واقعہ **قال اللہ تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ (الایۃ)**

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ احیاء موتیٰ شرعاً و عقلاً جائز ہے فقیر نے ان واقعات کی طرف صرف اشارہ پر اکتفا کیا۔ تمام قصص تفاسیر میں دیکھئے۔ اسی طرح سراللہ الاعظم کے دست شفا پر رب تعالیٰ نے ایک جماعت کثیرہ اموات کو زندہ فرمایا تھا۔ اور واقعہ احیاء ابوین شریفین بھی ان میں سے ایک نظیر ہے اور جب احیاء موتیٰ کا مسئلہ ثابت ہوا تو بعد از احیاء والدین کریمین پر ایمان لانا کونسا مشکل امر ہے بلکہ نہایت سہل و آسان ہے اور یہ ان کی کرامت و فضیلت کی کامل نشانی ہے۔ اور احیاء موتی سرکار کونین کی خصوصیات سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات کا اہل پیدا فرمایا ہے کہ جس کو چاہیں زندہ فرمائیں اور یا جیسے چاہیں ویسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق عمل فرمائیں۔ اور احیاء موتی تو ایک معمولی سی چیز ہے۔ رب تعالیٰ نے سرکار کونین کو وہ فضیلت و کرامت عطا فرمائی ہے کہ جہاں تک انسانی عقل کام نہیں کرسکتی۔ یقول الفقیر

مرا بکوچہ جاناں رسید نست فقط ۔۔۔ کہ اندرون محل نیست عقل کارندہ

اور نیز امام سہیلی نے اپنی کتاب روضہ کے ابتدا میں نقل فرمایا ہے کہ ایک دن سرکار کونین نے حضرت فاطمۃ الزہرا سے ارشاد فرمایا **لو کنت بلغت معھم الکدی ما رایت الجنۃ حتی یراھا جدا بیک** حضور نے جدا بیک فرمایا۔ جدک نہ فرمایا تو اس حدیث سے صاف ثابت ہوا کہ والدین ماجدین یقیناً جنتی ہیں۔ اور اس حدیث کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی جانب تعرض کیا ہے۔ اور اس حدیث مبارک نے ما تقدمہ حدیث کو کامل تقویت بخشی۔ فافہم

اور علامہ ناصر الدین ابن منیر مالکی نے اپنی کتاب (**المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ**) میں ذکر فرمایا ہے کہ سراللہ الاعظم نے ایک کثیر جماعت موتیٰ کو زندہ فرمایا تھا۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے سرکار کونین کو کفار کے لئے استغفار پڑھنے سے منع فرمایا تو سرکار کونین نے دعا کی اور رب تعالیٰ نے آپ کے والدین شریفین کو زندہ فرمایا اور تصدیق قلب سے ایمان لائے۔ اور پھر مومنین کاملین واپس برزخ لوٹا دیئے گئے۔

اور امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سراللہ الاعظم کے فضائل و مناقب روز افزوں ترقی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں اور

ہر آن و ہر ساعت میں جو درجہ سرکار کونینؐ کو رب تعالیٰ کی جانب سے عطا فرمایا جاتا ہے وہ درجہ قبل کے درجہ سے ہزاروں درجے اعلیٰ و افضل ہوتا ہے تو احیاء والدین شریفین بھی ان احسانات و اکرامات سے ہیں۔ جو کہ ہر ساعت میں رب تعالیٰ آپ کو عطا فرماتا جا رہا ہے اور یہ عطا کسی حد پر جا کر رکے گی نہیں لا الی النھایت بڑھتی جائے گی۔

اور نیز فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں استغفار سے نہی وارد ہے یہ کہ ایک دن سرکار نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو خود بھی سرکار پر رقت طاری ہو گئی اور ماحول والے بھی رونے لگے۔ اور سرکار کونینؐ نے ارشاد فرمایا۔

استاذنت فی ان استغفرلھا فلم یوذن لی واستاذنت لی ازدو قبرھا فاذن لی فزوروالقبور فانھا تذکر کم الموت کہ میں نے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری والدہ کی معافی کے لئے استغفار پڑھنے کی مجھے اجازت فرما تو رب تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی تو پھر میں نے زیارت کرنے کی اجازت طلب کی تو رب تعالیٰ نے مجھے زیارت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

تو اے میری امت کے لوگو! قبروں کی زیارت ضرور کیا کرو کیونکہ زیارت قبور سے موت یاد آتی ہے اور غفلت دور ہو جاتی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں جو کہ استغفار سے منع وارد ہے تو یہ حدیث مبارکہ احیاء سے قبل کی حدیث ہے کیونکہ یہ واقع عام الفتح میں واقع ہوا۔ جیسے حدیث حضرت بریدہ میں ہے۔ اور احیاء والدین شریفین کا واقع حجتہ الوداع میں واقع ہوا حدیث عائشہ کی دلیل ہے۔ اس لئے علامہ ابن شاہین نے اس حدیث احیاء کو تمام اخبار ماتقدمہ کیلئے ناسخ مقرر فرمایا یعنی اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے تمام ماتقدمہ اخبار منسوخ ہو گئی ہیں اور اسی کا حکم قائم و نافذ رہا۔ (و ذالک حسن جلی)

اور احیاء والدین شریفین کا واقعہ رب تعالیٰ نے اتنا موخر کیوں کیا اس لئے کہ حجتہ الوداع کے دوران **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الایتہ** نازل ہوا کہ اے حبیب آج سے ہم نے دین کے کل قوانین و احکام پورے پورے آپ تک پہنچا دیئے اور آپ کے لئے دین کو کامل فرما دیا۔

تو چونکہ احیاء والدین شریفین کے لئے بھی کامل دین کا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اس واقعہ احیاء کو حجتہ الوداع تک موخر فرما دیا۔ اور جب دین کامل ہوا تو فورا" رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو زندہ فرمایا۔ اور سرکار کونینؐ نے ان کو کامل دین کی تلقین دے کر کلمہ توحید پڑھایا۔ اور تمام لوازمات دین متین کے عالم بننے کے بعد واپس برزخ میں مومنین کاملین لوٹا دیئے گئے۔ اور نیز ابن شاہین نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ ملیکہ کے صاحبزادے سرکار کونینؐ کی خدمت اقدس میں آ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری والدہ بڑی نیک تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں مہمان نوازی غریب پروری کرتی تھی۔ وہ جاہلیت کے زمانہ میں وفات پا گئی تھی تو اس کا عند اللہ کیا حال ہوگا۔

سرکار کونینؐ نے جوابا" فرمایا کہ تمہاری والدہ جہنم میں ہے۔ یہ بات ان پر شاق گزری اور اٹھ کر جانے لگے۔

سرکار کونین نے واپس بلایا اور ان کی تشفی کے لئے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہے۔ منافقین بیٹھے ہوئے تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ یہ جو اپنے آپ کو حبیب رب العالمین کہتا ہے اس نے اتنا منفعت اپنی والدہ کو پہنچایا جتنا منفعت ملیکہ کے صاحبزادے اپنی والدہ کو پہنچا سکے یعنی مقصود منافقین کا یہ تھا کہ جب سرکار کونین اپنی والدہ کو تکلیف سے نہیں بچا سکتا تو اور لوگوں کو کیا بچائے گا۔ اس بات کو انصار میں سے ایک نوجوان نے سنا۔ سرکار کونین ؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی۔ یا رسول اللہ کیا آپ کی والدہ یقیناً" جہنم میں ہے جیسے کہ منافقین کہہ رہے ہیں۔ جناب سر اللہ الاعظم ؐ نے جواباً" فرمایا **ما سألتهما ربي فيعطيني فيهما و اني لقائم المقام المحمود**۔ اور نیز اس حدیث مبارک کو حاکم نے اپنی کتاب (المستدرک) میں بھی روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث مبارک صحیح الاسناد ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس حدیث مبارک میں غور کرنے سے تین فوائد بر ملا معلوم ہوتے ہیں۔

فائدہ اول

یہ ہے کہ حضورؐ نے ملیکہ کے لڑکوں سے فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہے اور تتبع سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ حدیث احیاء والدین شریفین سے قبل کی حدیث ہے۔ اس لیئے احیاء والدین شریفین کا حدیث مبارک اس حدیث کے لئے ناسخ مقرر ہوا۔ اور یہ حدیث مبارک حدیث احیاء سے منسوخ ہوئی۔

فائدہ دوم

نیز انصاری جوان کے جواب میں حضورؐ پاک ؐ نے فرمایا کہ اگر میں اپنے والدین ماجدین کو اللہ تعالیٰ جلیل وجود سے مانگ لوں یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے جنت میں داخل ہونے کے لئے فیصلہ کروا لوں تو البتہ اللہ تعالیٰ ضرور میری خاطر ان کو جنتی بنا دے گا۔ ثابت ہوا کہ سر اللہ الاعظم ؐ جانتے تھے کہ وقت معینہ پر اللہ تعالیٰ میری خاطر میرے والدین کریمین کو ضرور زندہ فرمائے گا۔ اور وہ ضرور مشرف بایمان ہو کر جنت میں میرے ساتھ داخل ہوں گے۔

فائدہ سوم

یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم کا یہ عقیدہ تھا کہ سر اللہ الاعظم ؐ کو رب تعالیٰ نے اپنے قرب خاص میں ایک عظیم قدر و منزلت عطا فرمائی ہے اور رب تعالیٰ نے آپ کو وہ خصوصیات عطا فرمائی ہیں کہ جن کا اندازہ بشر سے ممکن نہیں۔ اس لئے صحابہ کے عقیدہ میں یہ جائز امر تھا کہ سرکار کونین ؐ کسی وقت ضرور والدین کریمین کو اللہ تعالیٰ سے بخشوالیں گے۔ اگر دنیا میں نہ ہوا تو قیامت کے روز مقام محمود میں کھڑے ہو کر ضرور اللہ تعالیٰ سے والدین شریفین کو معاف کروا کر جنتی بنا دیں گے۔ تو جب انصاری جوان نے سوال کیا تو سرکار کونین نے جواباً" فرمایا کہ

منافقین کو جلنے دو مقام محمود تو میرے لئے خاص ہے۔ مقام محمود میں کھڑے ہو کر جس کو چاہوں گا اللہ تعالیٰ سے معاف کروا لوں گا۔ اور جس کو نہ چاہوں گا ان کو رہنے دوں گا۔

فقیر کہتا ہے کہ اے دعوے کنندہ ایمان! سرکار کونینؐ کے عشق و محبت میں ظاہرا" و باطنا" فنا ہو جا اور باقی بعشق سرکار کونین ہو جا۔ تاکہ سرکار کونینؐ مقام محمود میں تیرے چاہنے والے ہو جائیں۔ اور سرکار کونین کے نہ چاہنے والوں سے ہر وقت پناہ مانگتا جا۔ کیونکہ جس کو سرکار کونین نے اپنے در سے راندہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی در نہیں۔

حاصل مطلب حدیث

یعنی سرکار کونین کا فی حد نفسہ۔ یہ کامل ارادہ ہے کہ جس نے بھی سرکار کونینؐ سے رابطہ و قرابت داری قائم کی یقیناً تمام کو اللہ تعالیٰ سے ضرور معاف کروا لیں گے۔ تو جب تمام عاشقین صادقین کے لئے یہ ارادہ ہے تو والدین کریمین کے لئے بطریق اولیٰ ہو گا اور یہ ہے عقیدہ حقہ (۲)

توضیع مقام:۔

اے طالب صادق جان تو کہ یہ مسئلہ تحقیق تک پہنچ چکا ہے کہ مائی حلیمہ اور اس کی اولاد تمام مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ابوین شریفین کو رب تعالیٰ نے زندہ فرما کر مشرف با ایمان فرمایا۔ اور نیز حضرت ابی طالب یا تو عندالموت ایمان لا چکے تھے جیسے کہ روایت ابن اسحاق میں موجود ہے اور یا اس کو بھی سرکار کی خاطر رب تعالیٰ نے زندہ فرمایا تھا اور ایمان لا کر مشرف با ایمان ہو گیا تھا تو یہ احادیث مبارکہ کہ جن کا اوپر ذکر ہوا یہ تمام قبل از احیاء کی ہیں۔ اور والدین کریمین اور عم اکرم کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ سرکار کونین کی خصوصیات سے ہیں تو **قول اللہ تعالیٰ۔ فما تنفعھم شفاعتہ الشافعین** پر منتقض نہیں ہوتا کیونکہ خصوصیات حکم سے رتبہ میں بالا و بلند ہوتی ہیں۔

ثابت ہوا کہ ابوین کریمین اور حضرت ابی طالب تمام زندہ ہو کر ایمان لائے اور کامل ایمان کے ساتھ دوبارہ عالم برزخ میں لوٹا دیئے گئے (فَخُذْ ہٰذَا)

قبل کی سطور میں جیسے کہ میں تحریر کر آیا ہوں کہ حضور فرماتے ہیں کہ جس نے بھی میری خدمت کی ہے اس کو اس کی خدمت ضرور نفع دے گی قلیل یا کثیر۔ اس کے ثبوت کے لئے ایک نظیر پر اکتفا کرتا ہوں۔ مثلاً":۔

ابو لہب جس کا کفر نص قرآنیہ سے ثابت ہے لیکن سراللہ الاعظم کی خاطر اس کو قعر جہنم میں سرد پانی کا پیالہ ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ ثوبیہ جو کہ ابو لہب کی لونڈی تھی جس رات سرکار کونینؐ نے برج آمنہ رضی اللہ عنہا سے طلوع و اجلال فرمایا تو ثوبیہ ابو لہب کے پاس دوڑ کر آئی اور کہا کہ میں آپ کو بشارت دیتی ہوں کہ حضرت آمنہ

تمہارے بھائی عبداللہ کے لئے غلام لائی ہے۔ ابو لہب نے جب ثویبہ سے بشارت سنی تو فوراً کہا جاؤ اس بشارت کی خوشخبری میں تو آزاد ہے۔ اور یہ ثویبہ وہ باندی ہے کہ سب دایوں سے قبل اس نے حضور کو دودھ پلایا تھا۔ اور سرکار کونینؐ کی ولادت مبارک لیل پیر کو واقع ہوئی تو ہر اس رات کو رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ابو لہب پر عذاب خفیف فرما دیتا ہے اور ایک پیالہ پانی یخ کا بھی اس کو عنایت فرماتا ہے۔ اور مواہب میں ہے کہ جب ابو لہب وفات پا گیا تو کسی نے عالم خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا' ابو لہب نے جواباً" کہا کہ آگ جہنم میں سخت تکلیف میں گرفتار ہوں لیکن ہر پیر کی رات کو ایک پیالہ سرد پانی کا رب تعالیٰ کی جانب سے عنایت ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ جس رات سرکار کونین کا ظہور مبارک ہوا تھا تو ثویبہ نے مجھے بھتیجے کی خوش خبری سنائی اور میں نے اس کو اس خوشخبری کے عوض میں آزاد کیا تھا۔ اس لئے حضور کی خاطر رب تعالیٰ ہر پیر کی رات کو سرد پانی کا پیالہ عنایت فرماتا ہے۔

دیکھا آپ نے یہ ایک کافر کو اس کی خدمت کا بدلہ و عوض عنایت ہو رہا ہے تو جو مومن مسلمان عشق و محبت سرکار کونینؐ میں سرشار ہو اور جانی مالی تمام قسم کے ایثاروں سے گریز نہ کرتا ہو تو اگر رب تعالیٰ اس کو جنت کے باغات و محلات کا مالک و بادشاہ بنا دے تو اس رب قدوس کے رحم و کرم سے بعید نہیں بلکہ نہایت قریب ہے۔ یہ خدمت ہی کا بدلہ ہے جو کہ ابو لہب کو ملا اور جنہوں نے خدمت نہیں کی وہ کل محروم ہیں جیسے کہ ہشام کا حال گذر گیا وغیرہ کیونکہ جنہوں نے بعثت کا زمانہ پایا اور ایمان نہ لائے وہ تمام ہلاک ہوئے۔ (۲)

حکایت

عبداللہ بن جدعان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا اور جوانی کی حالت میں نہایت شریر و نامراد تھا اور جنایات کرتا رہتا تھا۔ تو جنایات کا عوض اس کے والد اور قبیلہ والوں کو ادا کرنا پڑجایا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ان حرکات سے تمام تنگ آگئے۔ اور سب نے اس کو مبغوض جانا اور سبھی نے اس کو برا کہنا شروع کیا۔ تو جب اس نے اپنی زندگی کو برباد دیکھا۔ اور اپنی زندگی کو باعث بے عزتی سمجھا تو ایک دن شعاب مکہ مکرمہ میں نکل کر اپنی موت کے اسباب ڈھونڈ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنے آپ کو نیچے گرا دے۔ اور اس ترکیب سے اپنی زندگی کو ختم کر دے۔ چنانچہ جب یہ پہاڑ کے درہ سے ہوتا ہوا اوپر کو چڑھ رہا تھا تو دور سے ایک غار نظر آئی اور اس غار کے دروازہ پر یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کہ ایک اژدھا بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کی دونوں آنکھیں روشن سراج کی مانند نظر آتی تھیں۔ عبداللہ بن جدعان نے جب اس اژدہا کو دیکھا تو فوراً" پیچھے کو پلٹا۔ دور جا کر پھر دیکھتا رہا لیکن" اژدہا اپنے مقام سے حرکت نہیں کرتا تھا۔ غرض بار بار نزدیک سے آکر دیکھتا جائے اور گمان کرے کہ یہ واقعی اژدہا ہے تو خوف کی وجہ سے پھر واپس لوٹ جائے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن جدعان کے گمان میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ اژدہا نہیں ہے بلکہ یہ مصنوعی اژدہا بنایا گیا ہے تو فوراً" قریب چلا گیا اور اپنے ہاتھ سے اسکو پکڑ لیا۔ (فاذا ہو من ذہب) تو دیکھا

کیا ہے کہ وہ اژدہا جو دور سے اژدھا نظر آرہا تھا وہ سونے سے بنایا ہوا اژدہا کی شکل کا ہے۔ ز دونوں آنکھیں روشن سراج کی مانند جو نظر میں تھیں وہ دو یا قوت بیش بہا قیمت والے تھے۔ تو عبداللہ بن جدعان نے اسکو توڑ دیا اور محل کے اندر داخل ہوا کہ جسکے دروازہ پر یہ جبان موجود تھا۔

اس محل میں بہت سے رجال بادشاہوں سے مردہ اپنے اپنے تختوں پر پڑے ہوئے پائے اور نیز اس محل میں اسکو بہت زیادہ دولت ملی یاقوت۔ زبرجد۔ سونا چاندی۔ موتی وغیرہ اموال قیمیہ سے۔ تو جو مال اس وقت اپنے ساتھ اٹھا کر لا سکتا تھا لایا اور پھر اس غار کا نشان اپنے ذہن میں قائم کیا وقتاً" فوقتاً" جاتا اور وہاں سے مال اسباب اٹھا کر گھر لاتا۔ یہاں تک کہ تمام خزانہ وہاں سے اپنے گھر میں منتقل کر لیا اور نیز اس نے وہاں پر ایک تختہ رخام کا بنا ہوا دیکھا کہ جس پر یہ کلمات مرقوم تھے۔

"میں بادشاہ نفیلہ بن جرہم بن قحطان بن ہود نبی اللہ کا لڑکا ہوں اور دار دنیا میں پانچ سو سال تک زندگی بسر کی اور طبقات زمین کو ظاہراً" و باطناً" مال و دولت۔ جاہ و عزت و سلطنت مملکت کے لئے قطع کیا۔

فلم یکن ذالک منجینا من الموت

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست	ز دنیا وفاداری امید نیست
نہ برباد رفتی سحرگاہ شام	سریر سلیمان علیہ السلام
باخر بدیدی کہ برباد رفت	خنک آنکہ باد انش و داد رفت

تو اس عظیم الشان خزانہ کے مل جانے سے عبداللہ بن جدعان نے وہ مال جو کہ اس کے والد ماجد اور عشیرہ والوں نے اس کے جنایات میں ادا کیا تھا تمام کو دگنا واپس کر دیا۔ اور آئندہ کے لیے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ فقیر۔ مسکین۔ محتاج وغیرہ کو اس خزانہ سے نفقہ ادا کرتے رہنا بلکہ اکثر یتامیٰ ارامل کے لئے وظائف مقرر کر دیئے۔ اور جاہلیت کے زمانہ میں امر بالمعروف کرنا اور ناشائستہ افعال و اقوال سے لوگوں کو منع کرنا۔ اور کار خیر میں پیش پیش حصہ لینا اور مہمان نوازی مسافر نوازی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ایک جفنہ تھا کہ جس میں سے اونٹ سوار اپنے اونٹ پر سوای کی حالت میں کھانا کھا سکتا تھا۔ اور ایک مرتبہ ایک لڑکا اس جفنہ میں گر گیا۔ اور شور' میں غوطے کھاتا ہوا مر گیا۔ یہ تھی عبداللہ بن جدعان کی سخاکی حالت کہ تمام اہل عرب اور امیر و غریب۔ شریف و وضیع تمام اس کے لئے دعا خواں تھے۔

احباب ملت یقیناً سخاکی وجہ سے رب تعالیٰ احسانات کرامات الطافات از درغیب خود نازل فرماتا ہے۔ بشرطیکہ ایمان باللہ و بالرسول اللہ لایا ہوں تو دارین میں وہ انسان رب تعالیٰ کے عظیم کرامات کا مستحق ہو جاتا ہے **قال اللہ تعالیٰ۔ وما انفقتم من شئی فھو یخلفہ۔ فی المثنوی**

گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند	دو فرشتہ خوش منادی مے کنند
کای خدایا منفقاں راسیر دار	ہر درم مشانرا عوض دہ صد ہزار

کنون بر کف دست نہ ہر چہ ہست | کہ فردا بدنداں گزی پشت دست
مگر وان غریب از دات بے نصیب | مبادا کہ گردی بدرہا غریب
نہ خواہندہ بر در دیگراں | بشکراں خواہندہ اس در مراں
پریشان کن امروز گنجینہ چست | کہ فردا کلیدش نہ در دوست نست

دیکھا آپ نے کہ فطرت میں وفات پانے والے انسان کا عمل نیک عند اللہ ضائع نہیں بلکہ اس نیک عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے رحم کے دریا میں غوطہ لگا رہا ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ اے مومن مسلمان ہر وقت اللہ جلیل و جبار کی یاد کو مونس رکھ۔ کیونکہ اسی انس سے انس ت حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کی یاد سے ہمہ فانی اشیاء کی یاد دل و دماغ سے دور ہو جاتی ہے۔ (۲)

حکایت

حضرت شبلی علیہ الرحمتہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ زارو قطار رو رہی ہے اور یوں کہہ رہی ہے **واویلاہ من فراق ولدی** حضرت شبلیؒ نے جب اس عورت کے ان کلمات کا سنا تو آپ بھی زارو قطار رونے لگے۔ اور یوں فرمانے لگے۔**واویلاہ من فراق الاحد** اس عورت نے جب حضرت شبلیؒ کے کلمات کو سنا تو رونا بند کر دیا۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ آپ ایسے کلمات کیوں فرما رہے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے جواباً" فرمایا کہ اے نادان تو فراق مخلوق میں واویلا کرتی ہے۔ حالانکہ مخلوق لا محالہ فانی ہونے کے لئے پیدا شدہ ہے اور یقیناً" آج نہیں تو کل ضرور فنا ہونگے۔ تو اے نادان عورت جب تو مخلوق کے فراق میں زار زار روتی ہے تو میں فراق خالق میں جو کہ ہر آئینہ باقی ہے کیوں گریہ نہ کروں۔ کیونکہ یہ نار بعد اور عذاب الیم ہے۔ کما قیل

فرزند یاد چونکہ . میرند عاقبت | اے دوست دل مبعند بجزحی لایموت

رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھ فقیر مسکین کم استعداد کو اور تمام احباب مخلصین کو نار بعد اور عذاب الیم سے بچائے۔ اور شوق دائم اور نعیم مقیم نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ -----(۲)

احیائے ابوین کی احادیث مبارکہ

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نزل الحجون کیبا" حزینا" فاقام بہا ماشاء اللہ عزوجل ثم رجع مسرورً" اقال سالت ربی فاحیالی امی فامنت بی ثم ردھا(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

(ترجمہ) امام طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روائیت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے بموقع حج الوداع کے حجون قبرستان مکہ معظمہ میں نزول فرمایا۔ دورانحالیکہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے حد غمگین و حزین تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ تک وہاں اقامت اختیار کی۔ جس قدر خداوند کریم کو منظور تھی۔ پھر جناب رسالت ماب علیہ التحیۃ والصلوٰۃ نہایت خوش و خرم میرے پاس تشریف لائے۔ فرمایا۔ اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں نے اپنے پاک پروردگار سے سوال کیا۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے میری والدہ ماجدہ کو زندہ کر دیا۔ اس نے میری نبوت و رسالت کی دعوت کو صدق دل سے تسلیم کر لیا۔ پھر فوت ہو گئیں

(مواہب لدنیہ ص ۳۳' ثبت بالسنۃ ص ۲۷۱' التعظیم والمنۃ سیوطی ص ۴)۔

۲۔ شارح مواہب لدنیہ امام زرقانی فرماتے ہیں۔ کہ مندرجہ ذیل حدیث شریف کو حضرت امام قرطبی اور طبری اور امام جلال الدین سیوطی اور خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔ امام حافظ الحدیث عمر بن محمد بن عثمان بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔

قالت حج بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فمر بی علی عقبۃ الحجون وھو باک حزین مغتم فبکیت بکاء بیکاء ثم انہ نزل فقال یا حمیرا استمسکی فاستندت الی جنب البعیر فمکث ملیا" ثم عادالی وھو فرح متبسم فقال ذھبت الی قبر امی فسالت ربی ان یحییھا فاحیاھا فامنت بی(زرقانی علی المواہب ص ٦٦' ج ا' زادالبیب ص ۲۳۷ قلمی مواہب لدنیہ ص ۳۳ ج ا مصری ماثبت بالسنۃ)

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میرے ہمراہ حج بیت اللہ شریف کا ارادہ کیا۔ جب آپ نے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفا" کے گورستان پر گزر کیا۔ اس وقت حضورؐ پر نور تاجدار مدنی فداابی وامی گریہ وزاری اور غمنا کی حالت میں تھے میں خود جناب کی گریہ و زاری کو دیکھ کر رو پڑی۔ حضور اپنی سواری سے نیچے اترے فرمایا۔ اے عائشہ سواری کی باگ روک لے۔ میں اپنی ناقہ کو بٹھا کر اس کے پہلو سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ وہاں کچھ مدت ٹھہر کر واپس تشریف آور ہوئے۔ آپ بے حد خوش و خرم اور ہنس رہے تھے فرمایا میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر گرامی پر گیا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا یا رخدا۔ میری والدہ گرامی کو از سر نو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعاء سے ان کو زندہ کر دیا۔ اور اس نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔(۱)

فائدہ

ان احادیث کو پڑھ کر اور سن کر مخالفین موضوع وضعیف کا چکر چلا دیتے ہیں۔ لیکن اسلام کا شیدائی ان کے چکر میں اس لئے نہیں آتا کہ اسے علم ہے کہ یہ جملہ امور ممکنات میں سے ہے بلکہ ایسے واقعات پہلے ہو چکے۔ اور اولیاء کرام میں بھی اس طرح کے واقعات ہوئے تو پھر سب کے آقا اور امام حضرت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لئے انکار کیوں؟

۳۔ تفسیر روح البیان ص ۷۴۴ جلدا' بحوالہ تذکرہ امام قرطبی روائیت کی ہے:۔

ان عائشہ رضی اللہ عنہا قالت حج بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ثم انہ نزل فقال یا حمیرا (ای عائشہ) استمسکی (ای زمام الناقۃ) فاستندت الی جنب البعیر فمکث عنی طویلا" ثم عاد الی وھو فرح متبسم قالت فماذا یا رسول اللہ فقال ذھبت الی قبرا می امنۃ فسالت اللہ ان یحیھا فا حیاھافامنت۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے ساتھ بیت اللہ شریف کا حج کیا پھر حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے حجون (قبرستان مکہ معظمہ) پر خیال فرمایا۔ کہا اے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مہار کو روک لے۔ یعنی اپنی سواری کو بٹھا کر اس کے پہلو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کچھ مدت تک وہاں قیام کیا پھر نہایت خوش و خرم واپس تشریف لائے اور خوشی کی وجہ سے ہنس رہے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ اس خوشی کا کیا مطلب اور کیا سبب ہے؟ فرمایا اے عائشہ میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ خاتون کی قبر شریف پر گیا تھا۔ اور میں نے رب العزت سے سوال کیا۔ کہ بار خدایا میری والدہ محترمہ کو زندہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو زندہ کردیا۔ تو آپ نے میری نبوت و رسالت کو تسلیم کرلیا۔ پھر فوت ہو گیئں۔

(۴) نشر العالمین للسیوطی اور حافظ ابوبکر خطیب بغدادی نے کتاب السابق واللاحق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

قالت حج بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم حجۃ الوداع فمر بی علی عقبۃ الحجون و ھو باک حزین فبکیت ببکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ثم نزل فقال یا حمیرا استمسکی فاستندت الی جنب البعیر فمکث عنی طویلا" ثم انہ عاد الی و ھوفرح متبسم فقلت لہ بابی وامی یا رسول اللہ نزلت من عندی انت باک حزین فبکیت ببکائک ثم عدت الی و انت متبسم فماذا یا رسول اللہ قال ذھبت الی قبر امی فسالت اللہ ان یحیھا فاحیاھا فامنت بی ثم ردھا۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ص ۱۷۰ ج ۱)۔

ترجمہ۔ شارح صحاح ستہ امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے میرے ساتھ حج حجۃ الوداع ادا کیا۔ جب گورستان مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاء پر گزر کیا آپ بے حد غم ناک اور گریہ زاری میں مبتلا تھے۔ مجھے خود آں حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حالت گریہ زاری کو دیکھ کر رونا آگیا۔ آپ اپنی سواری سے نیچے اتر پڑے۔ فرمایا۔ اے

عائشہ! اپنے اونٹ کی مہار روک لو۔ میں اونٹ کو بٹھا کر اس کے پہلو سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔ آپ نے عرصہ دراز تک وہاں قیام کیا۔ جب واپس لوٹے تو حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوش و خرم اور متبسم تھے میں نے استفسار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین گرامی حضور پر نور پر قربان و نثار ہوں۔ آپ میرے پاس سے غمناکی کی حالت میں تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ کی غمگینی سے متاثر ہو کر رونے لگی۔ اس خوشی کا کیا سبب ہے؟ فرمایا میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر گرامی کی زیارت کرنے گیا تھا۔ میں نے باری تعالیٰ سے سوال کیا۔ بار خدایا! اس کو زندہ کر دے۔ وہ خدا کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو گئیں وہ مجھ پر ایمان لا کر دوبارہ فوت ہو گئیں۔ (۱)

فائدہ۔

مجدد مائۃ عاشر حضرت امام جلال الدین سیوطی نوراللہ مرقدہ الدرج المنیفہ ص نمبر ۷ بعد ذکر حدیث ہذا رقمطراز ہیں کہ روایت کیا اس حدیث کو ۱ خطیب بغدادی نے کتاب السابق و واللاحق میں' اور ۲ محدث دار قطنی اور ابن عساکر نے غرائب ۳ امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں اور ۵ امام محدث ابو حفص بن شاہین نے کتاب الناسخ والمنسوخ میں اور ۶ محب طبری نے سیرت نبوی میں'۷ امام سہیلی نے روض الانف میں' اور ۸ امام قرطبی نے تذکرہ میں' اور ۹ ابن منیر اور فتح الدین الدمشقی نے اور دوسرے اہل علم حضرات نے جیسے صلاح الدین صفدی اور حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی نے اپنے ابیات میں ذکر کیا ہے۔۔

وجعلوہ ناسخا لما خالفہ من الاحادیث المتاخرہ ولم یبالوا الضعفہ لان الحدیث الضعیف یعمل فی الفضائل والمناقب

اور اس حدیث شریف کی دوسری تمام مخالف حدیثوں کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔ اور اس بارہ میں ضعف اسناد کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ جمہور علماء کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک فضائل اور مناقب میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

(ف)

امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف ایک درجن آئمہ و علماء و مشائخ کے اسمائے گرامی لکھے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ درجنوں تصانیف اور آئمہ و علماء مشائخ کے اسماء عرض کریں گے۔ (تفسیر ۵) روح البیان ص ۲۷ ج جلد 1 میں امام الشیخ مولانا اسماعیل صاحب حقی مصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بکی بکا شدید" اعند قبر امہ و غرس شجرتہ یا بستہ قال ان اخضرت لھو علامتہ لامکان ایمانھما فا خضرت ثمہ خرجا من قبرہ ببر کتہ دعاء النبی صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم و

اسلما واو تحلا

مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ شریفہ کی قبر گرامی پر بے حد گریہ وزاری کی۔ اور ایک خشک درخت لے کر والدہ ماجدہ کی قبر کے نزدیک زمین میں گاڑ دیا اور اپنے قلب گرامی میں گمان کیا۔ اگر یہ درخت قدرت ربانی سے سرسبز و شاداب ہو گیا تو یہ میرے والدین شریفین کے قبول اسلام کی علامت ہو گی۔ پھر وہ درخت خدا کی قدرت سے فوراً ہرا بھرا ہو گیا۔ اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین گرامی حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دعا سے زندہ ہو گئے اور دعوت اسلام حقانی کی قبول کرنے کے بعد وفات پا گئے (۵)۔

ازالۂ توہمات

ان احادیث کو پڑھ سن کر منکرین خود تو توہمات کی مار میں ہیں۔ دوسرے اہل اسلام کو بھی اوہام میں پھنسا دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اس سے انکار نہیں کہ بحیثیت معجزہ از نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور بحیثیت قدرت قادر قدیر بعید از ... نہیں۔ حضرت جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا۔

یفعل اللہ ماشاء را خواندہ　　پس چرا اندر تحیر ماندہ!

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعاست!　　نائب ست او دست اودست خداست

گفتہ او گفتہ اللہ بود!　　گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

اور حضرت امام سہیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روض الانف میں بعد احیاء ابوین شریفین کے تحریر فرماتے ہیں:۔

واللہ قادر علی کل شی لیس رحمتہ وقدرتہ تعجز من شی ونبیہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اہل بما یختص بما شاءاللہ من فضلہ وینعم علیہ من نعمتہ

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت عامہ اور قدرت کاملہ کسی چیز کی محتاج نہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی اس بات کی مستحق ہے کہ پروردگار عالم کی ذات گرامی اپنی خصوصی نعمتوں سے جو نعمت چاہے اپنے حبیب رحمتہ للعالمین سید الاولین والاخرین خاتم الانبیاء والمرسلین (**علیہ افضل الصلوات والتحیات**) کو عطا کرے۔ کیونکہ وہ قادر مطلق ہر ایک شے کا خود مختار و مالک ہے۔

توہم :۔ مخالفین کہا کرتے ہیں کہ نہ ہمیں قدرت قدیر سے انکار ہے اور نہ ہم معجزات کے منکر ہیں۔ ہمیں اختلاف صرف اس لئے ہے۔ کہ حدیث احیاء الابوین موضوع ہے۔ چنانچہ رسائل اصول حدیث میں ہے کہ کہ بعضے گفتہ اند۔ کہ ایں حدیث نیست زیرا کہ ابن جوزی اور اور موضوعات شمردہ و فرمود کہ در سندوے احمد بن داؤد است ووے متروک الحدیث وکذاب است۔ ابن حبان گفتہ کہ وضع میکرد حدیث را۔ بعض علماء کرام نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شریف صحیح نہیں ہے جو متروک الحدیث ہے اور کاذب۔ ابن حبان نے کہا

ہے۔ کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔

ازالہ

سید احمد حموی شارح الاشباہ والنظائر ص ۵۴۳ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

فان قلت الیس الحدیث الذی ورد فی احیاءھما موضوعا" قلت زعمہ بعض الناس الا ان الصواب انہ ضعیف ولقد قال الحافظ ناصر الدین الدمشقی حیث قال بنہ

حبا اللہ النبی مزید فضل	علی فضل فکان بہ رؤفا
فاحیا امہ و کذا ابوہ	لایمان بہ فضلا لطیفا
مسلم فالا لہ بہ قدیر"	وانکان الحدیث بہ ضعیفا"

اگر تو یہ بات کہے۔ کہ حدیث احیاء ابوین شریفین کی موضوع ہے۔ سید احمد حموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں۔ یہ صرف بعض بے شعور اور نافہم لوگوں کا اپنا وہم و گمان ہے۔ کیونکہ قابل قبول و اقرب الی الصواب یہ بات ہے۔ کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ہرگز موضوع نہیں ہے دیکھو حافظ امام ناصرالدین دمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا حضور پر نور کی ذات گرامی سے محبت و پیار کرنا آپکی فضیلت اور نہایت بزرگی کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر بے حد مہربان ہے اس نے تاجدار مدنی کے والدین گرامی کو حصول دولت ایمان وایقان کے لئے از سرنو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ بڑی بھاری بزرگی کی نشانی ہے۔ تو اس بات کو (یعنی احیاء ابوین اور قبول اسلام کو) صدق دل سے مان لے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے اگرچہ اس بارہ میں حدیث ضعیف مروی ہے۔ یہ ابیات نص قوی ہے۔ کہ حدیث شریف ضعیف ہوگی۔ ہرگز موضوع نہیں ہے۔" حدیث ضعیف حجت اور قابل استدلال تصور ہوگی چنانچہ اصول حدیث میں یہ قاعدہ مشہور ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

مجدد مائتہ عاشرۃ حاوی جمیع اصول و فروع جامع معقول و منقول حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقالہ سندہ ۵ تحریر فرماتے ہیں:-

وکان مستسب من المعجزات والخصائص انہ احیاھما حتی امنا بہ ابو بہ وماذال اھل العلم والحدیث فی القدیم والحدیث یردون ھذا الخبر ویروون بہ ویشرون و یجعلونہ فی عداد الخصائص والمعجزات ویدخلونہ فی المناقب والکرامات ویرون ان ضعف الاسناد فی ھذا المقام معفون وبر انما ضعف فی الفضائل و المناقب معتبر

(ترجمہ)۔ اور جو چیز معجزات اور خصائص سے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ ان میں سے احیاء ابوین شریفین اور ان کے قبول اسلام کا واقعہ ہے۔ ہمیشہ اہل علم حضرات اور محدثین کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین گروہ بیچ زمان گزشتہ اور عہد حاضرہ کے اس حدیث شریف کی روایت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس بات کے اظہار سے خوش ہوتے ہیں۔ اور عوام الناس کے درمیان اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ اور ہرگز اس کو مخفی نہیں کرتے۔ اور اس بات کو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص اور معجزات سے شمار کرتے ہیں۔ اور آپکے مناقب اور فضائل میں درج کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اس بارہ میں سند کا ضعیف ہونا معاف ہے۔ کیونکہ فضائل اور خصائص نبوی میں ضعیف حدیثوں سے احتجاج کرنا اور جمہور اہل حدیث کے نزدیک معتبر اور قابل اعتماد ہے۔

شیخ محقق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی جلد اول ص ۷۱۸ پر رقمطراز ہیں:-

حدیث احیاء والدین اگر چہ درقدر خود ضعیف است ولیکن تصحیح و تحسین کردندہ اند بتعدد طرق۔

(ترجمہ)۔ یعنی حدیث شریف احیاء ابوین شریفین کی اگر چہ بہ لحاظ اسناد ضعیف ہے لیکن علماء کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم نے اس کو بواسطہ تعدد طریق (طرق) حدیث کے صحیح اور احسن تصور کیا ہے۔

ایک اور حوالہ

زاد اللبیب ص ۲۳۶ میں ہے

وحدیث الاحیاء ان کان فی حد ذاتہ ضعیفا" لکنہ صححہ بعضھم لبلوغہ عندہ درجۃ الصحۃ و متعددطرقہ وھذا العلم کان مستورا" من المتقدمین فکشفہ علی المتأخرین واللہ یختص برحمتہ من یشاء

حدیث احیاء ابوین شریفین اگر چہ سندا" ضعیف درجہ کی ہے۔ لیکن علماء نے اس کو صحیح تصور کیا ہے۔ بوجہ پہونچنے درجہ صحت تک اور بواسطہ تعدد طرق حدیث کے۔ گویا یہ علم متقدمین پر پوشیدہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علمائے متاخرین پر اس راز مخفی کو کھول دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ اپنے سے بمقام خیبر خورشید عالمتاب کو بعد غروب ہونے کے الٹا پھیرا تھا یہاں تک کہ سیدنا و مرشدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی نماز عصر ادا کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اعادہ خورشید و تجدید وقت نماز سے بعد قضاء ہونے نماز کے ادائیگی نماز کی کرامت عطا کی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کے ابوین شریفین کو زندہ کیا۔ اور قبول ایمان کی کرامت عطا کی ہے۔

فوائد

۱۔ مذکورہ بالا بیانات اور امام شامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر سے صاف عیاں ہے۔ کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین گرامی کا ان کی وفات شریف کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور ایمان لانا بالکل حق بات ہے۔ جو حدیث سے ثابت ہے۔ یہ فضیلت اور کرامت حضور پر نور کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ کہ خلاف قواعد شرعیہ کسی کو بعداز وفات زندہ کرکے دولت ایمان سے مشرف کیا ہو فقط یہ منصب جلیلہ اور فضیلت عظمیٰ محض ہمارے آقا نامدار سید عالی وقار حبیب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئی ہے۔ اور یہ صرف اور صرف رسول اکرم حبیب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بے شمار خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور معجزات میں سے ایک معجزہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص اور معجزات کا انکار محرومی اور بدقسمتی اور بدبختی کی نشانی ہے۔

۲۔ ابوین شریفین کی حدیث عندالعلماء بالکل صحیح قابل قبول ہے۔ جس کی تصدیق و تصحیح جلیل القدر امام قرطبی اور ابن ناصرالدین دمشقی محدث فضل سے مخصوص کرتا ہے۔

شامی نے فرمایا

ردالمختار و شرح در مختار مطبوعہ مصر ص ۲۹۸ جلد اول میں علامہ زماں فقیہ دوران مولانا ابن عابدین شامی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

الا ترى ان نبينا صلى الله عليه و اله وسلم قد اكرمه الله تعالى بحياة ابويه له حتى امنابه كما فى الحديث صححه القرطبى و ابن ناصر الدين دمشقى فانتفعا بالايمان بعد الموت على خلاف القاعدة اكراما لنبيهم صلى الله تعالى عليه وسلم و صح ان الله تعالى رد عليه الشمس بعد مغيبها حتى صلى على كرم الله تعالى وجهه العصر فكما اكرم بعود الشمس و الوقت بعد فواته فكذالك اكرم بعود الحيات و الوقت الايمان بعد فواته

(ترجمہ) کیا تو اس بات کو نہیں جانتا کہ رسول کریم و بالمومنین رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ و السلام کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ کرامت عطا کی ہے کہ آپ کے والدین گرامی کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے صحیح تسلیم کیا اس کو امام قرطبی اور ابن ناصرالدین دمشقی نے پس ان کا مرنے کے بعد دولت ایمان سے مشرف اور فائدہ مند ہونا بر خلاف قواعد شرعی کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی فضیلت اور کرامت کی نہایت زبردست دلیل ہے اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور کی دعا

نے کی ہے جیسا کہ ہم نے آئمہ حدیث کی تصریحات عرض کر دی ہیں۔

(۳) اگرچہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی دعا سے آپ کے ابوین کو ہر طرح کے مراتب و مناصب عطا ہو سکتے تھے کیونکہ مانگنے والا محبوب اور دینے والا مالک لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ سلم کے بیک وقت کئی معجزات کا ظہور ہو اس کی نظیر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کی ادائیگی کا مسئلہ ہے کیونکہ خود خورشید سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ آپ کی نماز بالکل وقتی طور پر صحیح ادا ہوئی ورنہ بصورت عدم قبول کے آپ قضاء کر سکتے تھے تو پھر اس لحاظ سے ابوین شریفین کا بعد از وفات زندہ ہونا اور ایمان لانا بالکل صحیح اور قابل قبول ہو گا اللہ تعالیٰ کی ذات ہر شئے پر قادر ہے

توہم

فقہاء کرام کا مسلم قاعدہ ہے کہ **من مات کافرا لا ینفعہ الایمان بعد الرجعۃ بل لو امن عند المعاینۃ لم ینفعہ لکیف بعد الاعادۃ**

(ترجمہ) جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو گیا پھر اس کو عود الی الدنیا اور ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ اگر کوئی شخص نزدیک معائنہ کرنے عذاب آخروی کے ایمان قبول کرے جس کو ایمان یاس کہتے ہیں کچھ فائدہ نہیں دیتا تو پھر بعد حیات ثانی کے کیونکر قبول اور فائدہ مند ہو گا

ازالہ

مواہب اللدنیہ ص ۳۳ مطبوعہ مصری جلد ۱ زرقانی جلد اول مطبوعہ مصری ص ۱۷۰ **قولہ من مات کافرا لخ کلام مردود بما روی فی الحیوان اللہ تعالی رد الشمس علی نبیہ صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم بعد مغیبہا ذکرہ الطحاوی وقال انہ حدیث ثابت فلو لا لم یکن رجوع الشمس نافعا" و انہ لا یتجدد بہ الوقت لما ردھا علیہ لکنا یکون احیاء ابوی النبی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نافعا" لایمانہما و تصدیقہما بالنبی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم**

امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے قول قائل کہ من مات لم ینفعہ الایمان کلام مردود ہے کیونکہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر چھپ جانے کے بعد سورج کو الٹا پھیرا تھا روایت کیا اس کو امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے معانی الآثار میں اور کہا یہ حدیث شریف بالکل قابل اعتماد ہے اگر اعادہ آفتاب سے تجدید وقت نماز عصر کا صحیح نہ تھا تو پھر اعادہ آفتاب کی دعا کرنا عبث اور اعادہ آفتاب کی کیا حاجت تھی آپ نماز قضاء پڑھ سکتے تھے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین گرامی کا زندہ ہونا اور ایمان

لانا صحیح تصور ہو گا جو حضور پر نور ایمان لانے اور ان کی تصدیق نبوت اور رسالت کے لئے فائدہ مند ہو گا (۱)

احیائے ابوین کے دلائل عقلی و نقلی

سچے مومن کو رسول پاک صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ان معجزات کا انکار نہیں اور کچے ایمان والوں کے لئے چند دلائل پیش کرتا ہوں ممکن ہے کہ ان کی قسمت بیدار ہو جائے ورنہ بہت سے بد قسمت اپنے موہوی امراض میں مبتلا رہ کر تباہ و برباد ہوئے۔

(۱)۔ ابوین کریمین پہلے بھی دین ابراہیمی کی وجہ سے مومن و موحد تھے لیکن حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وہ مجھ پر ایمان لا کر میری امت کے برگزیدہ اور ایمان داروں میں شمار ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی رضا کے مطابق کر دیا۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

(۲)۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی رضا یہی تھی کہ ابوین اعلیٰ درجہ کے بہشتی ہوں اور ان کو زندہ کرنے کی رضا و خوشی حدیث میں گزری اور محبوب خدا کی رضا رضائے خدا ہے اسی طرح مخالفین بھی بظاہر کہتے ہیں لیکن دل سے اس کے قائل نہیں ہوتے اسی لئے ایسے مسائل میں ہیرا پھیری کرتے ہیں۔

(۳)۔ کون کہتا ہے کہ دعائے سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسترد ہوتی ہے علامہ عینی شارح بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل سے ثابت فرمایا کہ ہر دعائے رسول سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستجاب ہوتی ہے منکرین تو اس کلیہ کے منکر ہیں لیکن الحمد اللہ ہم تو منکرین سے نہیں ہیں۔

(۴)۔ ہزاروں واقعات انبیاء و اولیاء علی نبینا و علیہم السلام کے لئے احادیث و آثار و تواریخ سے ثابت ہیں کہ مردہ زندہ ہوئے پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مردہ زندہ کرنے کا انکار کیوں بالخصوص ابوین کے لئے یہ کسی گستاخ کا کام ہو سکتا ہے لیکن اسلام کے شیدائی کو ایسی جرات نہیں ہو سکتی۔

(۵)۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا تو منکرین کو بھی انکار نہیں علمائے اسلام رحیم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خصوصیت سے اس کے متعلق تحقیق لکھی ہے چنانچہ حضرت علامہ عبدالرحمٰن سہیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب روض الانف میں لکھتے ہیں۔

واللہ قادر علی کل شئی و لیس تعجز رحمتہ و قدرتہ عن شئی و نبیہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم اھل ان یختصہ بماشاء من فضلہ و ینعم علیہ بما شاء من کرامتہ (زرقانی علی المواہب ص ۱۶۸، جلد اول، الحاوی للفتاویٰ ص ۲۲۰، جلد اول)

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت و قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے اہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جس چیز سے چاہے مختص فرمائے اور جو

چاہے ان پر انعام و اکرام فرمائے۔ (۱)

موضوع اور ضعیف حدیث کا چکر!

عموماً" مخالفین ہر مرحلہ پر حدیث ضعیف کا چکر چلاتے ہیں حالانکہ یہ صرف چکر ہی ہے ورنہ اصول و ضوابط اسلامیہ میں ہر مسئلہ پر محدثین نے سورج سے زیادہ روشن قواعد بتا دیئے مثلاً" یہ کہا ہے کہ اعتقادات میں نصوص صریحہ قطعیہ چاہئیں اور مسائل فقیہہ میں تو احادیث صحیحہ ضروری ہیں غیر اعتقادی و فروعی اور فضائل و مناقب میں احادیث ضعیفہ قابل قبول ہیں اور یہ قواعد مخالفین بھی بوقت ضرورت اپناتے رہتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی کسی اصول اعتقادی یا فروع عملی سے کچھ بھی متعلق نہیں (مواہب الرحمٰن ص ۲۹۸' جلد ۱)

تو پھر چکر بازی کیوں۔ صرف اسی لئے کہ یہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک کے فضائل و مناقب و کمالات کا مسئلہ ہے۔

(۱)۔ امام المفسرین محمد بن احمد بن ابی بکر المعروف علامہ قرطبی کتاب التذکرہ باموراالاخرہ میں فرماتے ہیں۔

بان فضائلہ صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم حضائصہ لم تزل تتوالی و تتتابع الی حین مماتہ فیکون ھذا مما فضلہ اللہ بہ و اکرمہ قال و لیس احیاء و ھما و ایما نھا بممتنع عقلا و شرعا" فقدورد فی الکتاب العزیز احیاء قتیل بنی اسرائیل و اخبارہ بقاتلہ و کان عیسی علیہ السلام یحیی الموتی و کذالک نبینا صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم احی اللہ علی یدہ جماعتہ من الموتی قال و اذا ثبت ھذا فما یمتنع ایمانھما احیائھا و یکون ذالک زیادۃ فی کرامتہ و فضیلتہ قال فقولہ من مات کافرا الخ کلام مردود بماروی فی الخبر ان اللہ ردالشمس علی نبیہ صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم بعد مغیبھا ذکرہ الطحاوی و قال انہ حدیث ثابت فلو لم یکن رجوع الشمس نافعا" و انہ لا یتجدد الوقت لما ردھا علیہ فکذالک یکون احیاء ابوی النبی صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم نافعا" لا یمانھما و تصدیقھا النبی صلی اللہ تعالی علیہ و الہ وسلم(مواہب اللدنیہ مع زرقانی ص ۱۷۱ جلد نمبر۱)

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے فضائل و خصائل و خصائص متواتر اور پے در پے آپ کی وفات تک بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہے اور آپ کے والدین تک کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ اسی فضل و کرم میں سے ہو گا جو اللہ نے آپ پر کیا ہے اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا نہ عقلاً" ممتنع ہے اور نہ شرعاً" شرعاً" ممتنع نہ ہونے کی مثال قرآن عزیز میں ہے کہ بنی اسرائیل کا مقتول زندہ کیا گیا جس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھوں پر بہت سے مردوں کو زندہ کیا ہے جب یہ ثابت ہے تو آپ کے والدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا ممتنع نہ ہو گا بلکہ یہ امر آپ کی فضیلت و کرامت میں زیادتی کا باعث ہو گا اور یہ کہنا کہ جو شخص کافر مر گیا اس کو رجعت کے بعد ایمان نفع نہ دے گا اس کو رد کیا گیا ہے اس حدیث کے ساتھ جس سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر آفتاب کو اس کے غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا (جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی جیسا کہ امام طحاویؒ نے (مشکل الآثار) میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے کہ حدیث ثابت ہے (یعنی صحیح ہے) اور اگر آفتاب کا پلٹ آنا نافع نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو آپ پر واپس نہ لوٹاتا پس اسی طرح آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا ان کے لئے یقیناً نافع ہو گا اور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق ان کے لئے نافع ہو گی۔

احناف کے محقق مفتی امام شامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

ان نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ وسلم قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتی امنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام و غیر ھما فما نفعنا بالایمان بعدالموت علی خلاف القاعدۃ اکراما" لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم(رد المحتار علی الدر المختار ص ۳۰۰' ج ۳)

بلاشبہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کو ان کے لئے زندہ کر کے انکا اکرام کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ حدیث میں ہے اور علامہ قرطبی و ابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے پس آپ کے والدین کا وفات کے بعد خلاف قاعدہ ایمان سے مستفیض ہونا صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا اعزاز و اکرام ہے۔

فائدہ

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین' مومنین اور آپ کی امت کے برگزیدہ لوگ جنتی ہیں لہٰذا ان کے متعلق محتاط رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی ناراضگی سے ڈرنا چاہئے جو بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کافر اور دوزخی تھے (معاذ اللہ) ان کو سوچنا چاہئے کیا یہ کوئی معمولی بات ہے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے حقیقی والدین کا معاملہ ہے کیا یہ ہمارے لئے زیبا ہے اور کیا اس سے حضور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو اذیت نہ ہوتی ہو گی۔

لعنتی کون؟

امام قاضی ابوبکر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ جو آئمہ مالکیہ میں سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین دوزخ میں ہیں آپ نے فرمایا۔

انہ ملعون بقولہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ و اعد لھم عذابا مھینا ولا اذی اعظم من ان یقال ابویہ فی النار (الحاوی للفتاوی ص ۲۳۲' ج ۲ زرقانی معہ ترجمہ ص ۱۸۶' ج ۱)

بلاشبہ وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ جو ایذا دیتے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ایذا ہو گی کہ کہا جائے کہ آپ کے والدین دوزخ میں ہیں

سوچئے خوب سوچئے

روح البیان جلد ا تحت آیت ولا تسئل الخ

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے معمولی رشتہ داروں کی اہانت سے بھی سخت سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب کی بیٹی سبعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

ان الناس یقولون انت بنت حطب النار فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ وسلم و ھو مغضب فقال ما بال اقوام یوذونی فی قرابتی و من اذانی فقد اذی اللہ (ابن المنذر مواہب الرحمان معہ زرقانی ص ۱۸۶ جلد ا)

لوگ کہتے ہیں کہ تو دوزخ کے ایندھن کی بیٹی ہے یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم غضب ناک ہوئے اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میری قرابت کے بارے میں مجھے ایذا پہنچاتے ہیں یاد رکھو کہ جس نے مجھے ایذاء دی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی۔

دعوت فکر اور غور

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنے کافر چچا کے لئے غضب ناک ہوئے جس کا دوزخی ہونا نص قطعی سے ثابت ہے ایک مومنہ مسلمہ رشتہ دار کی دل آزاری گوارانہ فرمائی بتایئے جو نبوت کا دل دکھائے اور ان کے پیارے والدین کے بارے میں کہ جن کے ایمان و اسلام کے بارے میں شواہد ملتے ہیں اس کا کیا حال ہو گا؟

ذرا سوچئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ابوین کو کافر اور جہنمی کہنے والے کس کھاتے میں داخل کئے جائیں گے اس کے علاوہ اور مضامین بھی آتے ہیں جن میں واضح کیا جائے گا کہ جناب سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام اور اولیائے عظام و علمائے کرام بلکہ خود خدا رب العزۃ ایسی باتوں سے سخت ناراض ہوتا ہے۔

اب اس کی بربادی اور تباہی خود سمجھ لیں کہ جس پر اللہ تعالیٰ ناراضگی ظاہر فرمائے اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔

نکتہ

شیخ شمیر بافقادہ آفندی قدس سرہ فرماتے ہیں یہی قول صحیح ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا اور لفظ اللہ کسی بت کا نام نہیں تھا کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے مخصوص علم میں سے ہے جاہلیت میں ان کے بتوں کے نام بعض کے لات اور بعض کے عزیٰ تھے "روح البیان" بناء بریں آپ کا نام ہی ان کے مومن ہونے کی دلیل کافی ہے۔

دلیل جامع عقلاً" و نقلاً"

احیاء الموتیٰ بھی ممتنع نہیں اور نہ ہی شرعاً" کیونکہ قرآن شریف میں بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتانا ثابت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کئی مردے زندہ فرمائے جب یہ ثابت ہے تو پھر آپ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے پر کون سا اشکال ہے بلکہ یہ حضور علیہ السلام پر مزید لطف و کرم کی دلیل ہے۔ (۱)

سوال

جب کافر کا ایمان خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اور موت کے معائنہ کے وقت غیر قابل قبول ہوتا ہے تو پھر مرنے کے بعد ایمان لانا کیسے قبول ہو سکتا ہے اسی لئے آپ کے والدین کا ایمان قابل قبول نہ ہوا۔؟

جواب

معائنہ موت کا ایمان خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اسی وجہ سے غیر قابل قبول ہے البتہ موت کے بعد تو زندہ ہونے میں خوف کا ہے کا چنانچہ **و لو ردوا لعا دولما نھو عنہ** آیت قرآنی سے بھی ثبوت ملتا ہے یعنی دنیا کی طرف مردوں کو لوٹانا ممکن ہے تو جب ان کا لوٹایا جانا ممکن ہے تو پھر ان کا ایمان لانا کیوں ممکن نہیں اور پھر ہر نا ممکن فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم بحیثیت معجزہ ماننا پڑے گا اور ماننا ضروری ہے اور آپ کے خصوصیات پر بھی ہمیں ایمان لانا لازم ہے (مذکورہ امکانی صورتوں میں ایک صورت یقینی ہے یعنی اصحاب کہف کا ایمان لانا۔

اصحاب کہف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آخر زمانے میں اپنی قبور سے اٹھائے جائیں گے اور وہ حج پڑھیں گے اور وہ اسی امت سے شمار ہوں گے یہ ان کی شرافت اور کرامت سے ہو گا چنانچہ مرفوع حدیث میں ہے کہ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مددگاروں میں سے یہی اصحاب کہف ہوں گے اور جو کچھ اصحاب کہف اس زندگی میں

عمل کریں گے ان کے اعمال نامہ میں گنے جائیں گے۔

ایمان ابوین کا امکان

یہ کوئی نئی بات بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کے والدین کے لئے تقدیر میں لکھا ہو کہ ان کی اتنی عمر ہو گی لیکن وقت سے پہلے انہیں موت دی جائے گی پھر اس کی بقایا عمر اسی لحظہ میں شمار ہو جس میں انہوں نے زندہ ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام پر ایمان لایا اور ان کا ایمان لانا اصحاب کہف کے اعمال کی طرح ان کے لئے ان کے اعمال نامے میں شمار ہو یہ فاصلہ جو ان کے مرنے پر اٹھنے تک کا ہے صرف نبی علیہ السلام کی عظمت و کرامت کے لئے ہو تو کچھ بعید نہیں جیسے اصحاب کہف کو اس مدت کے لئے موخر کر کے زندہ کیا گیا صرف ان کی شرافت و کرامت کے پیش نظر ہے تاکہ وہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے امتی ہونے کے شرف سے مشرف ہوں۔(روح البیان پ اول تحت آیت ولا تسئل عن ۱۲)

نیک مشورہ

عشق رسول اور حب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا تقاضا وہی ہے جو فقیر نے تفصیل سے عرض کیا اور بہت کچھ آگے عرض کرے گا اور کسی کو ہمارے دلائل سے تسلی و تشفی نہیں ہوتی تو اس بحث سے زبان بند رکھنی چاہیے اسی میں بھی نجات کی امید کی جا سکتی ہے بعض محققین کا یہی مذہب ہے چنانچہ خاتم الحفاظ و المحدثین امام سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک آپ کے متعلق توقف کا ہے چنانچہ مقاصد حسنہ میں حضرت حافظ شمس الدین دمشقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا شعر مذکور نقل کر کے فرمایا کہ اس مسئلہ پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے لیکن میرا مسلک اس میں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کے ایمان و کفر کے متعلق توقف بہتر ہے (روح البیان پارہ ۱)

لعنتی کون؟

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمتہ اللہ تعالیٰ (مالکی مسلک کے امام ہیں) سے سوال ہوا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے متعلق کہتا ہے کہ وہ جہنمی ہیں آپ نے فرمایا ایسا شخص ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین فرماتا ہے۔

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ

ترجمہ۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ملعون فرمایا ہے اور حدیث میں وارد ہے۔

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات

ترجمہ۔ زندہ لوگوں کو ان کے مردوں کی وجہ سے ایذا نہ دو (۱)

سنی برادر

ہم اپنے نبی پاک سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو زندہ بحیات حقیقی اور حسی اور حاضر و ناظر اور عالم علوم کلی کے قائل سمجھتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ پختہ اور مسلم ہے اسی لئے مذکورہ بالا ارشاد کے علاوہ روزانہ ہر امتی کے اعمال بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں اگر کسی کی گفتگو سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسے ویسے تھے تو کیا رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا دل دکھے گا یقیناً" ضرور دکھے گا تو پھر حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا دل دکھا کر کیوں انجام برباد کرتے ہو۔

چودہ سو سالہ گواہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر نامعلوم کتنی تحریریں لکھی گئیں اور کتنی لکھی جاویں گی لیکن قدرت کی تحریر سب پر غالب ہے لیکن اس سے وہی نصیحت پذیر ہو سکے (محروم القسمت کبھی بھی راہ راست پر نہیں آسکے) جن کے لئے قدرت ایزدی کی اجازت ہو گی وہی صرف راہ راست پر آسکتے ہیں گذشتہ سال مندرجہ ذیل عنوان اخبارات میں شائع ہوا "چودہ سو برس بعد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا جسد مبارک قبراطہر سے صحیح حالت پر برآمد ہوا اور سات صحابہ کرام کے جسد مبارک بھی اصل حالت میں تھے"

○ کراچی ۲۰ فروری (ج-ک) یہاں پہنچنے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا جسم مبارک جن کو دفن کئے تقریباً" چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل صحیح اور سالم حالت میں برآمد ہوا ہے علاوہ ازیں صحابی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حضرت مالک بن سنیان کے علاوہ دیگر چھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اجساد مبارک بھی اصل حالت میں پائے گئے ہیں جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا ہے جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ صحابہ کے جسم نہایت ہی ترو تازہ اصلی حالت میں تھے۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور (پاکستان) ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء)

فائدہ

یہ گواہی اس فرقہ سے دلوائی گئی جو کل کائنات اور حیاۃ و مماۃ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مر کر مٹی میں مرنے والا سمجھتا ہے۔ (۱)

ایک اور گواہ

یعنی شہادت پڑھ لی ہے تو ایک اور شہادت بھی پڑھیے

قارئین میں سے بھی بعض اصحاب نے اس سلسلہ میں آنکھوں دیکھے واقعات بھجوائے آج اس سلسلے کے دو آخری خطوط شائع کئے جا رہے ہیں۔

○ مانسہرہ ہزارہ سے ملک غلام مصطفےٰ صاحب نے روزنامہ جنگ راولپنڈی کے شمارہ ۲۳ جنوری ۷۸ء کی ایک خبر فوٹو اسٹیٹ کرا کر کے بھیجی ہے اس خبر کا عنوان ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے اجسام مبارک آج بھی اپنی اصلی حالت میں ہیں خبر کا متن یہ ہے۔

○ کراچی ۲۲ جنوری (نمائندہ جنگ) یہاں موصول ہونے والی ایک اطلاع کے مطابق مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلہ میں کی جانے والی کھدائی کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ تعالیٰ و آلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا جسم مبارک جس کو تقریباً" چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے بالکل صحیح اور سالم حالت میں بر آمد ہوا علاوہ ازیں صحابی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم علاوہ دیگر چھ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جسم مبارک بھی اپنی اصلی حالت میں پائے گئے اور صحابی رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ وسلم کا جسم مبارک بھی اپنی اصلی حالت میں پایا گیا جنہیں جنت البقیع میں نہایت عزت اور احترام کے ساتھ دفنا دیا گیا جن لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ مذکورہ اجسام کے چہرے نہایت ہی تروتازہ اور اپنی اصلی حالت میں تھے (وغیرہ وغیرہ) (۱)

پند غزالیؒ

حضرت حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمتہ "احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو کفر کی نسبت کا معاملہ تو بہت ہی بڑا دشوار ہے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے سبق لیا جائے فرماتے ہیں کہ اگر کسی میں ننانوے گناہ کفر کے احتمالات ہوں اور ایک ایمان کا تو اس کے لئے بھی کفر کی نسبت کرنا جائز نہیں خود ساختہ مقلدین کے پاس امام کے اس ارشاد کا کیا

جواب ہے؟

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

اگر تمہارے پاس کوئی برہان ہے اور تم سچے ہو تو وہ برہان لاؤ کیا تمہارا ایمان گوارا کرتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کے ساتھ سگان درگاہ جنات نعیم میں داخل ہوں اور جن کے نعلین کے تصدق جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب میں مبتلا ہوں کیا آمنہ خاتون حضرت مریم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے بھی کم ہیں کیا یہ آپ کو پسند ہو گا کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدوں کو جنت میں دیکھیں ۔ اور محبوب کی والدہ وہاں نظر نہیں آئیں حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین کے ناموں سے ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ کون تھے۔

اپنا تو یہ موقف ہے کہ یہ سارا باغ ہے وہی اس کے مالک ہیں۔ (۱)

دوستان عزیز یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے کہ والدین ماجدین سید کونین کو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب [illegible]
عرب و عجم کی خاطر زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر کامل ایمان کے ساتھ سر اللہ الاعظم کی امت میں داخل ہو گئے تو ایمان
بعد از احیاء مثل ایمان یاس کے ہے۔ تو جیسے ایمان یاس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسی طرح ایمان بعد از احیاء
بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ حافظ ابو الخطاب بن وحیہ نے ذکر کیا ہے کہ ایمان یاس و ایمان بعد از احیاء
نافع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قواعد قرآن مقدس سے ثابت ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ وقال فَيَمُتْ**
وَهُوَ كَافِرٌ و قال فلم يك يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا تو ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ رجوع بعد از موت ایمان
کی طرف محال ہے۔

جواب:۔ اس سوال کا جواب امام قرطبی نے اپنی کتاب "التذکرہ باحوال الموتیٰ و امور الآخرۃ" میں یوں
دیا ہے کہ ان آیات بینات میں کہ جہاں ایمان یاس و بعد از احیاء کے عدم نفع کا ذکر ہے تو یہ حکم عامۃ الخلائق کا ہے
یعنی عادۃً۔ ہاں البتہ خاص خاص مقام میں از وجہ خرق عادت کسی کسی کا بطور معجزہ و کرامت زندہ ہو جانا اور ایمان لے
آنا اور اس پیغمبر کے دین میں داخل ہو جانا پایا جاتا ہے۔ تو یہ احیاء و ایمان بالیقین قواعد مذکور بالا سے مستثنیٰ ہے۔
اور نیز امام قرطبی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سوال سائل کا مردود ہے اس حدیث کے ساتھ کہ جس کو امام طحاوی نے
بسند صحیح روایت فرمایا ہے **قال ان اللہ تعالیٰ رد الشمس علی نبیہ بعد مغیبها حتی صلی علی** فرماتے ہیں کہ ایک
مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم بعد از ادائے نماز عصر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہا وجہ کی ران
مبارک پر سر مبارک رکھ کر ذرا آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے اور اسی اثنا میں جناب سر اللہ الاعظم کی چشمان
مبارک عالم خواب میں استراحت پذیر ہو گئیں۔
اور "میں نے چشمان مبارک کے استراحت کے متعلق کیوں کہا اس لئے کہ جناب سر اللہ الاعظم کے چشمان مبارک
دار دنیا میں استراحت پذیر ہوتے تھے اور دل مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بیدار رہا کرتا تھا۔ اور اب چونکہ جناب فخر
موجودات عالم آخرت میں تشریف فرما ہیں اور دار آخرت میں مطلقاً" بے آرامی نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمہ حالات میں ہر
مومن مسلمان کی طبیعت ہشاش بشاش خوشنود و شاداں رہا کرتی ہے اور شان حبیب اللہ المنان کا تو یہ ہے کہ جیسے خود
سرکار نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے مرض موت میں ارشاد فرمایا اے میری صاحبزادی **لا کرب علی ابیک بعد الیوم** آج
کے دن کے بعد کبھی بھی آپ کے والد ماجد پر تکلیف و تنگی و مصیبت وارد نہ ہوگی۔ بلکہ ہمہ حالات میں خوشی و خرمی
پر خوشی و خرمی رہے گی۔ ثابت ہوا کہ جناب سر اللہ الاعظم دار آخرت میں حیات طیبہ سے حیات ہیں۔ اور اپنی
چشمان ظاہرو باطنہ سے امت کا حال مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

عزیز دوستو! یہ تو ایک جملہ آپ کی معلومات و فہم کے لئے فقیر نے درج کیا۔ ہاں میں اصل واقعہ حضرت علی کا بیان کر رہا تھا۔ تو جب سرکار کونین نے حضرت علی کی ران مبارک پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمانا شروع کیا اور تمام صحابہ کو پاس ادب یہاں تک ملحوظ تھا کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال دیا کرتے تھے لیکن سرکار کونین کے آرام و راحت میں "مطلقاً" خلل پسند نہیں کرتے تھے جیسے کہ حضرت ابوبکر نے غار میں"۔ کما ذکرہ المفسرون تو اس واقعہ میں حضرت علی نے ادباً" تعظیماً" حضور کا بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا اور عصر کی نماز قضا ہوئی اور اسی اثنا میں جناب سر اللہ الاعظم کے چشمان مبارک خواب استراحت سے بیدار ہوگئے۔ تو سرکار کونین نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری نماز عصر قضا ہوگئی۔ عرض کی جی ہاں میری نماز عصر قضا ہوگئی۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے بحکم رب تعالیٰ سورج کو بعد از غروب واپس اصلی وقت عصر کی طرف لوٹ آنے کا حکم دیا۔ سورج بحکم سر اللہ الاعظم لوٹ کر آیا اور وقت متجدد ہوا اور حضرت علی نے نماز عصر وقت اصلی میں ادا فرمائی۔ نہ قضاء (حضرت علیؓ نے اشاروں سے نماز ادا کی تھی) اور امام الطحاوی ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح و ثابت ہے اور امام قرطبی اسی حدیث مبارک سے استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں فلولم یکن رجوع الشمس نافعا" و انه لا یتجدد الوقت لمارد ھا علیه کہ اگر رجوع سورج وقت کے تجدید کے لئے نافع نہ ہوتا۔ اور وقت میں نماز کی ادائگی کے لئے فائدہ مند نہ ہوتا تو جناب سر اللہ الاعظم کبھی بھی رب تعالیٰ کے دربار مقدسہ میں سورج کے لوٹ آنے کے لئے دعا نہ فرماتے بلکہ خواہش تک ظاہر نہ فرماتے ثابت ہوا کہ سورج کے لوٹ آنے سے وقت متجدد ہوا اور جدید وقت میں حضرت علیؓ نے نماز ادا کی۔ اور تجدید وقت ان کے لئے نافع ہوا۔ و کذالک یکون احیاء ابوی النبی صلی اللہ علیه وسلم تو اسی طرح ابوین شریفین کا احیا ایمان لانے کے لئے اور درجات روحانی حاصل کرنے کے لئے نافع تھا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا تاکہ امت محمد الرسول اللہ کا شرف و منزلت ان کو بھی نصیب ہوجائے۔ کہ جس امت میں شمولیت کی تمنا آدم۔ موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء عظام نے بھی کی تو ابوین شریفین کا احیاء مثل ارجاع شمس کے ہوا۔

اور نیز امام قرطبی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حال یاس و معاینہ عذاب میں ایمان کا نافع نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ ہر ایک مقام و حال میں ایسا ہی ہو بلکہ بطریق خصوصیت و خوق عادت بعض اکثر اس حکم سے "حتماً" یقیناً" مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا حال ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان و توبہ کو بعد از حکم عذاب قبول فرمایا اور عذاب کو ان سے دور فرمایا گیا۔ حالانکہ حکم عذاب ہوچکا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ (الآیۃ) اس آیت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ نزول عذاب کے بعد قوم یونس

ایمان لائی اور رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول فرمایا اور اپنے رحم کی آغوش میں ان کو بلند مقام عطا فرمایا۔ نیز اسی طرح ابوین کریمین کو رب تعالیٰ نے بدعاء جناب سر اللہ الاعظم زندہ فرما کر ایمان کے بلند مراتب تک مظاہر سر اللہ الاعظم پہنچایا۔ اور یہی ہے عقیدہ حقہ۔

نیز امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت مبارک **وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** کا نزول احیاء ابوین شریفین سے قبل ہوا۔ یعنی اس آیت مبارک کا نزول احیاء سے قبل ہوا ہے اس لئے احیا کا مسئلہ اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا

امام اجل سیوطی مجدد مائۃ تاسعہ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام قرطبی کا رجوع آفتاب کی حدیث کے ساتھ استدلال کرنا غایت حسن و کمال میں واقع ہے کیونکہ حضرت علی کو حضور نے نماز کی ادائیگی فی الوقت کا حکم فرمایا تھا اور اگر ادائیگی نماز فی الوقت رجوع شمس سے ثابت نہ ہوتا تو پھر ارجاع شمس سے فائدہ کیا تھا۔ حالانکہ بعد از غروب آفتاب نماز قضاء ادا کی جاسکتی تھی۔ ثابت و متحقق ہوا کہ ارجاع شمس سے وقت اصلی عصر کا لوٹ کر واپس آیا اور وقتی نماز کو وقت ہی میں حضرت علیؓ نے ادا کیا **(هكذا حال ابوين الكريمين)** اور نیز امام سیوطی ارشاد فرماتے ہیں **وقد ظفرت بالستدلال اظهر و اوضح منه** کہ امام قرطبی نے حدیث ارجاع شمس سے جو استدلال فرمایا ہے۔ نہایت بہتر استدلال ہے لیکن میں نے تلاش کے بعد ایک واضح و اظہر دلیل اور پائی جو یہ ہے کہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے **ان اصحٰب الكهف يبعثون فى اخر الزمان و يحجون ويكونون من هذه الامة تشريفاً لهم بذلك** کہ اخیر زمانہ میں اصحاب کف کو رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زندہ فرمائے گا اور وہ زندہ ہو کر حج بیت اللہ کریں گے اور امت **محمد** الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جائیں گے۔ تاکہ وہ اس امت شریفہ میں شمولیت کی وجہ سے مشرف و معزز ہو جائیں۔ اس غرض کے لئے رب تعالیٰ ان کو زندہ فرمائے گا۔ اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں **اصحٰب الكهف اعوان المهدى** کہ اصحاب کف حضرت محمد مہدی "آخر الزمان کے معاونین سے ہونگے۔ اور اعانت جب ہو سکتی ہے کہ وہ زندہ ہو کر امام مہدی کے ساتھ ہر حالت میں رہیں۔

نتیجہ اسی طرح اے مومن مسلمان ابوین شریفین کی شان میں عقیدت قائم رکھ کہ جیسے رب تعالیٰ آخر زمانہ میں اصحاب کف کو زندہ فرمائے گا۔ تاکہ شرف امت سے مشرف ہو جائیں۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے ابوین شریفین کو زندہ فرمایا تاکہ ولایت امت مرحومہ کا شرف و منزلت حاصل کرلیں۔

محمد

اور نیز یہ امر بعید از عقل و قیاس نہیں کہ رب تعالیٰ نے ابوین شریفین کے لئے ازل سے عمر مقرر فرمائی ہو۔ اور اس

مرنے کے بعد اسے قبل کچھ ساعات ان کو دار دنیا سے اٹھایا ہو اور پھر ان ساعات کے پورا کرنے کے لئے واپس دنیا میں لوٹا دیا ہو اور انہی ساعتوں میں انھوں نے شرف ولایت امت محمدیہ علی صاحبنا الصلوٰۃ والسلام حاصل کیا ہو اور یہ جملہ اکرامات و احسانات رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر فرمائے ہوں۔ اور دین کے تمام قوانین کے اتمام تک ان کی زندگی رب تعالیٰ نے موخر فرمائی ہو تاکہ کامل دین میں داخل ہو جائیں اور ان کے کمال و روحانی میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ جیسے رب تعالیٰ اصحاب کہف کی زندگی کو اخیر زمانہ تک موخر فرماتا جارہا ہے اور اخیر زمانہ میں رب تعالیٰ ان کو زندہ فرمائے گا تاکہ شرف امت مرحومہ سے مشرف ہو جائیں یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے کہ آیت مبارک **لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی وقت مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہونے دیتا تو پھر آپ کا یہ محمہ مذکورہ بالا کیسے صحیح ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب ایہ ہے کہ آیت مبارک میں قضاء مستمرہ مراد ہے۔ اور خاص خاص مقامات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسے اوین کریمین کا حال ہوا۔ یا اصحاب کہف کا حال ہوا اور یا ان لوگوں کا حال ہوا کہ جن کو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ہاتھ پر زندہ فرمایا تھا

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ سوال جب وارد ہوتا ہے کہ بناء علی قول جمہور (علماء کے اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ عمر کم و بیش نہیں ہوتی۔ اگر اس قول پر عمل کیا جائے کہ عمر کم و بیش ہوتی ہے تو پھر سوال وارد ہی نہیں ہوتا اور اس قول کو ائمہ میں سے ایک جم غفیر نے قبول کیا ہے۔ اور ہر ایک کی اس مسلک کی تائید میں تصانیف ہیں۔

اور نیز حموی نے شرح اشباہ میں صاحب اشباہ کے اس قول کے ماتحت ذکر کیا ہے **الا والدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثبوت ان اللہ تعالی احیاھما لہ حتی آمنا بہ** (کذافی مناقب الکردری) مگر والدین شریفین پر لعنت بھیجنا مطلقاً" جائز نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تحقیق تک پہنچ چکا ہے کہ والدین شریفین کو رب تعالیٰ نے حضور کی خاطر زندہ فرمایا اور زندہ ہو کر حضور پر ایمان لے آئے۔ اور شرف ولایت نبوت سے مشرف ہو گئے۔

حاصل محمہ

عزیزان اسلام بعض علماء کرام نے ان روایات میں یوں **طتبیق** دی ہے (ماحصلہ) کہ جناب سر اللہ الاعظم کا درجہ ہر وقت رب تعالیٰ کے دربار مقدسہ میں بلند ہوتا رہا۔ اور **مقامات** سیہ آپ کو حاصل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے آپ کی روح زکیہ طاہرہ کو قبض فرمایا اور وقت قدوم میں عجیب و غریب کرامات و خصائص سے آپ کو اپنے قرب خاص میں مقرب فرمایا تو یہ جائز امر ہے کہ یہ درجہ احیاء ہوتی قبل آپ کو حاصل نہ تھا تو جیسے جیسے درجات بلند ہوتے گئے ویسے ہی رب تعالیٰ آپ کو طاقت عطا فرماتا رہا۔ تو جن احادیث میں والدین شریفین کے متعلق سخت

کلمات مروی ہیں وہ قبل از حصول درجات عالیہ ہیں اور احیاء ابوین شریفین بعد از حصول درجات عالیہ ہیں۔ (فلا تعارض) بلکہ محققین علماء کرام کے مسلک میں وہ احادیث کہ جن میں ابوین شریفین کی شان میں یوں وارد ہے (کونهم فی النار منسوخة بالاحادیث کونهم فی الجنة) کہ والدین شریفین دوزخ میں ہیں۔ وہ تمام احادیث منسوخ ہوگئیں ان احادیث کے ساتھ کہ جن میں وارد ہے کہ ابوین شریفین جنتی ہیں اور نسخ کی توضیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جس کو ابن عبدالبر نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اولاد مشرکین کے متعلق حضور سے سوال کیا تو سرکار نے جواباً" فرمایا (هم من آبائهم) یعنی جیسے ان کے باپوں کا حکم ہے ان کا حکم ہے۔ چند دن گزر جانے کے بعد پھر سوال کیا تو سرکار نے جواباً" فرمایا الله اعلم بما كانوا عاملين یعنی الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ رب تعالیٰ قیامت کے روز کیا معاملہ فرمائے گا۔ تو چند دن گزر جانے کے بعد پھر حضرت خدیجہؓ نے دریافت فرمایا اور اس وقت اسلام مستحکم ہوچکا تھا۔ تو سرکار نے جواباً" ارشاد فرمایا ولا تزر وازرة وزر اخرى) کہ رب تعالیٰ کسی ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالتا۔ اس لئے مشرکین کا بوجھ ان کی اولاد پر واقع نہ ہوگا۔ بلکہ وہ یا تو فطرت پر ہوں گے یا جنت میں داخل ہوں گے۔ لهذا الحمل على النسخ۔ فافهم (ولا تكن من المسرعين)

فریق دوم

برادران اسلام! فقیر کاتب الحروف کی اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ نے ابتداء کتاب میں پڑھا ہوگا کہ نجات والدین ماجدین سرور کونین کی شان میں علماء کرام کے تین فریق ہوگئے ہیں۔ فریق اول حتماً"۔ قطعاً"۔ یقیناً" نجات کے قائل ہیں اور ابوین شریفین کو جنتی مانتے ہیں اور ان کے دلائل پہاڑ کی چٹان کی طرح نہایت مضبوط و مستحکم ہیں اور ائمہ کرام باندازہ تناسب ننانوے فی صد اسی فریق اول میں شامل ہیں یعنی یہ فریق انہی ائمہ کرام کا فریق ہے اور ان کے دلائل بطریق ثلاثہ فقیر نے نہایت بسط ترکیب سے بیان کئے ہیں وہاں غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

اور فریق دوم علماء کرام میں سے چند افراد کا ہے کہ جن کا قول زبان و قلم زیب نہیں دیتے کہ معرض تحریر میں تحریر کیا جائے لیکن نقل کفر کفر نباشد کا مصداق ہے۔ تو اگر فریق دوم کے دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ان کا ردنہ کیا جائے تو جتبد یین کے لئے ایک معمہ کے رہنے کا اندیشہ ہے اس لئے دوستان دینی کے علم و ادراک کی بلندی کے لئے فریق دوم کے دلائل کو ذکر کرتا ہوں۔ اور ذکر کرنے کے بعد ان دلائل کے جوابات جو کہ فریق اول کے علماء کرام نے نہایت تدقین و تحقیق کے ساتھ دئے ہیں۔ سلک بیان میں لاتا ہوں۔ تاکہ طالبین صادقین کے لئے کوئی دقیقہ و معمہ نہ رہ جائے۔

سوال از فریق دوم

ماتقدمہ دلائل و براہین سے ہم نے نجات ابوین شریفین چند لمحات کے لئے تسلیم کیا لیکن ان دلائل و براہین کے علاوہ عدم نجات کے دلائل و براہین (احادیث میں موجود ہیں ۔ اور وہ کفر ابوین شریفین و ناری ہونے پر دال ہیں

اور صحیح ، مجمع) مثلاً :۔

حدیث ما فعل ابوای لنزلک ولا تسئل عن اصحٰب الجحیم یعنی کاش کہ اگر میں جانتا ہوتا کہ میرے والدین ماجدین کے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا ہوگا تو رب تعالیٰ نے اس آیت مبارک کو نازل فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ سے احوال دوزخیوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔

حدیث دوم لا تستغفر لمن مات مشرکا"

ایک روز جناب سر اللہ الاعظم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں سوال کیا تو سیدنا جبرائیل امین نے سرکار کونین کو استغفار سے منع کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ ان لوگوں کے لئے جو کہ مشرک وفات پا گئے ہیں استغفار نہ پڑھا کیجئے۔

حدیث نمبر ۳ نزل لیھما ما کان للنبی والذین امنوا ان لا تستغفر والمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ

اس حدیث کو ابن جریر نے بطریق عطیہ عوفی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم نے ارادہ فرمایا کہ والدین ماجدین کے لئے رب تعالیٰ کے دربار اقدس سے طلب مغفرت کریں تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی کہ یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان باللہ رکھتے ہیں مطلقاً" جائز و لائق نہیں کہ مغفرت طلب کریں مشرکین کے لئے اگرچہ قریبی رشتہ داروں میں سے کیوں نہ ہوں۔

حدیث ۴ ان امی مع امکما ایک روز حضور کی خدمت میں ملیکہ کے فرزند حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی والدہ ملیکہ کی شان میں سرکار سے دریافت کیا تو جناب سر اللہ الاعظم نے جواباً" ارشاد فرمایا تمہاری والدہ جہنم میں ہے تو ان پر یہ کلام شاق گزرا۔ تو سرکار کونین نے دوبارہ واپس بلایا اور فرمایا ان امی مع امکما یعنی میری والدہ ماجدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہے۔

جواب از فریق اول

عزیزان اسلام امام اجل عالم نبل مجدد ماتہ تاسعہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علینا و علیہ اس سوال کے جواب میں اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ قابل اعتبار نہیں۔

حدیث نمبر ا کو احادیث معتمدہ میں کسی محدث نے مطلقاً" روایت نہیں کیا اور نہ کسی معتمد بہ کتاب حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو بعض مفسروں نے اپنی تفاسیر میں سند منقطعہ کے ساتھ لا یحتج بہ ولا یعول علیہ

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ سبب و مضمون حدیث دوسرے وجوہ بلاغت و اسرار بیان سے مردود ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارک سے قبل و بعد تمام آیات یہودیوں کی شان میں وارد ہیں۔ مثلاً" یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم فاتقوا بعھدی اوف بعھدکم و ایای فارھبون۔ الی قولہ تعالیٰ۔ واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ تک یہ تمام آیات یہود کی شان میں وارد ہیں۔ اس لئے مضمون کا اختتام بھی اسی قصہ سے ہوا۔ تو اس تحقیق سے صاف واضح ہوا

کہ اصحاب الجحیم سے کفار اہل کتاب مراد ہے۔ بلکہ عبد ابن حمید۔ فریابی۔ ابن جریر۔ ابن منذر نے اپنی اپنی تفاسیر میں صرف مجاہد سے روایت کیا ہے اور صریح الفاظ اثر اس بات پر دال ہیں۔ کہ اصحاب جحیم سے کفار اہل کتاب مراد ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اول سورہ بقرہ سے چہار آیات نعت مومنین میں وارد ہیں اور دو آیات نعت کفار میں وارد ہیں۔ اور پھر تیرہ آیات مومنین کی نعت میں وارد ہیں اور پھر دو آیات کفار کی نعت میں وارد ہیں اور نیز تیرہ آیات منافقین کے حق میں وارد ہیں اور پھر دو آیات کفار کی نعت میں وارد ہیں اور نیز تیرہ آیات منافقین کے حق میں وارد ہیں۔ اور چالیس آیات سے ایک سو بیس آیات تک بنی اسرائیل کی شان میں وارد ہیں اور یہ اشارہ صحیح ہے اور یہ تاکیدی امر ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اکثر اس میں یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لئے اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہی ہیں۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ من حیث المناسبت اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہیں۔ کیونکہ مقتضی لغت واثر کے مطابق جحیم کے معنی ہیں (ماعظم من النار) جیسے ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے اس آیت مبارک میں اخراج کیا ہے (اصحاب الجحیم ماعظم من النار) اور نیز ابن جریر و ابن منذر نے ابن جریج سے رب تعالیٰ کے اس قول مبارک (لها سبعة ابواب) کے ماتحت اخراج کیا ہے کہ جہنم کے سات ابواب ہیں۔ اول کا نام جہنم۔ دوم لظی سوم حطمہ۔ چہارم سعیر۔ پنجم سقر۔ ششم جحیم۔ ہفتم ہاویہ ہیں اور فرماتے ہیں کہ جحیم میں ابوجہل اور اس کے مانند اور لوگ ہونگے۔

تو اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ اصحاب الجحیم سے مراد کفار اہل کتاب ہیں۔ اور یہ آیت مبارک انہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابوین شریفین کی شان میں "اس آیت مبارک کا نزول قرار دینا علم تفسیر و حدیث سے نا آشنائی کی دلیل قاطع ہے۔ ثابت و کائن ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے قابل قبول نہیں۔ **وقلمہ شیئا" من ذالک علیھم**

اور حدیث نمبر ۴ بھی ضعیف ہے قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب "مستدرک" میں روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن امام سیوطی فرماتے ہیں کہ حاکم کا شان یہ ہے کہ بہت سی احادیث کو صحیح کہہ جاتا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہوتیں اس کا تساہل و چشم پوشی صحیح کہنے میں مشہور ہو چکے ہیں۔ اس لئے اگر کسی اور نے حدیث کو صحیح نہ کہا ہو تو تنہا حاکم کے قول کو قبول نہ کیا جائے۔ اور اس حدیث نمبر ۴ کو ذہبی نے (مختصر المستدرک) میں ذکر کرنے کے بعد قول حاکم کو نقل کیا ہے۔ کہ حدیث صحیح ہے اس قول کے بعد خود فرماتے ہیں۔ **ولا واللہ فعثمان بن عمیر ضعفہ الدار قطنی** کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کہ اس حدیث کے راویوں میں عثمان بن عمیر کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ ذہبی نے لین شرعی اٹھانے کے بعد کہا کہ مذکورہ راوی میں سے عثمان بن عمیر کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ ذہبی نے لین شرعی اٹھانے کے بعد کہا کہ مذکورہ راوی ضعیف ہے۔ تو ثابت و کائن ہوا کہ حدیث نمبر ۴ بھی ضعیف ہے۔ قابل اعتبار نہیں۔ اور کچھ اس حدیث کی تحقیق گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

برادران اسلام اس تحقیق سے معلوم و عیاں ہوا کہ عدم نجات ابوین شریفین میں جو بھی احادیث وارد ہیں۔ وہ تمام کی تمام یا تو ضعیف ہیں۔ اور یا تمام منسوخ شدہ ہیں۔

احیاء ابوین شریفین کی احادیث سے اور یا کامل ایمان ابوین شریفین کی احادیث سے اور یا وحی کے ذریعہ سے کہ اہل فترت کے لئے عذاب حتماً "یقیناً" نہیں ہے۔ اس لئے ایمان و نجات ابوین شریفین کا عقیدہ رکھنا اعلیٰ و افضل ہے بلکہ جز و ایمان ہے کیونکہ دلائل قاہرہ سے ثبوت وافر موجود ہے۔ اور عدم ایمان و نجات پر کوئی خاص دلیل مطلق موجود نہیں **فلنهم ولا نكن من الممترعين**

سوال ثانی از فریق دوم

ماتقدمہ احادیث کے متعلق تو ہم نے مان لیا کہ یہ احادیث تمام ضعیف یا منسوخ ہیں۔ قابل احتجاج نہیں۔ لیکن اس حدیث کے متعلق کہ جس کو امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ جناب سر اللہ الاعظم سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ میرا والد کہاں ہے۔ تو سرکار کونین نے جواباً" ارشاد فرمایا **ان ابی و اباک فی النار** یعنی میرا اور تمہارا باپ آگ میں ہیں۔

اور نیز اس حدیث کے متعلق کہ جس کو مسلم و ابی داؤد ہر دونوں نے حضرت ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ جناب سر اللہ الاعظم نے رب تعالیٰ سے مغفرت والدہ کے لئے اجازت طلب کی تو رب تعالیٰ نے اجازت استغفار نہ دی اور استغفار سے منع فرمایا۔ اور یہ ہر دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ تو پھر یہ عقدہ کیسے کشادہ ہوگا۔ **وما تصنع بهما جواب از** فریق اول

فقیر لاحد اللہ القدیر کہتا ہے کہ یہ احادیث بسر و چشم قبول لیکن جواب ان کا یہ ہے۔ (خوب غور سے سمجھو) کہ حدیث اول الذکر یعنی **ان ابی و اباک فی النار** کہ روایت کرنے میں راوی ان ہی مذکورہ بالا الفاظ کے بیان کرنے میں متفق نہیں ہیں۔ اور یہ وہ طریق ہے کہ جس کو مسلم نے حماد بن مسلمہ سے اور اس نے ثابت سے اور اس نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ اور مخالف ہے اس طریق سے وہ طریق کہ جس کو معمر نے ثابت سے روایت کیا ہے اور اس طریق میں یہ الفاظ مذکورہ بالا مطلقاً" نہیں ہیں۔ بلکہ اس طریق میں جو الفاظ وارد ہیں وہ یہ ہیں کہ جناب سر اللہ الاعظم نے اس کو فرمایا **اذا مررت بقبر کافر فبشره بالنار** یعنی جب تو کسی کافر کی قبر پر گزرے تو ان کو بشارت نار دو کر۔ دیکھا آپ نے ان الفاظ میں کہیں بھی والد ماجد پر ناری ہونے کا اطلاق نہیں۔ اور یہ روایت من حیث الروایت اثبت ہے کیونکہ معمر حماد سے ثقہ ہے اور محدثین نے معمر کے حفظ میں مطلقاً" کلام نہیں کیا اور جتنی بھی احادیث بروایت معمر احادیث میں وارد ہیں کسی محدث نے ان احادیث کی قبولیت سے انکار نہیں کیا اور شیخین نے بالاتفاق وہ احادیث جو کہ معمر کی روایت سے مروی ہیں اپنی اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ جو لفظ معمر کی روایت میں مروی ہے وہ لفظ قابل قبول ہے اور حماد کی روایت میں جو لفظ مروی ہے وہ قابل قبول نہیں کیونکہ حماد کے حفظ میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ اور حماد بن سلمہ کی مرویہ احادیث میں مناکیر بکثرت ہیں اس لئے امام بخاری

نے حماد بن سلمہ کی روایت سے کسی حدیث کو بھی روایت نہیں کیا۔ اور نیز امام مسلم نے بھی اصول میں حماد بن سلمہ سے کوئی روایت علاوہ اس روایت میں لی۔ حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس نہیں کہا۔ اور حاکم نے اپنی کتاب (المدخل) میں بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی کتاب (الشواہد) میں حماد بن سلمہ کی روایت سے ایک طائفہ سے روایت کیا۔ لیکن مناکیر اس میں بھی بکثرت ہیں۔ صرف دو کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مناکیر حماد بن سلمہ

نمبر ۱۔ احمد۔ ترمذی۔ حاکم نے حماد سے اور اس نے ثابت سے اور اس نے حضرت انس سے منسوب روایت کیا ہے کہ ایک روز جناب سر اللہ الاعظم نے فلما تجلی ربہ للجبل پڑھا تو فرمانے لگے **اخرج طرف خنصرہ و ضرب علی ابھامہ فساخ الجبل** اور احمد وغیرہ نے اس حدیث کو شرط مسلم پر صحیح کہا ہے۔ اور علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع لکھا ہے۔ اور حدیث کی کوئی سند و ثبوت نہیں اور یہ حماد کی تدلیس وریب ہے اور حماد کی روایات میں مناکیر بکثرت ہیں۔

نمبر ۲ **حماد عن قتادہ عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما رایت ربی جعدا" امردا" علیہ خضر**

اس حدیث کو بھی علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اور مناکیر حماد سے ہے۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ چونکہ روایات حماد میں مناکیر زیادہ ہیں۔ اس لئے حدیث زیر بحث متنازعہ فیہ بھی یقینا" مناکیر حماد سے ہے کیونکہ اس حدیث زیر بحث کو روایت کرنے میں مسلم بخاری سے منفرد ہے۔ اور محدثین عظام اس حدیث میں جس کو مسلم بخاری سے منفردا" روایت کرنے میں کلام کرتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث ان ابی واباک فی النار بھی ان حدیثوں سے ہیں کہ جن میں محدثین نے کلام کیا ہے تو یہ حدیث معلول ہے **من حیث الاسناد** بھی کما سبق اور **من حیث المتن** بھی یہ حدیث معلول ہے۔

کیونکہ جناب سر اللہ الاعظم ہادی کل تھے۔ اور آپ اپنی امت پر رؤف و رحیم تھے۔ اور آپ چاہتے تھے کہ اسلام ترقی کرتا جائے اور چونکہ جہل کا زمانہ تھا ارتداد کا خطرہ تھا تو جب اعرابی نے اپنے والد کی شان میں سوال کیا تو حضور نے افصاح جواب مناسب نہ سمجھا۔ تو حضور نے اعرابی کو ایسا جواب دیا کہ جس میں توریہ و ابہام تھا۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کا بھی یہی دستور ہے کہ اگر سامع کو پورا جواب دینا مطلوب نہ ہو تو کلام کو ذو وجوہ بنا دیتے ہیں۔

نظیر:۔ جیسے کہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے قیامت کے متعلق سوال کیا تو حضورؐ نے ایک احدث آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ جب اس آدمی کی عمر منقضی ہو جائے تو نہ مرے گا حتّٰی کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور نے ایسا کیوں کہا اس لئے کہ اعراب ہمیشہ کے لئے بار بار قیامت کے متعلق

سوال کیا کرتے تھے۔ اور قیامت کے وقت معینہ کے متعلق بتلانا خشائے الٰہی کے خلاف تھا۔ اور نہ اعراب وغیرہ خلق کے لئے اس کے اندر فائدہ تھا۔ اور حضور کے قلب مبارک میں یہ خشیت ضرور تھی کہ یہ اعراب بار بار قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور میں ان کو بتلاتا نہیں ہوں کہیں یہ گمان نہ کر جائیں کہ میں بھی قیامت کے وقت کو نہیں جانتا۔ اس لئے حضور نے جواب ایسی ترکیب سے دے دیا کہ سامع کو تسلی ہو جائے۔ اور اس قول مبارک سے جناب سر اللہ الاعظم کی مراد کیا تھا۔ یعنی جب یہ غلام اقصیٰ عمر تک پہنچ جائے تو یہ غلام نہ مرے گا حتی کہ حاضرین پر ان کی قیامت قائم ہو جائے گی۔ (بان یموتوا) و قیام الساعۃ کل واحد موتہ۔ اذا عرفت ھذا

منقولہ اس حدیث مبارک میں بھی جناب سر اللہ الاعظم نے جو الفاظ مبارک اپنی زبان مبارک سے صادر فرماتے ہیں اس میں ابہام ہے جو کہ ثی اول و ہلیہ صاف سمجھ میں نہیں آسکتا کیونکہ اول و ہلت میں ظاہری معنی کی طرف فکر جاتا ہے۔ اور حقیقی معنے یہ ہے کہ یہاں پر تقدیر ماننا پڑے گا۔ ہو ھذا۔ کہ ان ابی و اباک فی النار و تقدیرہ۔ ان لی الجنۃ و اباک فی النار۔ تو جناب سر اللہ الاعظم نے ازوجہ خشیت 'ارتداد اعرابی الفاظ کو مبہم فرمایا اس ابہام کی وجہ سے سامع نے اصل مفہوم کو نہ سمجھا۔ اور اپنے تصرف سے روایت کیا۔ اور نیز معمر عن ثابت کی حدیث اذا مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار کے لئے موید دوسری حدیث سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے۔ جس کو بزار نے اپنی (مسند) میں اور طبرانی نے (معجم کبیر) میں اور بیہقی نے بطریق ابراہیم بن سعد عن زہری عن عامر بن سعد بن ابی وقاص .بسند صحیح روایت کیا ہے کہ جناب سرور کائنات کی خدمت اقدس میں اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہ این ابی قال فی النار قال فاین ابوک قال حیثما مررت بقبر کافر فبشرہ بالنار کہ یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے تو سرکار کونین نے جواباً" ارشاد" فرمایا کہ تمہارا باپ جہنم میں ہے۔ تو اعرابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا والد ماجد کہاں ہے تو سرکار کونین نے جواباً" ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تمہاری گزر کافر کی قبر سے ہو جائے تو اس کو جہنم کی بشارت دیا کر۔

اور امام طبرانی و بیہقی نے اس حدیث کے اخیر میں یہ الفاظ بھی بیان فرمائے ہیں کہ وہ اعرابی چند دن گزر جانے کے بعد مسلمان ہوا تو مجلس صحابہ میں اس اعرابی نے کہا کہ سرکار کونین نے مجھے بڑی تکلیف و تعب میں گرفتار کیا کیونکہ جب بھی میرا گزر کسی کافر کی قبر پر ہوتا ہے تو مجھے بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔ اور نیز ابن ماجہ نے بطریق ابراہیم بن سعد عن زہری عن سالم بن عبداللہ بن عمر العدوی المدنی سے .بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی سرکار کونین کی خدمت اقدس میں آیا اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ بہت نیک تھا یتیم پروری 'صلہ رحمی وغیرہ کل نیک کام کیا کرتا تھا تو میرا باپ کہاں ہے "یعنی جنت میں ہے یا کہ دوزخ میں" تو سرکار کونینؐ نے جواباً" ارشاد فرمایا کہ تمہارا والد دوزخ میں ہے۔ تو اس کلام کی وجہ سے وہ اعرابی دل میں رنجیدہ ہوا تو فوراً" کہا۔ یا رسول اللہ تو آپ کا والد ماجد کہاں ہے۔ تو سرکار کونین نے جواباً" فرمایا اے اعرابی۔ حیثما مررت بقبر مشرک فبشرہ بالنار۔ جب کبھی تمہارا گزر مشرک باللہ کی قبر پر سے ہوتا ہے تو بشارت بالنار ضرور دیا کر۔

چند روز گزر جانے کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہوا تو مجلس صحابہ میں کہا کہ سرکار کونین نے مجھے بڑی تکلیف و تعب میں گرفتار کیا۔ کیونکہ جب بھی میرا گزر قبر مشرک پر ہوتا ہے تو بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔

عزیزان من! یہ حدیث مبارک صحیح ہے اور اس میں فوائد ہیں۔

فائدہ اول یہ ہے کہ سائل اعرابی تھا اور اس کے ارتداد کا سرکار کونین ؐ کو خطرہ تھا۔

فائدہ دوم یہ کہ حضور ؐ نے اعرابی کو ایسا جواب دیا کہ جس میں ابہام و توریت ہے کیونکہ اب شریفہ کی شان میں ناری ہونے کا اس حدیث پاک میں کوئی نام نشان تک نہیں بلکہ یہ جملہ صریح اس بات پر دال ہے کہ اب شریفہ جنتی ہے کیونکہ وہی اعرابی بعد میں مسلمان ہوتا ہے اور جب بھی اس کا قبر مشرک پر سے گزر ہوتا ہے تو لا محالہ اس کو بشارت بالنار دینی پڑتی ہے۔ لیکن اب شریفہ کی شان میں کبھی بھی اس اعرابی سے ایسا واقعہ بشارت بالنار کا صادر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اس بات کے ثبوت ملنے کا امکان ہے۔

فائدہ سوم چونکہ اعراب سخت دل تھے اور اسلام کے لوازمات و صحبت سے بہت دور تھے تو سرکار کونین ؐ نے خود اس بات کو مکروہ جانا کہ اعرابی کو حقیقت حال سے واقف کیا جائے کیونکہ اگر اعرابی کو حقیقت حال سے خبردار کیا جاتا اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ حضور کا والدِ ماجد تو جنت میں ہے اور میرا باپ دوزخ میں ہے تو وہ اعرابی کبھی بھی مسلمان نہ ہوتا۔ اور بعد از اسلام بھی ارتداد کا خطرہ تھا۔ کیونکہ جبلی فطرت ان کی ایسی تھی تو سرکار کونین نے موہوم جواب دیا۔ اس کے تطییب قلب کی خاطر تاکہ یہ مرتد نہ ہو جائے۔

فائدہ چہارم یہ ہے کہ یہ الفاظ نہایت واضح ہیں اور ان میں شک و شبہ مطلقاً" نہیں اور عام الفاظ سرکار کونین کی زبان مبارک سے عام کافروں کے حق میں صادر ہو گئے ہیں۔ اس لئے تو اعرابی کے لئے باعث تکلیف و معیبت ہوئی کہ جب بھی اس کا کسی کافر کی قبر سے گزر ہوتا تو لامحالہ اس کو بشارت بالنار دینی پڑتی تھی اور اگر الفاظ اول (ابی و اباک فی النار) مراد لئے جائیں تو ان الفاظ میں کسی چیز کے امر کرنے کا حکم مطلقاً" موجود نہیں تو اس تحقیق منصفانہ سے عیاں ہوا کہ یہ الفاظ حضور ؐ کے الفاظ مبارک نہیں۔ یہ تصرف راوی ہے اور غلط فہمی سے حسب فہم بالمعنی روایت کیا ہے۔ (فافخطا") اس لئے یہ حدیث بھی قابل قبول نہیں۔ فافہم۔

تنبیہہ

اس حدیث کے علاوہ اور بھی کثیر احادیث صحیحین میں ایسی موجود ہیں کہ جن میں راویوں نے تصرف کیا ہے وغیرہ اثبت منہ۔ و ربما جیسے حدیث مسلم عن انس ہوا۔ کہ جس میں بسم اللہ کے پڑھنے کی نفی وارد ہے اور اسی نفی پر اس حدیث کو امام شافعی نے معلول فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ دیگر طرائق سے ثابت ہے کہ حضور نے سماع سے نفی فرمایا ہے پڑھنے سے نہیں۔ اور راوی نے نفی قرات سمجھ لیا اور اپنے فہم کے مطابق روایت بالمعنی کیا۔ اس لئے غلطی کر گیا۔ (فاخطا)

تو اس نظم سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث (ان ابی و اباک فی النار) معلول ہے فقط از جہت اس لفظ۔ اس لئے

قابل قبول نہیں۔ اور حدیث (ای مع امکا) کی تحقیق گزر چکی ہے۔۔۔۔ ضعیف حدیث ہے۔ قابل قبول نہیں اور دیگر بات یہ ہے کہ معیت سے مراد معیت دار برزخ ہے نہ معیت دوزخ فاعلم

جواب ثانی از فریق اول

بالفرض اگر اس حدیث کے الفاظ اول باتفاق روایت تسلیم کئے جائیں تو یہ حدیث معارض ہے۔ ان دلائل براہین کی کہ جن کو ہم نے ہر سہ طرائق میں بالتفصیل بیان کیا ہے اور یہ مسئلہ مسلم کل ہے کہ ہر ایک صحیح حدیث کے دوسرے دلائل اس حدیث کے معارض واقع ہو جائیں اور ارجح بھی ہو تو لا محالہ اس حدیث کی تاویل کرنی پڑے گی اور ارجح دلائل کا قبول کرنا لازم ہو جائے گا۔ کما ہو مقرر فی الاصول۔

تو چونکہ اس حدیث کے مقابلہ میں دوسرے دلائل نہایت قوی وارجح موجود ہیں اس لئے ان کو قبول کرنا پڑے گا اور اس حدیث کو ترک کرنا ہوگا۔ یا تاویل کرنی ہوگی۔

نیز امام جلال الدین سیوطی ارشاد فرماتے ہیں کہ مثل روایت معمر جو کہ نہایت واضح روایت ہے اور اب شریفہ کے شان میں اس کے اندر کوئی ذکر نہیں بلکہ مفہوم کے واضح کرنے کے لئے قوی و صحیح روایت ہے جس کو حاکم نے اپنی کتاب (المستدرک) کے اندر روایت کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ لقیط بن عامر کی روایت سے یہ روایت مطلقاً صحیح ہے) وقت تحقیق میں یہ روایت میری نظر کے سامنے عیاں ہوئی تو میں نے رب قدوس کا شکر ادا کیا۔ اور جو تحقیق میں نے اس حدیث پاک کی کرنی چاہی تھی رب تعالیٰ نے ویسی ہی اعانت فرمائی۔ فاللہ الحمد

لقیط بن عامر فرماتے ہیں کہ میں ایک وفد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کے لئے روانہ ہوا اور میرے ساتھ اس وفد میں نہیک بن عاصم بن مالک بن المستفق بھی تھا کہ اسلاخ رجب میں ہم مدینہ طیبہ جا پہنچے اور ہم نے حضور کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی تو جب سرکار کونین نماز سے فارغ ہوگئے تو تمام لوگوں کو حضور نے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور خود وعظ فرمانے کے لئے ایستادہ ہوگئے۔ (الحدیث) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے آباؤ اجداد میں سے جوکہ جاہلیت کے زمانہ میں وفات پاگئے ہیں کوئی ان میں سے خیر پر بھی ہے یا کہ نہیں۔ اسی اثنا میں ایک آدمی نے قریش میں سے کہا کہ تمہارا باپ (المستفق) دوزخ میں ہے تو جب میری شنید میں برسر مجلس یہ بات آئی تو مجھے سخت غصہ واقع ہوا تو میں نے دل میں یہ ارادہ کیا کہ حضور سے دریافت کراوں کہ آپ کا والد ماجد کہاں ہے لیکن مجھے اس لفظ کے کہنے سے عار آیا تو میں نے کہا **واھلک یا رسول اللہ** کہ آپ کا اہل کہاں ہے تو سرور کائنات نے جواباً" ارشاد فرمایا کہ جب بھی تمہارا گزر کسی عامری یا قریشی مشرک کی قبر پر ہوجائے **فقل ارسلنی الیک محمدؐ فابشر ک بما یسوءک ھذہ روایت لا اشکال فیھا و ھی اوضح الروایات و ابینھا تقریرا" و سالمنع ان یکون قول السائل فاین ابوک۔**

عزیزان اسلام! امام جلال الدین فرماتے ہیں کہ یہ روایت اتنی صاف ہے کہ اس میں ذرہ بھر تیرگی نہیں۔ اور واضح و بین الفاظ حدیث ہیں۔ اب شریفہ کا نام تک نہیں اور سائل کو کس چیز نے اب شریفہ کی شان دریافت کرنے سے روکا۔ بلکہ سائل جانتا تھا کہ اب شریفہ کی شان بہت بلند و بالا ہے۔ اس لئے واہلک کہا۔ **واللہ اعلم و علمہ اتم واحکم**

. ثابت و کائن ہوا کہ حدیث انس میں حضور کا قول مبارک (ان ابی الخ) قول حضور نہیں بلکہ تصرف راوی ہے جوکہ روایت؟ حسب فہم خود کردیا ہے۔ اس لئے قابل عمل نہیں اور جو روایات جوکہ اس کے مقابلہ میں موجود ہیں ان پر عمل کرنا واجب ہے اور ان کا ترک یا تاویل لازم ہے۔ کما سبق (۲)

سوال

مذکورہ بالا دلائل حق ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہوکر جدید شریعت قبول کرکے اسی شریعت کے احکام کی ترتیب کا کوئی ثبوت نہیں ہم تو صرف مکمل ثبوت مانگتے ہیں؟

جواب

اصحاب کہف کا قصہ تفصیلی طور پر تفسیروں میں مرقوم ہے فقیر بقدر ضرورت پیش کرتا ہے۔
اصحاب کہف مومن تھے اور اولیاء اللہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قصے کو نہایت محبوب پیرایہ میں بیان فرمایا ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔ یا ان پر زمانہ فترت گزرا۔ جیسا بھی ہے حضور سرور عالم شفیع الامم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی امت میں شامل کرنے کی خواہش کی جیسا کہ آتا ہے۔ مرور زمانہ کے باوجود وہ

صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ملاقی ہوئے اور کلمہ اسلام پڑھا اور پھر حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں زندہ ہو کر ان سے ملاقی ہوں گے پھر قیامت میں امت حبیب خدا سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں اٹھیں گے۔ یہ کیفیت احیائے ابوین سے زیادہ تعجب خیز ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:۔

"کانوا من ایاتنا عجبا"

لیکن مخالفین اسے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ اور ابوین کریمین کے لئے دنگا فساد کرتے ہیں۔

اصحاب کہف امت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے عرض کی کہ آپ انہیں اس عالم میں نہیں دیکھیں گے البتہ آپ اپنے پسندیدہ اصحاب کو بھیج کر اپنی دعوت اسلام سے انہیں نواز سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اصحاب کو ان کے ہاں کس طرح بھیجوں اور کن کو بھیجوں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی چادر مبارک بچھائیے۔ صدیق و فاروق اور علی مرتضیٰ اور ابولدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمائیے۔ تاکہ وہ ہر ایک اسی کے ایک کونہ پر بیٹھ جائیں اور ہوا آپ کی تابعدار ہے۔ جیسے تخت سلیمانی کو لے کر چلتی تھی آپ کے غلاموں کو بھی لے جائے گی۔ حضور سرور کونین علیہ الصلواۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی چنانچہ ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اڑا کر غار تک لے گئی۔ انہوں نے غار سے ایک پتھر ہٹایا تو کتے نے جونہی روشنی دیکھی۔ اولا" تو شور مچاتے ہوئے حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ اس کے بعد جب صحابہ کرام کی شخصیت پر نگاہ ڈالی تو دم ہلا کر اصحاب کہف کے ہاں جانے کا اشارہ کیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اصحاب کہف کے قریب ہوئے اور کہا۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی ارواح کو ان کے اجسام میں واپس لوٹایا۔ تو ان کے سوال (سلام) کا جواب دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے آپ حضرات کو سلام بھیجا ہے۔ اور اسلام کی دعوت بھی۔ ان حضرات نے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اور عرض کی ہمارا بھی بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم میں سلام عرض کرنا۔ یہ کہہ کر پھر آرام گاہ میں چلے گئے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت سے ہوں گے کے ظہور کے وقت زندہ ہوں گے اور امام مہدی رضی اللہ عنہ ان پر سلام کہیں گے وہ ان کو سلام کا جواب دیں گے۔ اس کے بعد وہ بدستور آرام گاہ میں آرام پائیں گے۔ اور قیامت میں وہ بھی اٹھیں گے۔

یہ روایت کتب اہل سنت کی ہے۔ اس کے بعض اجزاء سے ہمیں اختلاف ہے۔

موازنہ اصحاب کہف
اور
ابوین کریمین

1 روح البیان میں ہے کہ اصحاب کہف بھی اہل فترت تھے۔ کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے لیکن بیدار اس وقت ہوئے جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ اور آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سے تابعثت حبیب خدا سرور الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زمانہ فترت ہے۔ ابوین کریمین بھی زمانہ فترت میں تھے

2 اسی طرح روح البیان میں ہے کہ (زمانہ فترت) میں اصحاب کہف کو ایمان کی تلقین الہام ملکوتی و ابجذاب لاہوتی سے نصیب ہوئی۔ انہیں کسی کی رہبری کی حاجت نہ تھی۔

3 اسی روح البیان میں ہے کہ اصحاب کہف کے زمانہ میں ایک ولی اللہ ان کے شہر میں باہر سے آکر مقیم ہوا۔ ان کی صحبت کی برکت سے وہ موحد و مومن تھے۔ ایسے ہی والدین کریمین کو سمجھ لو کہ ان حضرات کو بھی مکہ معظمہ کے بہت سے نیک لوگوں کی صحبت حاصل تھی۔

4 یہ بات ارباب علم اور اصحاب دانش پر نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ جب اصحاب کہف کا زندہ ہونا اور ایمان لانا اور اس امت مرحومہ میں داخل ہونے کی فضیلت پانا خدا الشرع مقبول و ممکن ہے تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین گرامی کا دوبارہ زندہ ہونا اور ایمان لانا کیونکر صحیح نہ ہوگا۔ لیکن چونکہ ضد بری بلا ہے اسی لئے منکرین نے انا میں پھنس کر انکار کردیا ورنہ یہ مسئلہ انکار کے لائق نہیں۔

5 شارح مواہب لدنیہ حضرت امام زرقانی ص ۱۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں

فلا مانع من جواز احیاء المیت و انتفاعها بحیاته بعده خرقا لعادة فکذالک یکون احیاء ابوی النبی صلی اللہ علیه وسلم نافعا لایمانهما و تصدیقهما

کوئی چیز مردہ کے زندہ ہونے اور اس حیات کے ساتھ فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹ ڈالنی والی نہیں بصورت خرق عادت یعنی معجزہ کے پھر اسی طرح پر ہوگا واقعہ احیاء ابوین شریفین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو ان کے ایمان لانے اور تصدیق نبوت و رسالت نبوی کرنے میں بالضرور فائدہ رساں ہوگا۔

ازالہ استحالہ

مخالفین کو ہم نے ہر طرح کے استحالہ کا ازالہ کر دکھلایا۔ اس بحث میں آخری دلیل دے کر بحث کو آگے بڑھاؤں گا۔

ابوین کریمین بلکہ جملہ آباؤ امہات و جدات کے ایمان و توحید دلائل کی روشنی سے ثابت ہے بفرض محال ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی ان کی نجات کے لئے اتنا کافی تھا کہ مخالفین نے ایڑی چوٹی تک زور لگایا اور ہمارا چیلنج ہے

کہ قیامت تک زور لگا کر ان کی کفر و شرک پر موت ثابت کریں "فان لم تفعلوا ولن تفعلوا" جب ان سے کفر و شرک پر وصال کا ثبوت نہیں ہو سکتا تو پھر اسلام کا وہ قاعدہ مان لیں جو سب کا متفق علیہ ہے کہ بعض اہل فترت کو لازما" نجات نصیب ہوگی۔ جب مخالفین یوم آخرت میں ایمان لانے والوں کا ایمان نافع مان کر محال کو ممکن مان رہے ہیں تو دنیا میں مردوں کو زندہ کر کے ایمان کی دولت سے نوازنے کی حقیقت (جیسے اصحاب کہف) کو کیوں محال قرار دے رہے ہیں کیا یہ ان کا ایسا کرنا ہٹ دھرمی اور ضد تو نہیں یہی بات ہمارے اکابر ایسے منکرین کو پہلے کہتے گئے۔ چنانچہ شارح مواہب امام عبدالباقی صاحب المعروف زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواہب جلد اول ص ۱۸۰ پر لکھتے ہیں۔

بما يرد على ابن دحيه لان الايمان اذا كان ينفع اهل الفترة الدار الاخرة التى ليست دار تكليف لقد شاهدوا جهنم بشهادة الاحاديث فلان ينفعهم ما لا حياء من الموت من باب اولى فقد حصل المطلب بمليل الخصوصيته۔

ان حدیثوں سے ابن دحیہ کے قول کی تردید ہوتی ہے جو اہل فترت کے بارہ میں مروی ہے جب زمانہ فترت کے رہنے والوں کا دار آخرت میں ایمان لانا فائدہ مند ہوگا جو تکلیف کا گھر نہیں۔ انہوں نے اس تاریخ کی شہادت سے نار جہنم کو بچشم خود ملاحظہ کیا۔ پھر ابوین شریفین کا مکرر زندہ ہو کر ایمان لانا کیونکر مقبول نہ ہوگا کیونکہ اول خصوصی سے مطلب حاصل ہو جاتا ہے (فترت والوں کا ذکر آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ)

خلاصہ یہ کہ "اصحاب کہف" کا زندہ ہو کر امت محمدیہ میں شامل ہونا مخالفین مانتے ہیں تو حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ابوین کریمین کو بھی مان لینا چاہئے نیز فترت والوں کا ایمان قابل قبول ہے جب کہ آخرت دارالتکلیف نہیں تو ابوین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان تو بطریق اولیٰ قابل قبول ہو کہ انہیں یہ دولت دارالتکلیف میں نصیب ہو رہی ہے لیکن جس نے میں نہ مانوں کی گولی کھا رکھی ہے وہ کب تسلیم کر سکتا ہے۔

اسکی کی محبوب دلیل

اسکی غفرلہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ فرمایا' چنانچہ امام اسمٰعیل حقی مصنف روح البیان فرماتے ہیں۔ کہ :۔۔۔۔۔۔۔

یہ کچھ تعجب و حیرانگی کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین گرامی کے لئے ان کی عمر کی کچھ میعاد مقرر کی ہو۔ پھر ان کی تکمیل حیات سے کچھ عرصہ پہلے وفات دے دی ہو پھر ان کو بقایا عمر کی تکمیل کے لئے زندہ کر دیا ہو۔ اور وہ بقایا میعاد عمران کے قبول ایمان کے لئے کافی ہو یہ وہ کرامت اور خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص کیا ہو۔

سوال

حدیث احیاء ابوین ضعیف ہے اور کفر والی روایات صحاح بالخصوص مسلم وغیرہ کی ہیں۔ صحیح روایت ضعیف

سے کس طرح منسوخ ہو گئی ہے؟

جواب

یہ عذر لنگ ہے اس لئے کہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ حدیث احیاءِ ابوین مختلف طریق سے حسن بغیرہ ہے جسے باصطلاح محدثین صحیح کا درجہ حاصل ہے (دلائل و تحقیق کے لئے دیکھئے امام اہل سنت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی کتاب "الساد الکاف" اسی لئے یہ اعتراض بے سود ہے۔

جواب

حدیث مسلم جس میں ابی و اباک" کے الفاظ ہیں۔ وہ خود ضعیف ہے اس اعتبار سے وہ روایت ضعیف منسوخ اور اس کی ناسخ حسن بغیرہ ہے اور باصطلاح محدثین قوی روایت ضعیف کا نسخ کر سکتی ہے (الاعتبار)

سوال

نسخ احکام میں ہوتا ہے۔ واقعات میں نسخ کیسا؟ دلائل سے وضاحت فرمایئے۔

جواب

یہاں بظاہر تو واقعہ ہے لیکن درحقیقت کفر و ایمان کے متعلق بحث ہے۔ اور کفر و ایمان احکام ہی تو ہیں۔ لیکن مخالفین سطحی طور پر دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں اسی لئے اس کا خیال ضروری ہے اسی کے لئے تحقیق قواعد فقیر کے رسالہ "**القول الراسخ فی قواعد المنسوخ و الناسخ**" اور احسن البیان فی اصول تفسیر القرآن حصہ اول میں ہیں۔

سوال

تم اہل سنت کہتے ہو کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصوۃ والسلام کے والدین زندہ کئے گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے اسی حدیث سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا ایمان لانا ثابت کر رہے ہو کہ وہ کافر تھے اور کافر ہو کر مرے (معاذ اللہ!)

جواب

حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے والدین کا دوبارہ زندہ کرنا اور ایمان لانا اس لئے نہیں تھا۔ کہ وہ کافر تھے ان کا کفر تو کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں بلکہ ان کو اس لئے زندہ کیا گیا کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لاکر حضور کے شرف صحابیت سے مشرف ہو کر اور خیر الامت میں داخل ہو کر شرف حاصل کریں۔ ان کا زندہ کرنا اور حضور علیہ السلام پر ایمان لانا یہ تو مزید انعام و اکرام کے لئے تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی سے ملت ابراہیمی پر تھے۔ جس طرح گذشتہ اوراق میں ثابت ہو چکا ہے۔ ان کا اہل توحید سے ہونا ہی ان کے نجات کے لئے کافی ہے اس لئے کہ وہ تو احکام کے مکلف ہی نہیں تھے۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔

"احادیث احیاء" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض **حلقوں** میں حضرت آمنہ والدہ آنحضرت صلعم کے اور بعض میں ان کے والدین کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی بدولت دوبارہ زندہ ہونے

مسلمان ہونے اور پھر مرجانے کا ذکر ہے۔ ان میں سے زیادہ مشہور وہ حدیث ہے جو خطیب بغدادی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے اور جس کا متن یہ ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا۔ جب آپ عقبہ حجون پر پہونچے تو مغموم و محزون ہوئے اور رونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی۔ پھر آپ کود کر اونٹ پر سے اتر آئے اور مجھ سے فرمایا:

اے حمیرا! اسی پر بیٹھی رہنا۔ چنانچہ میں اونٹ پر ہی بیٹھی رہی اور آپ کہیں چلے گئے اور کافی عرصہ تک وہاں رہے۔ پھر آپ مسکراتے ہوئے واپس لوٹے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ میرے پاس سے اس حالت میں تشریف لے گئے تھے کہ آپ محزون و مغموم تھے اور گریہ فرما رہے تھے اور میں بھی آپ کو دیکھ کر رونے لگی تھی اور اب آپ لوٹے ہیں تو اس طرح کہ مسکرا رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کردے اللہ نے میری دعا قبول کی اور ان کو زندہ کردیا۔ پھر میری والدہ مجھ پر ایمان لائیں۔ اس کے بعد پھر خدا نے انھیں موت دے دی"

(الرسائل التسع السیوطی' رسالہ نشر العلمین المنیفین' ص ۷۲)

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب الروض الانف' میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے رب سے اپنے والدین کے زندہ کئے جانے کے لئے دعا کی۔ اللہ نے ان دونوں کو زندہ کیا۔ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس کے بعد اللہ نے ان کو پھر موت دے دی۔ (الرسائل التسع السیوطی' رسالہ)

رب سے اپنے والدین کے زندہ کئے جانے کے لئے دعا کی۔ اللہ نے ان دونوں کو زندہ کیا۔ وہ آپ پر ایمان لائے اور اس کے بعد اللہ نے ان کو پھر موت دے دی۔ (الرسائل التسع للسیوطی' رسالہ) "نشر العلمین المنیفین' ص

ان احادیث اور ان کے علاوہ اس موضوع پر جتنی حدیثیں منقول ہیں ان کے بارے میں ملا علی قاری ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ اور علمائے اعلام بھی شامل ہیں۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے جو لوگ ان کو موضوع قرار دیتے ہیں وہ دار قطنی' جوزقانی' ابن ناصر' ابن جوزی اور ابن وجیہ ہیں۔ (الرسائل التسع السیوطی رسالہ التنظیم والمنۃ' ص ۱۹۔ ۲۰) پھر اسی سلسلہ میں علامہ سیوطی رقم طراز ہیں' لیکن جو علماء ان احادیث کی وضعیت کے قائل نہیں اور ان کو محض ضعیف احادیث بتلاتے ہیں وہ خطیب بغدادی ابن عساکر سہیلی' قرطبی' محب طبری اور ابن سید الناس ہیں۔ خود علامہ سیوطی ان احادیث کے ضعیف ہونے کے قائل ہیں اور انھوں نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین" بہرکیف اس بحث سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے زندہ ہوکر ایمان لانے کے متعلق کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔

اب غور طلب چیز یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے احادیث احیائے ابوین آنحضرت صلعم کو موضوع کیوں تسلیم

نہیں کیا اور ان کے ضعیف ہونے پر انہیں کیوں اصرار ہے؟ یہ بات اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب حدیث موضوع اور حدیث ضعیف کا فرق معلوم ہوجائے واضح ہو کہ حدیث موضوع اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی اصل نہ ہو یعنی جس کو رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہی نہ ہو اور وہ افتراء آپ سے منسوب کی گئی ہو۔ برخلاف اس کے حدیث ضعیف اس کو کہتے ہیں جس کی کچھ اصل ہو یعنی جس کو آنحضرت ختمی مرتبت علیہ السلام نے فرمایا تو ضرور ہو لیکن اس کا تسلی بخش ثبوت نہ ملتا ہو۔ علامہ سیوطی کا حدیث احیاء ابوین الخضرت صلعم کے ضعیف ہونے پر زور دینے کا مطلب ہے کہ ان کے نزدیک اس حدیث کی اصل ضرور ہے یعنی حضور صلعم نے اپنے مشرک والدین کو زندہ کیا۔ پھر انہیں دعوت دین دے کر مسلمان کیا اور پھر وہ مرگئے لیکن ان کے نزدیک اس کا تسلی بخش ثبوت نہیں۔

احیاء والدین

الموجۃ الصیفیۃ الالہیۃ الشریفۃ کے ص ۲۷۶ پر ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے یہ حجۃ الوداع میں وقوع پذیر ہوا۔ اس کے متعلق حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث روایت ہے جسے طحاوی نے السابق واللاحق میں دار قطنی اور ابن عساکر نے مالک کے غرائب میں ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں' محب طبری نے اپنی سیرت میں لکھا ہے الروض الانف میں الگ سند اور الگ الفاظ کے ساتھ اسے ذکر کیا گیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہیں اور ان تین حضرات نے اس کی طرف باوجود ضعیف ہونے کے میلان کیا ہے اس طرح زملی اور ابن المیر نے بھی ابن سید الناس نے بعض اہل علم سے بھی اسے نقل کیا ہے اور اصلاح الصفدی نے اسے اپنی نظم میں درج کیا حافظ شمس الدین نے اپنے ابیانات میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور علماء نے اس حدیث کو ان احادیث کی ناسخ کہا جو اس کے خلاف مفہوم رکھتی ہیں کیونکہ یہ حدیث ان سے متاخر ہے اور علماء نے اس کے ضعیف ہونے کی پرواہ نہ کی کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اور مناقب میں قابل عمل ہوتی ہے اور یہ (والدین رسول کریم کا زندہ ہونا اور اسلام لانا) ان کی منقبت ہی ہے اور بعض حضرات نے اس حدیث کی تائید ایک متفق علیہ قاعدہ سے بھی کی ہے جسے تمام امت تسلیم کرتی ہے وہ یہ کہ کسی پیغمبر کو کوئی معجزہ یا خصوصیت جو عطا ہوئی اس کی مثل اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی عطا کی ہے اور مردہ زندہ کرنے کا معجزہ اس میں صرف یہی ایک واقعہ نظر آتا ہے لہٰذا اس کا ثبوت کوئی بعید از عقل نہیں۔ اگرچہ اس معجزہ کی مثل بکری کی ٹانگ کا آپ سے گفتگو کرنا یا ستون کا رو رو کر فریاد کرنا بھی ہے لیکن والدین کو زندہ کرنے کا قصہ بعینہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کی مثل ہے اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مقررہ قواعد کے اعتبار سے اس حدیث کی مضبوطی اور قوت ثابت ہوئی ہے حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے کہا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لئے فضل پر فضل پسند فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ واقعی آپ پر بڑا مہربان ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو دوبارہ زندہ کیا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل اور بہت بڑی مہربانی ہے اور لطف خاص ہے۔

لمحہ فکریہ

حوالہ مذکورہ میں ان محدثین کرام کے نام آپ نے ملاحظہ کیئے جنھوں نے اس حدیث کو ذکر کیا اور قبول بھی کیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ ہونا اور شرف با ایمان ہونا مروی ہے اور فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث کا معتبر ہونا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے لہٰذا اس حدیث کا ضعف اپنے مقام پر

لیکن اثبات منقبت میں اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا علماء نے اسے ان احادیث کا ناسخ بھی لکھا جو اس کے خلاف مضمون والی ہیں اور اس کی معقول وجہ ذکر کی کہ یہ موخر ہے اور وہ مقدم ہیں ان احادیث سے مراد وہ احادیث ہیں جس میں آپ کی اس دعاء کا تذکرہ ہے کہ آپ نے والدین کریمین کے لئے مغفرت کی اجازت طلب کی جو نہ ملی ہم ان احادیث پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں ہمیں زندہ کرنے والی احادیث کے ناسخ ہونے میں نظر ہے وہ اس وجہ سے کہ یہ حدیث ناسخ تب ہوتی کہ ان احادیث میں آپ کے والدین کریمین کا کفر و شرک صراحتہ" ثابت ہوتا ہے حالانکہ ان میں کئی ایک تاویلات ہیں جب وہ موولہ ہیں تو پھر ناسخ کی کیا ضرورت؟ علاوہ ازیں ناسخ نہ ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے وہ یہ کہ آپ کے والد ماجد کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ خبر ہے اور خبر کی تنسیخ نہیں ہوا کرتی اسی لئے زندہ کرنے والی حدیث کو آپ کی خصوصیات میں اور آپ کے جامع کمالات ہونے میں ذکر کیا جاتا ہے مردہ کو زندہ کرنے کی حد تک حضرت عیسٰی علیہ السلام سے بھی وقوع پذیر ہوا لیکن زندہ کرنے کے بعد مشرف با اسلام کرنا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور جن آیات میں مرنے کے بعد یا حالت نا امیدی کا ایمان غیر معتبر قرار دیا ہے اور جن سے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں نے مغالطہ بھی کھایا ان آیات سے بھی کوئی تعارض نہیں واقع ہوتا۔ جب اس واقعہ کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے اسی لئے جن علماء کو اس مسئلہ کی حقیقت سے آگاہی ہوئی انہوں نے اپنے عقیدہ سے رجوع کر لیا اور جن کو توفیق نہ مل سکی وہ اسی پر ڈٹے رہے والدین کریمین کے زندہ کرنے والی حدیث کے متعلق حوالہ مذکور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہے لیکن کچھ لوگوں نے اس کے ضعیف ہونے کی بجائے اسے موضوع قرار دیا اور یوں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے کفر و شرک کو ڈٹ کر ثابت کیا ایسے لوگوں کا سرخیل ابن تیمیہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کی اپنی عبارت مکمل نقل کریں اور پھر اس کی خبر لیں(۵)

ابن تیمیہ کا موضوع کہنا

سوال کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے والدین کو زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے پھر اس کے بعد فوت ہو گئے؟۔

الجواب۔ اہل الحدیث میں سے کسی سے یہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ اہل معرفت تو اس پر متفق ہیں کہ یہ گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے اگرچہ اس بارے میں ابوبکر خطیب بغدادی نے اپنی کتاب (السابق واللاحق) میں روایت کیا ہے اور ابوالقاسم السہیلی نے شرح السیرۃ میں ایسی اسناد سے ذکر کیا ہے جس میں مجہول راوی ہیں ابو عبداللہ القرطبی نے التذکرہ میں اسے ذکر کیا ہے اس قسم کی اور کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے تمام اہل معرفت اس پر متفق ہیں کہ یہ من گھڑت روایات میں سے واضح ترین جھوٹی روایت ہے جیسا کہ اہل علم نے اس پر نص کی ہے حدیث کی معتمد کتابوں میں اس

کا نام و نشان نہیں نہ کسی صحیح میں نہ کسی سنن اور نہ ہی مسانید وغیرہ معروف کتابوں میں اس کا ذکر ہے اہل مغازی اور اہل تفاسیر نے بھی اسے ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ یہ لوگ صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف بھی روایت کر جاتے ہیں ان تمام حضرات کا اسے ذکر نہ کرنا اس بنا پر ہے کہ اس کا جھوٹا ہونا کسی دین دار پر مخفی نہیں اگر اس قسم کا واقعہ ہوتا تو بہت سی کوششیں اور دواعی اس کے نقل کرنے میں نظر آئیں کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور یہ دو اعتبار سے خرق عادت ہے ایک اس وجہ سے کہ اس میں مردے کو زندہ کرنا ہے اور دوسری اس وجہ سے کہ موت کے بعد ایمان لانے کا اس میں ذکر ہے لہٰذا اس قسم کی بات کا نقل کرنا دوسرے معجزات کی بہ نسبت زیادہ اہتمام سے ہوتا ہے جب کسی ثقہ آدمی سے اس کی روایت نہیں ملتی تو معلوم ہوا کہ یہ جھوٹ ہے رہا خطیب بغدادی کہ جس نے اسے اپنی کتاب السابق و اللاحق میں ذکر کیا تو اس کا اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ محدثین میں سے مقدم اور موخر حضرات کا اس میں ذکر کیا جائے جب کہ ان کے نام آپس میں ملتے جلتے ہوں رہا یہ کہ وہ محدث روایات بیان کرنے میں سچا ہے یا جھوٹا اس کا خیال اس نے نہیں رکھا اور ابن شاہین بری بھلی سب روایت کر دیتا ہے اور سہیلی نے اسے ایسی اسناد سے ذکر کیا جس میں کچھ راوی مجہول ہیں۔

پھر یہ واقعہ کتاب اور سنت صحیحہ کے ساتھ ساتھ اجماع کے بھی خلاف ہے اللہ تعالیٰ کا قول ہے بے شک توبہ ان لوگوں کی قبول ہے جو بڑے کام جہالت سے کرتے ہیں پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں تو وہ ہیں وہ لوگ کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے" اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آلیتی ہے تو کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو حالت کفر میں مر جائیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد \ انہیں ان کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ تعالیٰ کی عادت جو اس کے بندوں کے ساتھ ہوتی رہی اور وہاں کافروں کو سخت خسارہ ہو گا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کی بندوں کے ساتھ یہ عادت ہے کہ عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا کوئی نفع نہیں دے گا تو موت کے بعد ایمان کا نفع کیونکر متصور؟ اسی طرح کی کئی نصوص ہیں۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تیرا باپ دوزخ میں ہے جب وہ جانے لگا تو آپ نے بلوایا اور پھر فرمایا کے بے شک میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں صحیح مسلم میں یہ بھی موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت دے دی اور میں نے اس کے لئے استغفار کی اجازت طلب کی۔ تو اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہ دی۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۴ ص ۳۲۴)

ابن تیمیہ کے مذکورہ جواب سے درج ذیل امور سامنے آئے۔

۱۔ والدین کریمین کے زندہ کرنے اور انہیں مشرف باسلام کرنے کی بابت میں ذکر کردہ روایات پر تمام اہل معرفت متفق ہیں کہ وہ موضوع ہیں۔

۲۔ کسی معتبر کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں اور نہ ہی کسی تفسیر یا مغازی میں اس کا ذکر ہے۔

۳۔ کسی ثقہ آدمی نے بھی اس کا ذکر نہ کیا۔ جو اس کے موضوع اور جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ جن لوگوں نے اسے ذکر کیا۔ ان میں سے خطیب بغدادی اور ابن شاہین تو ہر طرح کی روایت ذکر کر دیتے ہیں ہاں سہیلی نے اسے ذکر کیا۔ لیکن اس کی سند میں راوی مجہول ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کے ذکر کرنے سے اس کا صحیح اور ثابت ہونا درست نہیں۔

۵۔ روایت مذکورہ کتاب اللہ، سنت صحیحہ اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔

ابن تیمیہ کے جواب میں سے نچوڑ کے طور پر ہم نے پانچ باتیں نکالی ہیں اب ہم ان میں سے ہر ایک کا تحقیقی و تشفی کن جواب تحریر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان پانچ عدد دعووں کی کیا حیثیت ہے۔ ان امور کے تقابلی جائزہ کے لئے امام شیخ حسین بن محمد دیار بکری کی کتاب "تاریخ خمیس" سے ایک طویل اقتباس پیش کرتے ہیں۔

روی انہا امنت باک نبی بعد موتہا قال الشیخ جلال الدین السیوطی فی رسالتہ المسماۃ بالدرجتہ المنیفہ فی الشریفتہ و ذہب جمع کثیر من الا ئمتہ الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناجیان محکوم لہما بالنجاۃ بالآخرۃ و ہم اعلم الناس بالوالی من خالفہم و قال بغیرۃ ذالک و لا یقصرون عنہم فی الدرجتہ و من احفظ الناس للا حادیث و الآثار و انقد الناس بالادلتہ التی استدلال بہا اولئک فانہم جامعون لا نواع العلوم و متضلعون من الفنون خصوصا" الاربعتہ التی استمد منہا ہذہ المسئلتہ فانہا مبینتہ علی ثلاث قواعد کلامیتہ و اصولیتہ و فقہیتہ و قاعدۃ رابعتہ مشترکتہ بین الحدیث و اصول الفقہ مع ما یحتاج الیہ من سعتہ الحفظ فی الحدیث و صحتہ النقل لہ و طول الباع فی الاطلاع علی ما تقول مثل ذالک و لم یرد من ہذا النوع الاہذہ القصتہ و لم یستبعد ثبوتہا و ان کان لہ من ہذا النمط نطق الذراع و حنین الجذع الا ان ہذہ غیر ما وقع لعیسی فہو شبیہ بالمسالتہ و لا شک ان من الطرق التی یعتضد بہا الحدیث الضعیف موافقتہ القواعد المقررتہ قال الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی

حبا اللہ النبی مزید فضل — علی فضل و کان بہ روفا

فاحیا امہ و کذا اباہ — لایمان بہ فضلا لطیفا

فسلم فالقدیم بہذا قدیر — وان کان الحدیث بہ ضعیفا

(تاریخ خمیس جلد اول ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ مطبوعہ بیروت جدید)

مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا یعنی مرنے کے بعد زندہ ہوئیں اور پھر مشرف بایمان ہوئیں علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ الدرجۃ المنیفہ فی آباء الشریفہ میں لکھا ہے کہ مشہور آئمہ کی کثیر تعداد کا یہ مذہب ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین جنتی ہیں اور آخرت میں ان کی نجات یقینی ہے یہ حضرات آئمہ اپنے اس مسلک کے مخالفین کے اقوال کو اور ان لوگوں کی تحریرات کو بہت اچھی طرح جانتے تھے جنہوں نے ان سے اختلاف کیا اور یہ حضرات اپنے مخالفین سے درجہ میں کوئی کم نہیں اور حدیث و آثار کے حفظ کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر ہیں اور ان دلائل پر تنقید کرنے میں کسی سے کم نہیں جو مخالفین نے پیش کئے کیونکہ یہ حضرات مختلف علوم کے جامع ہی نہ تھے بلکہ تمام فنون جی بھر کر انہوں نے حاصل کر رکھے تھے بالخصوص چار فنون کہ جن سے اس مسئلہ میں مدد لی جاتی ہے اس مسئلہ کے معاون اور مبداء کلام، اصول اور فقہی قواعد ہیں اور چوتھا قاعدہ حدیث اور اصول فقہ کا مشترکہ ہے ان قواعد کے ساتھ ساتھ حدیث پاک کی وسعت حفظ بھی ان آئمہ کو حاصل تھی اور نقل کی صحت اور آئمہ کے اقوال پر واقفیت میں کامل تھے اور ان کے کلام کے متفرقات کو جمع کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور تھے لہٰذا ان کے بارے میں گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان احادیث سے واقف نہ تھے جن سے ان کے مخالفین نے استدلال کیا بلکہ ان کو ان کی مکمل واقفیت تھی اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے والے تھے اور پھر ان کے ایسے پسندیدہ جوابات دیئے جنہیں مصنف کبھی رد نہیں کر سکتا اور اپنے مذہب پر ایسے دلائل پیش کئے جو قطعیت میں کوہ گراں کی طرح مضبوط ہیں بہر حال دونوں طرف سے علماء اکابر ائمہ ہیں جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کے جنتی ہونے کے قائل ہیں ان کا باہم یہ اختلاف ہے کہ انہیں نجات کیسے ملی۔ ان لوگوں کے تین درجے ہیں (یا ان کے تین مسلک ہیں) پہلا ذریعہ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو آپ کو خاطر زندہ کیا پھر وہ آپ پر ایمان لائے اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں پیش آیا۔ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث ہے محب طبری نے ذخائر العقبیٰ نامی اپنی کتاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حجون میں اترے۔ اور آپ بڑے غم زدہ اور پریشان تھے وہاں جس قدر خدا نے چاہا ٹھہرے رہے پھر واپس خوشی کے ساتھ تشریف لائے فرمانے لگے۔ میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا تو اس نے میری خاطر میری والدہ کو زندہ کیا پھر وہ مجھ پر ایمان لے آئیں اور پھر انتقال فرما گئیں ابن شاہین نے اپنی کتاب الناسخ و المنسوخ میں ان لفظوں سے یہ روایت ذکر کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہم لوگ حج پر گئے تھے تو آپ مجھے لے کر حجون کی گھاٹی پر تشریف لے گئے آپ رو رہے تھے۔ پریشان اور غم زدہ تھے انہیں روتا دیکھ کر میں بھی رو پڑی۔ پھر آپ نیچے اترے اور فرمایا اے حمیرا! مجھے سہارا دو میں نے اونٹ کی ایک جانب سہارا دیا آپ کچھ دیر اسی حالت میں رہے پھر میری طرف مڑے اور تبسم فرما تھے فرمانے لگے میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اسے زندہ فرما دے تو اللہ نے انہیں زندہ فرما دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ کیا اور وہ دونوں مجھ پر ایمان لائے السہیلی نے شرح السیرۃ میں اور الخطیب نے السابق واللاحق میں اور ابن شاہین نے الناسخ والمنسوخ میں دار قطنی وابن عساکر نے غرائب مالک میں بغوی نے تفسیر میں محب طبری نے خلاصۃ السیر میں لکھا سہیلی نے روض الانف

میں اور الفاظ دیگر اسناد کے ساتھ یہی واقعہ نقل کیا ہے اس کی اسناد ضعیف ہیں ابن شاہین طبری اور اصلاح الصفوی نے اپنی نظم میں اسے لکھا۔ حافظ شمس الدین

بن ناصر الدین دمشقی نے اپنی ابیات میں اسے نقل کیا ہے اور ان حضرات نے اسے ان احادیث کا ناسخ قرار دیا ہے جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ ان سے متاخر ہے اور ان علماء نے اس بات کی پرواہ نہ کی کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حدیث ضعیف باتفاق علماء فضائل و مناقب میں تسلیم کی جاتی ہے اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر مشرف با اسلام ہونا ان کی ایک منقبت ہی ہے بعض علماء نے اس حدیث کی ایک اور قاعدہ سے تائید پیش فرمائی وہ یہ کہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کرام کو جو جو معجزات و خصوصیات عطا فرمائیں ان تمام کی مثل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی عطا فرمائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبروں سے مردے زندہ کرنے کا اعجاز عطا کیا لہٰذا ضروری تھا کہ اس کے مثل معجزہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی عطا کیا جاتا اور اس بارے میں صرف ایک واقعہ ملتا ہے اور اس کے ثبوت کو عقل کوئی بعید نہیں سمجھتی اگرچہ اس سے ملتا جلتا ایک معجزہ بکری کے اعضاء کا گفتگو کرنا اور ستون کا گڑگڑانا بھی ہے لیکن حضرت موسیٰ کے معجزہ اور ان میں بڑا فرق ہے لہٰذا والدین کریمین کا واقعہ حضرت عیسیٰ کے معجزہ سے کامل مشابہت اور مماثلت رکھتا ہے اور یہ بات شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ ایسی ضعیف حدیث اگر قواعد مقررہ کے موافق ہو جائے تو اس میں مضبوطی اور پختگی آ جاتی ہے حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فضل پر فضل دینا پسند فرمایا اور اللہ تعالیٰ آپ پر بہت زیادہ مہربان ہے سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ اور آپ کے والد کو دوبارہ زندہ کیا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ان کے شامل حال ہو تجھے اللہ تعالیٰ کی اس پر قدرت تسلیم کر لینی چاہئے اگرچہ جس حدیث میں یہ واقعہ آیا ہے وہ ضعیف ہے۔ (۵)

ابن تیمیہ اور تاریخ خمیس کے مندرجات کا تقابل

ابن تیمیہ

۱۔ اہل معرفت متفق ہیں کہ حدیث احیاء ابوین موضوع اور کذب ہے۔

۲۔ کسی معتبر کتاب میں اس حدیث کو نہیں لکھا گیا کسی مفسر نے بھی اپنی تفسیر میں اسے نہیں لکھا

۳۔ کسی ثقہ آدمی نے اسے نہیں لکھا

تاریخ خمیس

۱۔ والدین کریمین کو زندہ کرنے والی حدیث اور اس سے ثابت شدہ عقیدہ علمائے اسلام کا عقیدہ ہے اور اہل معرفت انہی کو کہتے ہیں۔

۲۔ تاریخ خمیس، شرح السیرۃ للسیلی السابق واللاحق الخطیب الناسخ والمنسوخ لابن شاہین میں یہ واقعہ مذکور ہے اور یہ کتب علمائے کرام کے نزدیک معتبر ہیں تفاسیر میں سے قرطبی بغوی نے اسے اپنی تفاسیر میں لکھا۔

۳۔ تیرہ کی تعداد میں وہ حضرات ہیں جو آئمہ حدیث و تفسیر ہیں ان کی کتب میں یہ حدیث موجود ہے حوالہ کے لئے البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ ص ۳۱۸ القرطبی جلد ۲ ص ۱۰۴ ابن شاہین جلد ۱۲ ص ۳۲۹ خطیب بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۴۲ امام بغوی جلد ۵ ص ۱۴۳ علامہ جلال الدین السیوطی مختلف رسائل میں۔

امام سہیلی کیا غیر ثقہ ہیں؟

ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن الخطیب احمد اندلسی مالکی النحوی اللغوی المحدث المفسر(الکنی والالقاب جلد دوم ص ۳۳۶)

ترجمہ:۔ یعنی امام السیلی ابو القاسم بہت بڑا نحوی، لغت، تفسیر اور حدیث کا امام تھا۔

امام بغوی کیسے آدمی تھے؟

البغوی ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز صاحب المعجم ولد ببغداد ۲۱۳ھ و نشاءھا و کان محدث العراق فی عصرہ طویلا حتی رحل الیہ الناس و کتب عنہ الاجلاء و الاحفاء و الا بناء والا و لاد و کان یورک ابو القاسم وجمع وصنف معجم الکبیر للصحابۃ، سمع احمد بن حنبل و علی ابن مدینی و خلقا یطول ذکرھم من شیوخ البخاری و مسلم(الکنی والالقاب جلد دوم ص ۸۸)

ترجمہ :۔ صاحب معجم امام ابوالقاسم امام بغوی ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اپنے دور کے سب سے بڑے عراق کے محدث تھے لمبی عمرپائی لوگ ان کے پاس آتے ان سے دادے ' پوتے نواسے اور باپ بیٹا لکھتے تھے اس کے بعد انہوں نے معجم کبیر لکھی امام احمد بن حنبل اور علی بن مدائنی اور ان کے علاوہ بہت سے اکابر نے سماع حدیث کیا امام بخاری اور مسلم کے شیوخ میں سے ہیں

ابن شاہین کیسے آدمی تھے

ابو حفص عمر و بن احمد بن عثمان ذکر ذالک الخطیب فی تاریخہ بغداد ثم قال و کذالک انا اول ما سمعت الحدیث اخبرنا القاضی ابوالحسین محمد بن علی بن محمد الهاشمی قال قال لنا ابو الحفص بن شاهین و لدت فی ۲۹۷ھ و اول ما کتبت الحدیث ۳۰۸ھ و صنفت ثلاثمائة مصنف و ثلاثین مصنف احدها التفسير الكبير الف جزاء و المسند الف جزء و خمسمائة جزء والتاريخ مائة و خمسين جزاء و الزهد مائة جزء (الکنی والا لقاب جلد ا ص ۳۲۳) زرقانی شرح مواہب جلد اول ص ۱۲۶)

ابن شاہین کا خطیب نے ذکر کیا کہ میں نے ان سے سب سے پہلے حدیث حاصل کرنے والا ہوں قاضی ابوالحسین محمد بن علی ہاشمی نے کہا کہ ہمیں ابن شاہین نے بتایا میری پیدائش ۲۹۷ ہجری میں ہوئی اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب میں نے ۳۰۸ھ میں لکھی میں نے تین سو تیس بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے جو ایک ہزار جزء پر مشتمل ہے ایک مسند جو ایک ہزار پانچ سو اجزاء پر مشتمل ہے ایک تاریخ جو ایک سو پچاس اور ایک الزہد پر جو ایک سو اجزاء پر مشتمل ہے۔

توضیح

یہ دو حضرات ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے والی حدیث ذکر کی یہ اپنے وقت کے مشہور محدث' مفسر' فقیہہ اور مورخ تھے ہزاروں صفحات پر پھیلی کتاب کے مصنف ہیں امام بخاری و مسلم نے علامہ بغوی سے شرف تلمذ حاصل کیا لہٰذا انہی پر دیگر حضرات کو قیاس کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا کہ کسی ثقہ آدمی نے کسی محدث نے کسی مفسر نے مذکورہ روایت کو ذکر نہیں کیا کیا یہ علم کی دنیا میں عظیم بد دیانتی نہیں کیا یہ بہتان نہیں ہے؟

ابن تیمیہ

ابن تیمیہ نے مزید لکھا ہے کہ خطیب بغدادی کا حوالہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ اس کی کتاب السابق

واللاحق کا موضوع یہ نہیں بلکہ ہم نام محدثین کرام میں سے سابق اور لاحق کا تذکرہ کرتا ہے اس لئے اس موضوع پر اس کی بات کا کوئی وزن نہیں اور سہیلی کی روایت میں مجہول راوی ہیں اس لئے اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں

اگر ابن تیمیہ کے بقول ان دونوں حضرات کا موضوع صرف اتنا ہی تھا جس قدر ابن تیمیہ نے بیان کیا تو پھر ان کتابوں کے مطالعہ سے ابن تیمیہ کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے کیونکہ الخطیب بغدادی نے محدثین کرام کے حالات' ضبط و حفظ کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کے کچھ روایات سے استنباط بھی کیا ہے ورنہ سیدھی سی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہونے اور مشرف بایمان ہونے کا کسی محدث کے مقدم یا موخر ہونے سے کیا تعلق ابن تیمیہ کے اس خیال کی تردید ایک حوالہ سے ملاحظہ ہو۔

الخطیب البغدادی ابوبکر احمد بن علی ولد ۳۹۲ھ و توفی ۷ ذی الحجۃ ۴۶۳ھ حکی ان الخطیب کان تصدق بجمیع مالہ و ھو مائتنا دینار فرقھا علی ارباب الحدیث و الفقراء فی مرضہ و اوصی ان یتصدق عنہ بجمیع ما علیہ من الثیاب و وقف جمیع کتبہ علی المسلمین و لم یکن عقب و کان انتھا علیہ علم الحدیث و حفظہ فی وقتہ قال الذہبی توفی الخطیب و مات العلم بو فاتہ (الکنی و الالقاب جلد ۲ ص ۲۰۸)

ترجمہ :۔ بغدادی ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷ ذوالحجہ ۴۶۳ھ میں وفات پائی بیان کیا گیا ہے کہ خطیب بغدادی نے اپنا تمام مال بوقت وصال محدثین کرام اور فقرا پر بانٹ دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ جسم کے کپڑے بھی فی سبیل اللہ صدقہ کر دیئے جائیں اپنی تمام کتب مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں کیونکہ ان کی اولاد نہ تھی حدیث پاک کا علم اور اس کے حفظ کا معاملہ ان کے وقت میں انتہا پر پہنچ گیا تھا (یعنی آپ بہت بڑے عالم الحدیث اور حافظ الحدیث تھے) امام ذہبی کا قول ہے کہ خطیب بغدادی کی وفات سے علم فوت ہو گیا۔

ان حوالہ جات سے ابن تیمیہ کی گپ اور حقیقت حال کا آپ کو ضرور علم ہو گیا ہو گا یہی وہ حضرات محدثین کرام ہیں جو ابن تیمیہ کی نظروں میں نہ ثقہ ہیں نہ محدث نہ مفسر اور نہ ان کی کتب کتب معتبرہ میں شمار ہوتی ہیں امام ذہبی جیسے بزرگ محدث فرمائیں کہ خطیب کی موت سے علم بھی فوت ہو گیا اور ابن تیمیہ یہ تاثر دے کہ خطیب ایک واعظ اور مورخ قسم کا آدمی ہے اس کی تحریرات و کتب کوئی اعتباری تصنیفات نہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا

کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا زندہ ہونا اور ایمان لانا" آیات ' احادیث صحیحہ اور اجماع کے خلاف ہے اس خلاف کو اس نے قرآنی آیات ' حدیث صحیحہ کی دو احادیث سے واضح کیا ہے ان آیات کا مفہوم کیا ہے اور مذکورہ احادیث کی تشریح کیا ہے؟ ملا علی قاری کے سوالات کے جواب میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں لیکن دونوں (ملا علی قاری اور ابن تیمیہ) میں فرق یہ ہے کہ ملا علی قاری کی اس نظریہ سے توبہ منقول ہے لیکن ابن تیمیہ

کی توبہ کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے ہم نے دونوں کے جوابات میں علیٰحدہ علیٰحدہ انداز اختیار کیا ہے وہاں جواب مختصر تھا لیکن یہاں شق وار اور تفصیل کے ساتھ جواب دیا جا رہا ہے علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے اس عقیدہ کے پیروکار ہمارے ہاں بھی معروف و متعارف ہیں فتاوی رشیدیہ میں رشید احمد گنگوہی نے بھی اس کے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ آپ کے والدین کریمین مومن نہیں اب ہم ان آیات کو لیتے ہیں جن سے ابن تیمیہ نے آپ کے والدین کا کافر ہونا ثابت کیا ہے۔

حدثنا المثنی قال حدثنا اسحاق قال حدثنا ابن ابی جعفر عن ابیہ عن الربیع انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجہالۃ ثم یتوبون من قریب قال نزلت اولی فی المومنین و نزلت الوسطی فی المنافقین یعنی و لیست التوبۃ للذین یعملون السیات والاخری فی الکفار یعنی و لا الذین یموتون و ہم کفار (تفسیر ابن جریر جلد چہارم ص ۲۰۶)

ترجمہ:۔ جناب ربیع کہتے ہیں کہ انما التوبۃ علی اللہ الخ پہلی آیت مومنوں کے بارے میں اور درمیانی یعنی و لیست التوبۃ للذین الخ منافقوں کے بارے میں اور آخری یعنی و لا الذین یموتون و ھم کفار ' کافروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

قال ابن عباس و ابوالعالیۃ و الربیع بن انس رو لا الذین یموتون و ہم کفار قالو انزلت فی اہل الشرک (تفسیر ابن کثیر جلد ا ص ۴۶۳)

ترجمہ:۔ ابن عباس ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت ولا الذین یموتون و ھم کفار' مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔

لمحہ فکریہ

ابن تیمیہ نے "**وَلَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ ہُمۡ کُفَّارٌ**" سے ثابت کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین مومن نہیں طریقہ اثبات یہ اختیار کیا گیا ہے کہ جو لوگ حالت کفر پر مرجاتے ہیں ان کی توبہ مقبول نہیں ہوتی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا حالت کفرو شرک میں انتقال ہوا تھا اس لئے اگر وہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لے آئیں اور ان کا ایمان تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس آیت کی مخالفت لازم آتی ہے ذرا عقل ہوتی تو اس استدلال پر خود شرم آجاتی کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے کسی شخص کا حالت کفرو شرک پر مرنا متحقق ہو تو پھر اس کی توبہ کسی کام نہ آئے گی کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اس حالت پر انتقال کرنا متحقق ہے؟ اس مفہوم کے پیش نظر حضرات مفسرین کرام نے اس سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو کافر ہیں اور کفر پر ان کا خاتمہ ہوا۔ یا منافق ہیں جو حالت نفاق میں ہی دنیا سے اٹھ گئے منافق کسے کہتے ہیں؟ وہ شخص جو بظاہر اسلام کا اقرار کرتا اور ان کا اقرار کسی دنیوی مفاد کی خاطر ہو دل انکا اسلام و ایمان کی حقانیت کو جھٹلاتا ہے اسے منافق کہا جاتا ہے اب کوئی ابن تیمیہ سے پوچھے کہ کیا سرکار دو عالم حضرت محمدؐ کے والدین پر نفاق کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ آپ کے والدین

کی توبہ کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے ہم نے دونوں کے جوابات میں علیٰحدہ علیٰحدہ انداز اختیار کیا ہے وہاں جواب مختصر تھا لیکن یہاں شق وار اور تفصیل کے ساتھ جواب دیا جا رہا ہے علاوہ ازیں ابن تیمیہ کے اس عقیدہ کے پیروکار ہمارے ہاں بھی معروف و متعارف ہیں فتاوی رشیدیہ میں رشید احمد گنگوہی نے بھی اس کے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ آپ کے والدین کریمین مومن نہیں اب ہم ان آیات کو لیتے ہیں جن سے ابن تیمیہ نے آپ کے والدین کا کافر ہونا ثابت کیا ہے۔

حدثنا المثنی قال حدثنا اسحاق قال حدثنا ابن ابی جعفر عن ابیہ عن الربیع انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب قال نزلت اولی فی المومنین و نزلت الوسطی فی المنافقین یعنی و لیست التوبۃ للذین یعملون السیات والا خری فی الکفار یعنی و لا الذین یموتون و ھم کفار (تفسیر ابن جریر جلد چہارم ص ۲۰۶)

ترجمہ :- جناب ربیع کہتے ہیں کہ انما التوبۃ علی اللہ الخ پہلی آیت مومنوں کے بارے میں اور درمیانی یعنی و لیست التوبۃ للذین الخ منافقوں کے بارے میں اور آخری یعنی و لا الذین یموتون و ھم کفار ' کافروں کے بارے میں نازل ہوئی۔

قال ابن عباس و ابوالعالیۃ و الربیع بن انس رو لا الذین یموتون و ھم کفار قالو انزلت فی اھل الشرک (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۶۴)

ترجمہ :- ابن عباس ابوالعالیہ اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت ولا الذین یموتون و ھم کفار ' مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔

لمحہ فکریہ

ابن تیمیہ نے "**وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ ھُمْ کُفَّارٌ**" سے ثابت کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین مومن نہیں طریقہ اثبات یہ اختیار کیا گیا ہے کہ جو لوگ حالت کفر پر مرجاتے ہیں ان کی توبہ مقبول نہیں ہوتی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا حالت کفرو شرک میں انتقال ہوا تھا اس لئے اگر وہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لے آئیں اور ان کا ایمان تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس آیت کی مخالفت لازم آتی ہے ذرا عقل ہوتی تو اس استدلال پر خود شرم آ جاتی کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے کسی شخص کا حالت کفرو شرک پر مرنا متحقق ہو تو پھر اس کی توبہ کسی کام نہ آئے گی کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اس حالت پر انتقال کرنا متحقق ہے؟ اس مفہوم کے پیش نظر حضرات مفسرین کرام نے اس سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو کافر ہیں اور کفر پر ان کا خاتمہ ہوا۔ یا منافق ہیں جو حالت نفاق میں ہی دنیا سے اٹھ گئے منافق کسے کہتے ہیں؟ وہ شخص جو بظاہر اسلام کا اقرار کرتا اور ان کا اقرار کسی دنیوی مفاد کی خاطر ہو دل انکا اسلام و ایمان کی حقانیت کو جھٹلاتا ہے اسے منافق کہا جاتا ہے اب کوئی ابن تیمیہ سے پوچھے کہ کیا سرکار دو عالم حضرت محمدؐ کے والدین پر نفاق کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ آپ کے والدین

ابوین کے زمانہ میں کوئی پیغمبر موجود نہ تھا کوئی نبی تبلیغ کرنے والا نہ تھا کہ جس کی دعوت کو اوپر اوپر سے مان لیتے اور اندر سے اس کی مخالفت اور تکذیب پر ڈٹے ہوتے تاکہ انہیں منافق کہا جا سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ خطہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا اس اڑھائی ہزار سال کے دور میں کسی کے بارے میں منافق ہونا کسی طرح متحقق نہیں ہو سکتا لہٰذا اگر آیت کریمہ سے مراد منافق لے جائیں تو بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین اس میں شامل نہیں ہوتے۔

یہاں اگر کوئی منکر یہ کہنے کی جسارت کرے کہ چلو ہم نے مانا کہ آیت مذکورہ آپ کے والدین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی لیکن یہ تو ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اہل فترت بطور عموم ہوں اس اعتبار سے حضور کے والدین پر بھی یہ آیت منطبق ہو جائے گی تو ہم اس جسارت کا یہ جواب دیں گے کہ آیت مذکورہ کا نزول اہل فترت کے بارے میں ہو اس کی تائید میں کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ہی دکھا دو ہم منہ مانگا انعام دیں گے۔

دوسرا خطاب اس آیت سے مشرکین کو ہے جیسا کہ ابن کثیر نے کہا جو ابن تیمیہ کا اس مسئلہ میں پیرو ہے اب وہی سوال ہم پھر دہرائے دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کا شرک کرنا کہیں سے ثابت کر دکھاؤ کوئی صحیح حدیث اگرچہ خبر واحد ہی ہو اس پر پیش کرو اسی طرح اگر اس کا مصداق کفار لئے جائیں تو پھر بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ کے والدین نے کفر کیا تو جب ان کا نفاق شرک اور کفر کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں تو پھر اس آیت سے ان کی ذات مراد لینا کہاں کی عقلمندی ہے تو معلوم ہوا کہ آیت سے زبردستی استدلال کر کے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کا کفر و شرک ثابت کیا گیا اور ان کا زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا اس آیت کے خلاف جانا بیان کیا گیا۔

اعتراض :۔

ابن تیمیہ کہتا ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام لانا حدیث صحیح کے خلاف ہے۔

اور اس مخالفت کے ثبوت میں ابن تیمیہ نے مسلم شریف کی دو احادیث پیش کیں یعنی زندہ ہو کر ایمان لانے والی حدیث موضوع ہے اس کے موضوع ہونے کی مسلم شریف والی دو احادیث دلیل ہیں وہ دو حدیثیں یہ ہیں میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہیں اور آپ کو والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت نہ ملی اجازت استغفار نہ ملنا ان کے کافر ہونے کی دلیل ہے آئیے ذرا ان دونوں احادیث کے بارے میں طریقہ استدلال کی روشنی میں کچھ گفتگو ہو جائے۔

جواب :۔

اول دونوں حدیث مؤولہ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اس کا تعلق اہل تکلیف کے ساتھ گنہگار ہونے کی صورت میں ہوتا ہے اور آپ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں انتقال فرما گئے کسی

نبی کی بعثت کا زمانہ نہ پایا۔ اس لئے نہ ان سے اپنے دور کے مطابق کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ اس کے مغفرت کی ضرورت تھی جیسا کہ نابالغ بچہ فوت ہو جائے تو اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں کی جاتی ان دونوں احادیث کا یہ معنی پیش نظر ہو تو پھر آپ کے والدین کا کفران سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے پھر ابن تیمیہ کی عقل پر پتھر پڑ گئے ایذائے رسول میں اتنا بھی بھول گیا کہ کسی کو کافر و مشرک ثابت کرنا ہو تو وہاں ایسے دلائل سے کام نہیں چلتا جن کی تاویل کی گئی ہے بلکہ اس کے لئے نص قطعی درکار ہوتی ہے ہاں ضعیف احادیث سے فضائل، مناقب کا ثبوت اہل علم کے ہاں مسلم ہے تماشہ یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے ابن تیمیہ وغیرہ کو حضور کے والدین کا ایمان ثابت کرنا دشوار نظر آتا لیکن انکے کفر و شرک کے اثبات کے لئے مؤولہ احادیث کو بھی نص قطعی کا درجہ دے دیا۔

جواب دوم

و من ادلته المقدمته الاولی حدیث بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیه ولی سنن البیهقی ما افترق الناس فرقتین الاجعلنی الله فی خیر هما و اخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئی من عهد الجاهلیته و خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن ادم حتی انتهیت الی ابی و امی فانا خیر کم نفسا و خیر کم ابولا فخر

و من ادلته المقدمته الثانیه ما اخرجته عبدالرزاق فی المصنف و ابن لمنذر فی تفسیره بسند صحیح علی شرط الشیخین عن علی ابن ابی طالب قال لم یزل علی وجه الارض من یعبدالله علیها و اخرج امام احمد بن حنبل فی الزهد و الجلال فی کرامات الاولیاء بسند صحیح علی شرط الشیخین عن ابن عباس قال ما خلت الارض من بعد نوح من سبعته یدفع الله بهم عن اهل الارض فی اثار اخر و اذاقرنت بین المقدمتین انتج منها قطعا ان اباء النبی لم یکن فیهم شرک لانه قدثبت فی کل منهم انه خیر قرنه فان کان الناس الذین هم علی الفطرة هم اباء هم فهوالمدعی و ان کانوا غیر هم و علی الشرک لزم احدا مرین اما ان یکون المشرک خیرا من المسلم و هو باطل بنص القران والا جماع و اما ان یکون غیر هم خیر امنهم و هو باطل لمخالفته الاحادیث الصحیحته فوجب قطعا ان لایکون فیهم شرک لیکونو خیر اهل الارض

مقدمہ اولیٰ کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں سے بھیجا گیا حتیٰ کہ میں اس قرن میں آیا جس میں میں ہوں سنن البیہقی میں ہے اللہ تعالیٰ نے جب بھی لوگوں کے دو گروہ بنائے تو مجھے ان دونوں میں سے بہتر میں رکھا اور میں اپنے والدین سے ظہور پذیر ہوا تو مجھے جاہلیت کے عہد کی کوئی بات ہاتھ نہ لگا سکی اور میں نکاح کے ذریعہ ظاہر ہوا بدکاری میرے ظہور کا تعلق نہیں اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے چل کر میرے والدین تک اسی طرح پہنچا لہذا میں باعتبار اپنی ذات کے اور

باعتبار آباؤ اجداد کے تم سب سے بہتر ہوں اور قطعاً کوئی فخر نہیں۔

مقدمہ ثانیہ کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ روایت ہے جو عبدالرزاق نے مصنف میں ذکر کی ابن المنذر نے تفسیر میں تحریر کی دونوں کی روایت میں امام بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند پر مشتمل ہے حضرت علی المرتضیٰ سے ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا زمین پر ہر دور میں کچھ لوگ ایسے رہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے امام احمد بن حنبل نے الزہد میں جلال نے کرامات اولیا میں شیخین کی شرائط پر سند صحیح کے ساتھ یہ روایت بیان کی ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سات آدمی ہر دور میں ایسے باکرامت موجود رہے کہ ان کی برکت سے اللہ تعالےٰ زمین والوں کی سختیاں دور کر دیا کرتا تھا۔

جب ان دونوں مقدمات کو ملایا جائے تو پھر یہ نتیجہ قطعی طور پر معلوم ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا کیونکہ پہلے مقدمہ سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے دور کے بہترین لوگ تھے لہذا اگر وہ لوگ جو دین فطرت پر تھے آپ کے آباؤ اجداد ہیں تو ہمارا یہی مدعی ہے اور اگر ان کے غیر تھے اور وہ شرک پر تھے تو پھر دو باتوں میں سے ایک بہر حال لازم آئے گی اول یہ کہ مشرک کو مسلمان سے بہتر ماننا پڑے گا حالانکہ یہ نص قرآنی سے باطل ہے اور اجماع امت کے بھی خلاف ہے اور دوم یہ کہ ان کے غیر لوگ ان سے بہتر قرار پائیں گے اور یہ اس لئے باطل ہے کہ احادیث صحیحہ اس کی مخالفت کرتی ہیں لہذا یہ بات قطعاً واجب کہ آپ کے اجداد میں شرک نہ تھا اور اہل زمین میں سے بہتری اسی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

جواب سوم

قال اسباط عن السدی الا الذی فطرنی قال خلقنی و قولہ و جعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یقول تعالیٰ ذکرہ و جعل قولہ انی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی و ھو قول لا الہ الا اللہ کلمۃ باقیۃ فی عقبہ و ھم ذریتہ فلم یزل فی ذریتہ من یقول ذالک من بعدہ ابن عبداللہ علی قال حدثنا ابن ثور عن معمر قال التوحید والاخلاص و لا یزال فی ذریتہ یوحد اللہ و یعبداللہ (تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ ص ۳۸۔ ۳۹)

ترجمہ اسباط نے سدی سے بیان کیا کہ "**الا الذی فطرنی**" کا معنی خلقنی ہے اور و جعلھا کلمہ باقیہ سے مراد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں باقی رہے گا جناب معمر بن قتادہ نے کہا "کلمۃ باقیۃ" سے مراد توحید اور اخلاص ہے اور آپ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم اور اس کی عبادت کرنے والا ہر دور میں رہے گا۔

لقد استجاب اللہ دعائہ فلم یزل فی ذریتھما لمن یعبداللہ وحدہ لایشرک بہ شیأ "تفسیر غرائب القرآن جلد ۱ ص ۳۱ بر حاشیہ جریر ۱۹"

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی لہذا ان دونوں (ابراہیم، اسماعیل علیہ السلا
کی اولاد میں کوئی نہ کوئی ہر دور میں ایسا آدمی موجود رہے گا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا مقر ہو اور کسی کو اس کے سا
شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

لمحہ فکریہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں جس کا لازما" نتیجہ یہ کہ آپ کی او
میں ہر دور کے اندر ایسے افراد موجود رہیں گے جو لا الہ الا اللہ پڑھنے والے اس مفہوم کو تسلیم کرنے والے یعنی مو
اور مومن ہوں گے آپ کی یہ دعا کہ میری اولاد میں سے ایک جماعت اپنی فرمانبردار رکھنا اب دونوں دعاؤں کا مصدا
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آباؤ اجداد بطریقہ اولی ہوئے اس لئے آپ کے والدین کریمین کو اگر موحد
مومن تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا نامقبول ہونا مترشح ہوتا ہے اور احادیث صحیح
کا انکار لازم آتا ہے۔(۵)

جواب چہارم

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا

تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا زمانہ وہ تھا جس
میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا کوئی دعوت اسلام دینے والا نہ تھا ایسے لوگوں کے بارے میں نص قطعی ہے "وما کنا
معذبین حتی نبعث رسولا" ہم بعثت رسول کے بغیر کسی کو عذاب دینے والا نہیں ایک طرف یہ نص قطعی اور دوسری
طرف وہ حدیث جو ابن تیمیہ نے پیش کی۔ نص قطعی کا مقابلہ حدیث صحیح سے کیا جا رہا ہے۔ کیا یہی علم شناسی اور شیخ
الاسلامی ہے؟

نوٹ:۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اہل فترت کی تین اقسام ہیں ایک وہ جو مومن اور موحد تھے دوسرے جو
غفلت کا شکار ہوئے تیسرے وہ جنہوں نے دین میں تغیر و تبدیلی کی اور کفر و شرک پر مرے ان تینوں میں سے حضور صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین یقیناً" پہلے گروہ میں داخل ہیں اور اس گروہ کی تکفیر و تفسیق درست نہیں بلکہ
یہ جنتی ہیں۔

اعتراض

ابن تیمیہ کہتا ہے کہ ابن شاہین نے جو روایت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کے زندہ ہونے اور اسلام لانے کی تائید میں پیش کی ہے اس میں مجہول راوی ہیں۔

جواب

ابن تیمیہ کی اس بات کو اور اس کی پچھلی بات کو ذرا ملا کر دیکھیں تو معاملہ واضح ہو جائے گا پہلے کہا کہ اس حدیث کو کسی ثقہ شخص کسی مفسر کسی محدث اور کسی معتبر نے ذکر نہیں کیا لیکن اس اعلان میں کم از کم ابن شاہین پر بھی ہاتھ صاف کر دیا گیا اب کہا جا رہا ہے کہ ہاں ابن شاہین نے اس روایت کو ذکر کیا لیکن اس کے راوی مجاہیل ہیں ذرا اس تناقض کے بعد اس کی حقیقت حال دیکھیں کہ تسلیم کر لیا کہ ابن شاہین ایسے محدث و مفسر نے یہ روایت ذکر کی ہے لیکن اس کے راویوں کو مجہول کہہ کر یہ تاثر دیا گیا کہ جس روایت کے راوی مجہول ہوں وہ موضوع ہوتی ہے کیونکہ یہی حضرت پہلے ببانگ دہل کہہ چکے ہیں کہ یہ روایت موضوع اور کذب ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی روایت کے راوی اگر سبھی مجہول ہوں تو وہ موضوع کہلاتی ہے اور جھوٹ بن جاتی ہے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ مذکورہ روایت ایک سند سے مروی نہیں اور نہ ہی اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں ابن تیمیہ نے جن کے مجہول ہونے کا بیان کیا محدثین کرام کے نزدیک وہ مجہول ہے ہی نہیں مختلف اسناد سے یہ روایت جب ابوہریرہ پر جا کر متفق ہو جاتی ہے ان اسناد کا تذکرہ علامہ زرقانی نے کیا ہے لیکن ابن شاہین کی روایت میں ابوزنیہ کا نام نہیں ہے آیئے ذرا یہ حدیث اور اس کی سند دیکھیں پھر اس کے راویوں پر تنقید کا حال دیکھیں۔

للامن الخطیب انبانا ابوالعلا الواسطی حدثنا الحسن بن محمد الحلبی حدثنا ابوطالب عمر بن الربیع الزاهد حدثنا علی ابن ایوب الکعبی حدثنا محمد بن یحیی الزهری عن ابی عزیز حدثنا عبد الوهاب ابن موسی حدثنا مالک بن انس عن ابی الزناد عن ہشام بن عروۃ عن عائشہ قالت حج بنا رسول الله علیه وسلم حجته الوداع فمر بی علی عقبته الحجون ثم انه نزل فقال یا حمیرا استمسکی فاستندت الی جنب البعیر فمکث ملیا ثم عادالی و هو فرح متبسم فقال ذهبت لقبر امی فسالت ربی ان یحییها فاحیاها فامنت بی وردها الله(زرقانی جلد اول ص ۱۶۶۔۱۶۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ حج الوداع میں گئے تو آپ مجھے عقبۃ الحجون کی طرف لے گئے پھر آپ سواری سے اترے اور کہا اے حمیرا ٹھہر جاؤ میں اونٹ کی ایک جانب ٹیک لگا کر بیٹھ گئی آپ تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر میری طرف ہنسی خوشی اور مسکراتے تشریف لائے فرمانے لگے میں اپنی والدہ کی قبر پر حاضر ہوا اور اللہ تعالی سے ان کے لئے دعاء کی کہ انہیں زندہ کر دے تو اللہ تعالی نے انہیں زندہ کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں اور پھر اس جہان میں تشریف لے گئیں۔

اس حدیث کی مذکورہ سند پر بحث

اخرج الدار قطنی هذا الحدیث من هذا الوجه و قال باطل و ابن عساکر و قال منکر و هشام لم یدرک عائشة فلعل
.فقط من کاتب
عن ابیه قال فی اللسان ثبت فی روایته عن ابیه التی ظن انها اسقطت فهو کما ظن یشیر الی روایتی الطبری
و ابن الشاهین الثابت فیهما عن ابیه کما قد سنا و ذکره ابن الجوزی فی الموضوع و لم یتکلم علی رجاله و
المیزان ان عمر بن ربیع کذاب و رده فی اللسان بان الدار قطنی ضعفه فقط و قال مسلمة بن قاسم تکلم فیه قوم و
وثقه اخرون و کان کثیر الحدیث و الکعبی قال الذهبی لا یکاد یعرف و کانه تبع قول ابن عساکر مجهول و رده
اللسان بان الدار قطنی عرفه و سماه علی بن احمد و یاتی الکلام علی باقی رجاله فلا تیصور کونه موضوعا بل
ضعیف فقط۔

فتخلص ان الحدیث غیر موضوع قطعا لانه لیس فی روایته من اجمع علی جوحه فان مداره علی ابی
من عبدالوهاب ولد و تقو من فوقه من مالک فصاعد الا یسال عنهم لجلالتهم و الساقط بین هشام و عائشة
عروة کما ثبت فی طریق اخروا بو غزیه قال فیه الدار قطنی منکر الحدیث و ابن الجوزی مجهول و ترجمه
یونس ترجمة جیدة اخرجته عن حدالجهالته و کعبی اکثر ما قیل فیه مجهول و قد عرف و عمر بن الربیع
مسلمة توثیقه عن اخرین و انه کان کثیر الحدیث فهذا الطریق بهذا الاعتبار ضعیف لا موضوع علی
الصنعته فکیف وله متابع اجودسنه و هو طریق احمد الحضر می عن ابی غزیه(زرقانی جلد اول ص ۱۶۷ تا ۱۶۸)

دار قطنی نے اس حدیث کو اس وجہ سے ذکر کیا۔ اور کہا باطل ہے ابن عساکر نے اسے روایت کیا اور
کہا کیونکہ ہشام نے حضرت عائشہ کو نہیں پایا۔ ہو سکتا ہے کہ کتابت میں "عن ابیہ" کا لفظ ساقط ہو گیا ہو کیونکہ ابن
حجر نے اللسان میں "عن ابیہ" کا لفظ ذکر کیا ہے لہٰذا جو ساقط ہو وہ دوسری جگہ موجود ہے اور یہ اشارہ اس روایت کی
طرف ہے جسے طبری اور ابن شاہین نے ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی اس کا ذکر کر چکے ہیں ابن الجوزی نے اس
حدیث کو موضوع حدیثوں میں ذکر کیا لیکن اس کے رجال پر کوئی گفتگو نہیں کی میزان میں ذہبی نے لکھا ہے کہ عمر بن
ربیع کذاب ہے اور ابن حجر نے اللسان میں اس کو رد کیا ہے کیونکہ دار قطنی نے اسے صرف ضعیف کہا ہے اور مسلمہ
بن ربیع نے کہا۔ کہ لوگوں نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے
کثیر الحدیث تھا کعبی کے متعلق ذہبی کا کہنا ہے کہ یہ معروف نہیں گویا امام ذہبی نے ابن عساکر کے قول "مجہول" کی
اتباع میں اسے کہا ہے اور ابن حجر نے اللسان میں اس کا رد کیا ہے اور کہا کہ دار قطنی نے اس کو معروف کہا ہے اور
اس کا نام علی بن احمد بتایا جاتا ہے باقی رجال پر بھی کلام آرہا ہے لہٰذا اس حدیث کے موضوع ہونے کا تصور بھی نہیں

کیا جا سکتا بلکہ وہ فقط ضعیف ہو سکتی ہے اور ابن الجوزی نے جس طرح اس سند کے اعتبار سے اسے موضوع کہا ہے اس نے اسی طرح ابن شاہین کی روایت کو بھی موضوعات میں سے شمار کیا ہے اور ابن الجوزی نے جو اس پر تنقید کی تو یہ کہتا ہے کہ محمد بن زیاد نقاش ثقہ نہیں ہے اور محمد بن یحییٰ اور احمد بن یحییٰ مجہول ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک بھی ایسا راوی نہیں جس پر تمام محدثین نے با اتفاق جرح کی ہو اس حدیث کا دارومدار ابو غزیہ پر ہے یہ عبدالوہاب سے روایت کرتا ہے اور عبدالوہاب ثقہ ہے اس سے مراد جس قدر رجال ہیں ان کے بارے میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ جلیل القدر راوی ہیں اور ہشام اور حضرت عائشہ کے درمیان جو راوی ساقط ہوا اس کا نام عروہ ہے اس کی نشاندہی دوسری سند سے ملتی ہے ابو غزیہ کے بارے میں دار قطنی نے منکر الحدیث کہا لیکن ابن الجوزی نے مجہول کہا لیکن ابو یونس نے اس کی ایسی ترجمانی کی جس سے اس کی جہالت ختم ہو گئی اور کمی کے بارے میں اکثریہ کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہے یہ درست نہیں کہ بلکہ اس کی تعریف و شناخت مذکور ہے اور عمر بن ربیع کے بارے میں مسلمہ نے دوسرے محدثین سے توثیق نقل کی ہے اور یہ کہ بکثرت احادیث روایت کرنے والا ہے لہذا یہ حدیث اس اعتبار سے صرف ضعیف ہو سکتی ہے کہ موضوع نہیں اور اس (فن التنقید حدیث) کا تقاضا بھی یہی ہے یہ موضوع ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ اسی موضوع پر اور بھی احادیث موجود ہیں جو اس کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط اور جید ہیں اور وہ طریقہ اور سند احمد حضرمی کا ہے جو ابو غزیہ سے ہی سوی ہے۔

خلاصہ

مذکورہ روایت میں جہالت کی تین وجوہات ہیں ۱۔ عمر بن ربیع ۲۔ کمی ۳۔ ہشام اور حضرت عائشہؓ کے درمیان انقطاع۔ جرح میں ان تینوں جہالتوں کا جو صفایا کیا گیا وہ آپ نے ملاحظہ کیا عمر بن ربیع کو بعض محدثین کرام نے مجہول تسلیم نہیں کیا لہذا ان کا بالاتفاق مجہول ہونا ثابت نہیں اسطرح کمی بھی جہالت اور معرفت دونوں میں معروف ہے اور تیسری بات انقطاع تو دوسری سند میں اس چھوڑے گئے راوی کا نام (عروہ) موجود ہونے کی بنا پر یہ انقطاع سبب خلل نہ رہا جب جرح اور تنقید کی یہ حالت سامنے آئی تو امام زرقانی نے زبردستی نہیں بلکہ اس فن کے تقاضوں کے پیش نظر فیصلہ فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ اس حدیث کو ضعیف کہا جا سکتا ہے موضوع کا اس پر اطلاق بالکل نہیں ہوتا۔

ابن شاہین کی روایت کی سند ملاحظہ ہو

رواہ ابوحفص بن شاھین حدثنا محمد بن حسن بن زیاد مولی الانصار حدثنا احمد بن یحیی الحضرمی بمکۃ حدثنا

ابو غزیہ محمد بن یحیی الزہری حدثنا عبدالوھاب بن موسی الزہری عن عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ الخ(زرقانی جلد اول ص ۲۲۶ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

رجال روایت

محمد بن حسین بن زیاد۔ ۲۔احمد بن یحییٰ الحضرمی ۳۔ ابو غزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ۴۔ عبدالوہاب بن موسیٰ الزہری۔ ۵۔ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد' ۶۔ ہشام بن عروہ' ۷۔ عروہ ۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

مذکور سند پر غور و فکر

خطیب بغدادی کے سند کے دو افراد عمر بن ربیع اور الکعبی اس سند میں موجود نہیں ہیں یہی وہ ایسے راوی تھے کہ جن پر بعض حضرات کی جرح تھی اور پھر تیسری قابل اعتراض بات "عن ابیہ" کے الفاظ اس سند میں صراحت سے مذکور ہیں اس لئے خطیب کی روایت مجروح ہونے کی بنا پر یا مجہول رواۃ کے پیش نظر ضعیف تھی یہ روایت جرح سے خالی اور جہالت رواۃ سے مبرا ہونے کے وجہ سے ضعف سے بھی نکل گئی غیر ضعیف کو موضوع قرار دینا اس فن سے کس قدر زیادتی ہے رہا ابن الجوزی کا اسے موضوعات میں لکھنا تو اس کو یوں سمجھا جائے کہ جس طرح صحیح ابن ماجہ اور صحیح نسائی کہا جاتا ہے ان دونوں کتب حدیث میں تمام احادیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف بھی ہیں اس طرح کسی حدیث کا موضوعات میں لکھا جانا ضروری نہیں کہ واقعی موضوع ہو بلکہ وہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور ایسا ہے بھی ابن تیمیہ کا یہ کہنا ہے کہ اس حدیث کو کسی ثقہ نے روایت نہیں کیا اور ابن شاہین کی روایت میں مجاہیل پائے جاتے ہیں ذرا اس کا وزن علامہ زرقانی کی درج ذیل تحریر سے کریں۔

ابو حفص ابن شاھین الحافظ الکبیر الاسلم المفید عمر بن احمد بن عثمان البغدادی الثقۃ المامون صنف ثلثمائۃ و ثلاثین مصنفا منھا التفسیر الکبیر الف جزء و المسند الف و ثلثمائۃ جز مات فی ذی الحجہ سنۃ خمس و ثمانین و ثلثمائۃ(زرقانی جلد اول ص ۲۲۶)

ابو حفص ابن شاہین الحافظ' الکبیر' المفید' الثقہ' المامون ہے اس کی تین سو قسم کی تصنیفات ہیں ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے جو ایک ہزار اجزا پر مشتمل ہے ذی الحجہ ۳۸۵ ھ میں ان کا انتقال ہوا اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ ابن شاہین ثقہ ہیں حافظ الحدیث ہیں اور بہت محتاط شخص ہے اب ابن تیمیہ کی بات کو کون تسلیم کرے گا خلاصہ یہ کہ ابن شاہین کی روایت قابل حجت ہے (۵)

اہل مکہ کو بعثت کا علم ہوتا تو بعثت کو کبھی بھی مکروہ نہ جانتے۔ اگر تعجب کیا اور مکروہ جانا تو عدم علم کی وجہ
اس تحریر سے واضح ہوا کہ حضورؐ کے والدین ماجدین اہل فطرت سے ہیں اور ان کو دعوت اسلام نہیں پہنچی تھی۔
کبیر علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ حضورؐ کے والدین ماجدین کو دعوت نہیں پہنچی۔ اس قول کو علامہ ابن الجوزی
اپنی کتاب مراۃ الزماں میں نقل کیا ہے اس عبارت کے ساتھ۔ کہ ایک قوم نے علماء کرام سے یوں روایت فرمایا
کہ ہر گاہ نہ رسیدہ بود دعوت والدین آنحضرت را صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پس گناہ آنہا چہ باشد۔ یعنی جب حضورؐ
کے والدین ماجدین کو دعوت نہیں پہنچی تو ان کا کیا گناہ ہے اور اسی طرح امام ابو عبداللہ محمد بن خلف معروف ابی در نے
شرح مسلم میں قول فرمایا ہے۔ اور اسی طرح شیخ الاسلام شرف الدین مناوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ارشاد فرمایا
کہ والدین شریفین او مردہ اند در فطرت و نیست تعذیب قبل از بعثت۔ یعنی حضورؐ کے والدین شریفین فطرت کے
زمانہ میں وفات پا چکے ہیں۔ اور فطرت کے زمانہ میں یعنی قبل از بعثت تعذیب نہیں ہے۔ اور شیخ عزالدین اپنی امالی
میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان جو دو پیغمبروں کے درمیان پیدا شدہ ہو وہ اہل فطرت سے ہے مگر سابق پیغمبر کی
اولاد کہ وہ سابق شریعت پر ضرور عمل کرے۔ لیکن اگر سابق شریعت مندرس ہو جائے اور اصلیت مفقود ہو جائے تو
اس صورت میں تمام اہل فطرت ہوں گے۔ انتہا کلامہ۔

تو اس تحریر سے ظاہر ہوا کہ حضورؐ کے والدین ماجدین بلا شک اہل فطرت سے ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ
روح اللہ کی اولاد سے بھی نہیں اور نہ اس کی قوم سے ہیں۔
اگرچہ حضورؐ کے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضورؐ کے
درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا ہے اور اتنے دراز زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت
مندرس ہو چکی تھی اور کوئی بندہ بھی ایسا باقی نہ تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ان تک پہنچاتا بلکہ کوئی بندہ
بھی ایسا نہ تھا جو اس شریعت پر کاربند ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضورؐ کے والدین یقیناً" اہل فطرت سے ہیں اور اہل
فطرت کے لئے عذاب مطلقاً" نہیں۔(۵)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

چونکہ رسول اکرمؐ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال مبارک حضور سرور کائناتؐ کی بعثت
مبارکہ سے قبل ہوا ہے اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ
الکریم کا ارشاد ہے۔
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا
یعنی ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک رسول کو نہیں بھیج دیتے۔
ہمارے آئمہ اشاعرہ میں سے اہل الکلام والاصول نے اور شافعیوں میں سے فقہائے کرام نے اس بات پر

اتفاق کیا ہے کہ کوئی شخص فوت ہو گیا اور اسے دعوت اسلام نہیں پہنچی تو وہ ناجی فوت ہوا اور اس کے ساتھ مقاتلہ نہ کرو حتی کہ پہلے اسے اسلام کی طرف بلاؤ اس لئے جب وہ قتل ہو جائے تو اس کی دیت اور کفارہ کے لئے ضامن و کفیل ہو سکتا ہے۔

اس پر حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام اصحاب کی نص ہے بلکہ بعض اصحاب نے یہ زیادہ کیا ہے کہ اس شخص کے قتل پر قصاص واجب ہے مگر اس کا خلاف صحیح ہے کیونکہ یہ حقیقی مسلمان نہیں اور قصاص کے لئے مکافات یعنی برابر ہونا شرط ہے۔

بعض فقہاء نے ایسے شخص کے فوت ہونے کے بعد معذب نہ ہونے کے اسباب یہ بیان فرمائے ہیں کہ وہ اپنی اصل فطرت پر فوت ہوا ہے اور اس سے نہ تو عداوت وقوع پذیر ہوئی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی رسول آیا جس کی اس نے تکذیب کی ہو۔

تعذیب و سزا نہیں۔

اور یہ پہلا مسلک ہے جو ہم نے اس مقام کے شخص کے متعلق اپنے شیخ، شیخ الاسلام امام شرف الدین مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا۔ ان سے جب کسی نے پوچھا کہ "کیا نبی اکرمؐ کے والد گرامی "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" آگ میں ہیں تو آپ نے اس سائل پر شدید غصے اور سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔

پھر سائل نے عرض کیا کہ کیا ان کا اسلام ثابت ہے؟ تو آپ نے فرمایا" ان کا وصال زمانہ فطرت میں ہوا تھا اور بعثت سے قبل تعذیب و سزا نہیں۔

پھر آپ ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس میں حضور نبی اکرمؐ، نور مجسمؐ کی والدہ معظمہ و مکرمہ کو زندہ فرمانے والی حدیث پر اپنے داو کے کلام کا ذکر کیا اور کہا اس پر تو قرآن مجید کی نص ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا**۔ یعنی کبھی معذب نہیں کرتے جب تک کہ اپنا رسول نہ بھیجیں۔

نیز حضور اکرمؐ کے والد مکرم اور والدہ معظمہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہما" کو تو دعوت ہی نہیں دی گئی پھر ان کا گناہ کیا ہے۔ اور نوویؒ نے شرح مسلم میں اسی پر جزم و یقین کیا ہے میں عنقریب اس عبارت کا ذکر کروں گا۔

اور بے شک احادیث میں اہل فطرت کے لئے آیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور ان کو عذاب و سزا نہ ہونے کے متعلق آیات میں اشارات موجود ہیں۔

اور اس نظریہ کی طرف حافظ العصر شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی بعض کتب میں میلان کا اظہار کیا ہے۔

فرمایا کہ رسولؐ اللہ کی آل کے ساتھ یہ گمان ہے کہ وہ لوگ جو آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلے وصال فرما گئے ہیں، قیامت کے روز بوقت امتحان اطاعت گزار اور فرماں بردار ہوں گے اور یہ اکرام رسولؐ اللہ کے لئے ہوگا کہ

آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

پھر میں نے دیکھا کہ آپ نے الاصابہ میں نہایت ہی بوڑھے شخص اور وہ لوگ جو فطرت کے زمانہ میں فوت ہوئے اور وہ جو بہرا، اندھا، گونگا، اور مجنون پیدا ہوا یا عقل بوقت دیوانہ ہو گیا تو ایسے لوگوں کے حق میں آنے والی روایت متعدد طریقوں سے نقل کی ہے اور ایسی ہی کئی دوسری روایات ہیں، چنانچہ تمام اقسام کے لوگ حجت اور دلیل پیش کرتے ہوئے قیامت کے دن دربار خداوندی میں عرض کریں گے کہ اگر ہم عقل رکھتے ہوتے یا ہمیں تذکیر کی جاتی تو ہم ایمان لے آتے۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں ان پر آگ بلند کی جائے گی اور حکم ہوگا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو جو لوگ آگ میں داخل ہو جائیں گے، ان پر آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا جائے گا اور جو آگ میں داخل ہونے سے رک جائے گا، اسے زبردستی آگ میں داخل کر دیا جائے گا، اور یہ مطلب ہے ان روایات کا جو اس ضمن میں آئی ہیں اور میں نے ان کے طرق کو ایک الگ جزو میں جمع کر دیا ہے۔ اور کہا کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" اور حضور اکرم کے جملہ گھر والے جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی نجات ہوگی۔

امام ابن حجر عسقلانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد سیدنا امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اب تک کی نقل کی عبارت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگرچہ مسلک مستقل اور ظاہر ہے مگر میں نے اس میں دقیق معنے پائے ہیں جو اہل تحقیق پر مخفی نہیں۔

قرآن مقدس سے ثبوت۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ترجمہ: اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔ (پارہ ۱۵ رکوع ۲)۔

تفسیر

ای وما صح وما استقام منا بل استحال فی عادتنا المبنیۃ علی الحکم البالغۃ ان نعذب احدامن اہل الضلال والاوزار اکتفاء بقضیۃ العقل۔

ترجمہ

یعنی ہمارے ارادۂ خداوندی میں یہ بات صحیح اور مستقیم نہیں کہ ہم اہل ضلال کو یعنی اہل فطرت کو سزا دے دیں، بلکہ ہماری عادت مبینہ اور حکم نافذہ میں یہ بات محال ہے ہم کبھی بھی اہل فطرت و ضلال والاوزار کو صرف عقل کی وجہ سے سزا نہیں دیا کرتے جب تک ہم ان کی طرف رسول نہ بھیجیں تاکہ وہ رسول ان کو حق کی جانب ہدایت کریں اور ضلالت سے ان کو ڈرائیں۔ اور ان پر دلائل قائم کر لیں اور براہین کے ساتھ ان کو ملزم ٹھہرا لیں

اور امر شرع ان پر عیاں کرلیں۔ تاکہ ان کی معذرت ختم ہو جائے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لینا کہ دنیوی عذاب جو کہ اخروی عذاب کا مقدمہ ہے اور نیز برزخ میں عذاب بھی اس میں شامل ہے۔ یہ عذاب اس صورت میں ہوگا کہ جب ان کے پاس رسول آئیں اور احکام کی جانب شرائع سے ان کو آگاہ کریں اور وہ لوگ اس رسول کی تکذیب کریں اور رب تعالی کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور حکمت اور مصلحت بھی اسی میں ہے کہ نافرمانوں کو ہر قسم کی حجت کے قیام کے بعد سخت سزا دی جائے۔ کیونکہ رسولوں نے ہر قسم کے دلائل و براہین اور مثلہ ماتقدمہ امتوں کی ہلاکت کے حالات وغیرہ کی تراکیب کے ساتھ ان تک پہنچائے اور ان کو سمجھایا لیکن انہوں نے فسق و فجور سے توبہ نہ کی اور اپنے کفر پر مصر رہے۔ اور عبرت حاصل نہ کی۔

امام شافعی سے روایت ہے کہ ایک دن شیر' بھیڑیا اور لومڑی تینوں شکار کے لئے جنگل کو گئے انہوں نے ایک گدھا' ایک غزال اور ایک ہرن کا شکار کیا۔ شکار سے فارغ ہو کر شیر نے بھیڑے سے کہا کہ دیکھو ہم بھی تین ہیں اور شکار شدہ جانور بھی تین ہیں۔ انکو ہم تینوں میں تقسیم کرو' بھیڑیے نے کہا۔ اے جنگل کے بادشاہ چونکہ آپ بھی بڑے ہیں اور یہ گدھا بھی بڑا جانور ہے۔ یہ آپ کے حصے میں آجائے اور غزال میرے لئے اور ہرن لومڑی کے لئے ہوجائے۔ ابھی بھیڑے نے اپنی کلام ختم نہ کی تھی کہ شیر نے اپنا پنجہ ایسا زور سے مارا کہ بھیڑیا مردہ ہو کر شیر کے پاؤں میں "رہا۔ اب شیر لومڑی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اب تم تقسیم کرو۔ لومڑی نے جوابا" عرض کیا حضور عالی یہ گدھا بادشاہ سلامت کا صبح کا ناشتہ ہوجائے ہرن دوپہر کا کھانا اور غزال رات کا کھانا ہوجائے۔ جب لومڑی اپنے کلام سے فارغ ہوئی تو شیر نے کہا۔ تیرے حال پر مجھے ترس آیا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ فیصلہ کرنا تم کو کس نے سمجھایا۔ **فقال القضاء الذی نزل براس الذئب**۔ لومڑی نے جواب دیا مجھے یہ فیصلہ کرنا اس قضا نے سمجھایا جو اس بھیڑیے کے سر پر نازل ہوئی۔ چنانچہ داناؤں کا قول ہے۔ **"العاقل من وعظ بغیرہ"** عاقل وہ ہے جو دوسروں کے حالات دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ نعم ماقیل۔

مرد در کارہا چوں کرد نظر
بہرہ اعتبار ازاں برداشت
ہرچہ آسودمند بود گرفت
ہرچہ ناسودمند بود گذاشت

حاصل کلام

یہ حکایت بطور تمثیل بیان کی گئی ہے جیسے لومڑی نے بھیڑیے کی موت سے عبرت حاصل کی اور عذاب

ماضرو سے اپنے آپ کو بچایا۔ اسی طرح وہ لوگ جن کو رسولوں نے وعظ و تذکیر کی اور ہلاک شدہ قوموں کی مثالیں دے کر ان کو عبرت دلائی تو ان میں سے جنھوں نے عبرت حاصل کی اور وعظ و نصیحت کو قبول کر لیا تو وہ نجات پا گئے اور جنھوں نے نافرمانی کی اور فسق و فجور پر قائم رہے ان کے لئے عذاب لازم ہوا۔

نتیجہ۔

ثابت ہوا کہ اہل فطرت کے پاس رب تعالیٰ نے رسول نہیں بھیجے۔ لہٰذا وہ نہ تو برزخ میں معذب ہیں اور نہ ہی آخرت میں۔ (روح البیان صفحہ نمبر ۱۳۲ ج ۵)۔

قال اصحابنا وجوب شکر المنعم لا یثبت بالعقل بل بالسمع۔ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ۔ وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

یعنی علماء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ منعم کی نعمتوں کا شکر عقل سے واجب نہیں ہوتا۔ اگر واجب ہوتا ہے تو سمع سے واجب ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کی یہ آیت مبارک دلیل ہے کہ جب تک ہم کسی قوم کی طرف پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔ کیونکہ وجوب کا ماہیت مقرر نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ ترک پر عقاب مرتب نہ ہو جائے۔ اور اس آیت کے حکم سے قبل از شرع عقاب مطلقاً" نہیں۔ ثابت ہوا کہ قبل از شرع شکر منعم واجب نہیں تو جب شکر منعم واجب نہیں تو لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ زمانہ فطرت میں شکر کی پہچان نہ تھی اور منعم کی جانب سے حکم پہنچانے والا فطرت کے زمانہ میں آیا نہیں تھا۔ اس لئے اہل فطرت کے لئے عقاب و سزا نہیں جیسے کہ دوسری آیت مبارکہ میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

رسلا" مبشرین و منذرین لئلایکون للناس علی اللہ حجتہ بعد الرسول۔

یعنی ابتداء سے ہمارا یہ قانون رہا کہ ہم اپنے ہم بندوں کی طرف بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے ہیں تاکہ ہمارے احکام و شرائع سے لوگ آگاہ ہو جائیں اور پھر قیامت کے روز ان کے لئے ہمارے سامنے کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے کہ اگر ہمارے پاس پیغام رساں آئے ہوتے تو ہم مطلقاً" تیری نافرمانی نہ کرتے۔ تو لا محالہ حجت قائم کرنے کے لئے ہم ان کے پاس رسول ارسال فرماتے ہیں۔

تو اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کے زمانہ سے جناب محمد الرسول اللہ کے زمانہ تک میں رب تعالیٰ نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ اس لئے رب تعالیٰ کے حکم محکم کے مطابق ان لوگوں کے لئے جو زمانہ قبل از بعثت میں وفات پا گئے کوئی عقاب و سزا نہیں جیسے کہ اس آیت مبارک کی توضیح دوسری آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **ولو انا اہلکنھم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا" فنتبع اٰیٰتک من قبل ان نذل و نخزیٰ۔** اور اگر ہم ان کو پیغمبر کے بھیجنے سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ

کہتے اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام و احکام کی پیروی کرتے۔ تو اس آیت مبارکہ سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ازلی قانون یہی ہے کہ جب تک رسولوں کو مبعوث نہ فرمائے تو کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے۔ عذاب عام ہے اس عذاب سے عذاب دنیا و برزخ و آخرت سب ہی مراد ہیں۔ جیسے عذاب دنیا سے نجات حاصل کرنے کے لئے رب تعالیٰ کے دربار مقدس میں یہ عذر کر سکتے ہیں اسی طرح یہی عذر آخرت و برزخ میں بھی کر سکتے ہیں۔ تو اس آیت مقدسہ نے مزید تصریح فرمائی کہ اہل فطرت کے لئے عذاب نہیں کیونکہ وہ یہ عذر رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کی طرف سے رسول آئے ہوتے تو ہم ضرور ان کی پیروی کرتے اور تیرے احکام کے مطابق زندگی گذارتے۔

نتیجہ۔ لہذا یہ ثابت ہوا کہ حضورؐ کے والدین ماجدین طیبین طاہرین اہل فطرت سے ہیں اور جب ہر اہل فطرت کے لئے عقاب و سزا نہیں تو ان کے شرافت نسب کی وجہ سے ان کیلئے عقاب و سزا بطریق اولیٰ نہیں۔ فافہم۔

اور اگر آیت زیر بحث میں رسول سے مراد رسول عقل لیا جائے جیسے امام فخرالرازی نے اس سلسلہ میں دراز تقریر فرمائی ہے چنانچہ اس تقریر کو اسی سلسلہ میں دیکھنا اولیٰ ہوگا اگر امام صاحب کی تقریر کے مطابق مان بھی لیا جائے کہ رسول سے مراد رسول عقل ہے یعنی جب تک ہم رسول عقل نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے اور فطرت کے زمانہ میں رسول عقل تمام اہل فطرت کو بھیجا گیا تھا۔ یعنی تمام صاحبان عاقل تھے۔ تو عقل سے ان کو رب تعالیٰ کا پہچاننا لازم تھا۔ (۵)

توضیح

اس آیت مبارکہ میں دو قول ہو گئے۔

قول اول۔ جمہور آئمہ کرام

قول دوم۔ امام فخرالدین رازی۔

اولاً" تو جمہور علماء کرام کے ارشاد کے مقابلہ میں امام کا قول قابل اعتماد نہیں۔ اور جمہور کا قول وہی ہے جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ لہذا اسی پر عمل کرنا ہوگا اور امام کے قول کو ترک کرنا ہوگا۔ کیونکہ جمہور کے دلائل قرآن مقدس سے اتم ہیں اور اس سے عدول اولیٰ و بہتر نہیں۔

ثانیاً"۔ قول امام کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ رسول عقل صرف خدا پرستی و توحید کے لئے ہے۔ اور خدا پرستی و توحید اہل فطرت میں بکثرت تھا۔ خصوصاً" سلسلہ نسب سرکار کونین کہ انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔

اور احکام و شرائع کے لئے رسول انسانی کا آنا ضروری ہے کیونکہ بغیر رسول انسانی کے تعلیم دینے کے نماز، روزہ، حج، زکواۃ وغیرہ تمام احکام کا معلوم کرنا محال ہے۔ اور مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق عقاب و سزا بعد از ابلاغ ہے قبل از ابلاغ نہیں تو تحقیق معنے یہ ہوگا۔ وما کنا معذبین فی الاعمال التی لا سبیل الی معرفتہ وجوبھا الا بالشرع

الاعند سمی الشرع۔
یعنی ہم کبھی بھی ان لوگوں کو ان اعمال میں جو شرع کے بغیر ان اعمال کا علم ممکن نہیں سزا مطلقاً نہیں دیں گے۔ تاوقت یہ کہ ہم ان کے پاس رسول کے ذریعہ سے شرع کے واضح احکام ارسال نہ کریں۔ تو اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول عقل پیغام رسانی کے لئے ناکافی ہے تو اگرچہ زمانہ فطرت میں رسول عقل موجود تھا لیکن رسالت تامہ کا کام رسول انسانی سے لیا جاتا ہے اور رسول انسانی کامل شرع کے ساتھ زمانہ فطرت میں مبعوث نہیں ہوا۔ اور رب تعالیٰ نے اپنے کلام مقدسہ میں اعلان فرمایا کہ جب تک رسول انسانی کامل شرع کے ساتھ مخلوق کی طرف ارسال نہ کروں اور اپنے احکام ضابطہ سے مخلوق کو پہلے آگاہ نہ کروں تو میری رحمت کا تقاضا یہ نہیں کہ مخلوق پر ظلم کرتا جاؤں۔ حالانکہ۔ ۔ ان رحمتی سبقت علی غضبی و انین المذنبین احب الی من زجل المسبحین (کبو۔ ص ۱۸)۔

غلغل تسبیح شیخ ارچند مقبول است لیک آہ درد آلود رنداں را قبول دیگر است بداؤد علیہ السلام وحی آمد کہ اے داؤد ذلت کہ از توصادر شد برتو مبارک بود۔ داؤد گفت بار خدا ذلت چہ گونہ مبارک باشد گفت اے داؤد پیش ازاں ذلت ہربار کہ بدرگاہ ما امدی ملک واری آمدی باکرشمہ وناز طاعت واکنوں می آئی۔ بندہ واری آئی جاسوز و نیاز مغلس (روح البیان صفحہ ۲۵۹ ج ۷)

بعض کبار علماء کرام سے روایت ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ بیت المقدس کی بنیاد ڈالدے اور بہترین ترکیب کے ساتھ اعلیٰ وافضل مسجد جس کا نظیر دنیا میں کوئی نہ ہو تیار کرلے۔ (فبناہ مرارا") کئی مرتبہ بنیاد ڈالنے کے بعد مسجد کو تکمیل تک پہنچایا اور جب تعمیر سے فراغت پا جائے اور نماز کا ارادہ کرے کہ اب تمام احبار ورہبان مل کر اس میں نماز ادا کریں تو وہ عظیم اور مستحکم عمارت دفعتاً" زمین پر گر کر برباد ہوجائے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام نے جب یہ حالت دیکھی کہ بار بار بنانے کے بعد نہایت مضبوط عمارت جس کے خراب ہوجانے یا گر جانے کا انسانی علم میں عمر بھر یقین نہیں ہوتا ایک لحظہ میں گر کر ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام اس واقعہ سے سخت مضطرب ہوئے اور رب تعالیٰ کے دربار اقدس میں بطور شکایت عرض کی یارب تعالیٰ یہ عمارت کیوں منہدم ہوتی رہتی ہے۔ رب تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی۔ ان بیتی هذا لا یقوم علی یدی من سفک الدماء کہ اے داؤد علیہ السلام اس بیت مسجد کا قیام ایسے انسان کے ہاتھ سے مطلقاً" پورا نہ ہونے دوں گا جو میری مخلوق انسانی کا خون بہاتا رہے۔ پیغمبر خدا داؤد علیہ السلام نے جب ذات مطلق سے یہ حکم سنا تو عرض کی۔ یارب الم یک ذالک فی سبیلک قال بلی۔

اے رب تعالیٰ میں مخلوق کا خون قصداً" اور دیدہ دانستہ اپنی خواہشات کے لئے نہیں بہاتا بلکہ تیرے نام کی بلندی کے لئے جہاد کی تکمیل کرتا ہوں اور حدود و قصاص میں تیرے حکم کو نافذ کرتا ہوں۔ تو کیا اے پروردگار عالم یہ عمل جہاد تیرے لئے نہیں ہے؟۔ رب تعالیٰ کی جانب سے خطاب آیا ہاں یہ عمل میرے لئے ہے لیکن اے داؤد علیہ السلام میں

تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہ بتا۔ - **ولکنهم الیسو عبادی۔** کیا وہ لوگ جن کو تو قتل کرتا رہتا ہے میرے پیدا شدہ بندے نہیں ہیں۔ جیسے تو اپنی بنائی ہوئی چیز کے گر جانے پر خفا اور رنجیدہ ہوتا ہے۔ **خلق الانسان** علی صورتی کے لباس میں میرا بنایا ہوا انسان منہدم کرے تو میں رنجیدہ نہ ہوں گا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے ذات مطلق سے یہ کلام سنا تو عرض کی یا رب تعالیٰ اگر میرے ہاتھ پر یہ کار خیر مقرر نہیں اور آپ کی حکم موافق نہیں تو اس بنیان کو تکمیل تک پہنچا کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے جو میری نسل سے ہو۔ رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تمہارے لڑکے سلیمان کے ہاتھ سے ہم اس کو تکمیل تک پہنچاویں گے۔ اس کو تیرے بعد بادشاہ مقرر کریں گے۔ اور سفک دماء سے اس کو محفوظ رکھیں گے۔ **واقضی اتمامه علی یده** اور اس کے ہاتھ پر اس کو تکمیل تک پہنچاریں گے (روح البیان صفحہ ۲۷۳ ج ۷)۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا ویسے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں بیت المقدس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ باقی اس واقعہ کو باتفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ سیر و تواریخ میں دیکھو۔

الحاصل۔

- اس واقعہ سے روز روشن کی طرح صاف واضح ہوا کہ رب تعالیٰ اپنی بنائی ہوئی چیز یعنی انسان جو کہ بنیان اللہ ہے اس کے انہدام پر دار دنیا میں خوش نہیں۔ حالانکہ اس واقعہ میں صریح اس بات کی دلالت پائی جاتی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے مطلقاً" ظلم نہیں کیا اور نہ ہی انبیاء ظلم کرتے ہیں۔ تو یقیناً" جن لوگوں کو آپ نے قتل کیا یا تعزیر کی" حدود اللہ میں کی۔ اور آپ خود رب تعالیٰ کی جانب سے رسول مبعوث ہیں۔ کتاب آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے عنایت شدہ ہے۔ آپ نے معجزات ' دلائل و براہین سے وعظ ' پند و تذکیر کی۔ اتنے عظیم اعلام کے بعد جو نہیں مانتے تھے ان کو راہ راست پر لانے کے لئے مجبورا" جہاد کرنا پڑتا اور جہاد بغیر سفک دماء نہیں ہو سکتا۔ داؤد علیہ السلام کا یہ عمل جہاد رضائے الٰہی کے لئے تھا اور حکم ربی کے عین مطابق تھا پھر بھی رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو زجر و توبیخ فرمایا اور اپنے بندوں کی ہلاکت پر اظہار ناراضگی فرمایا۔

نتیجہ۔

یہ تو حالت ہوئی ارسال رسل کے بعد اور جب رسول مبعوث ہی نہ فرمایا ہو اور عباد کو خود ارحم الراحمین نے مطلع نہ کیا ہو۔ جب خود ہی ارسال کے بعد ہلاکت کو پسند نہیں فرماتا تو یقیناً" بطریق اولیٰ قبل از ارسال پسند نہیں فرمائے گا تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ فطرت کے زمانہ میں چونکہ ارسال رسل نہیں ہوا تھا۔ اور ذات مطلق کا قانون ازلی یہی ہے کہ جب تک ارسال رسل نہ فرمائے عذاب نہیں دیتا از وجہ شفقت علیٰ عباداللہ۔ ثابت ہوا کہ کل فطرت معذب نہیں ہیں تو والدین ماجدین سید کونین کیسے معذب ہو سکتے ہیں۔ مطلقاً" نہیں۔ و نیز اتفاق نمودہ اند جمیع اہل سنت بنا بر استدلال بان ہو آنکہ نیست تعذیبے قبل از بعثت و رد کردہ اند بر معتزلہ قائل اند بحکم عقل۔ (اور نیز تمام اہل سنت والجماعت کے علماء اعلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبل از بعثت رب تعالیٰ کے علم ازلی میں عباد

کے لئے تعذیب نہیں اور دلائل قاہرہ کے ساتھ انہوں نے معتزلہ پر رد فرمایا ہے۔ کیونکہ معتزلہ تحکیم عقل کے ساتھ عذاب کے قائل ہیں۔ (فافہم) یہی وہ آیت کریمہ ہے جس سے آئمہ اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ بعثت سے پہلے عذاب نہ ہوگا۔ اور انہوں نے اس استدلال کے ذریعہ معتزلہ اور وہ لوگ جو عقل کے پیروکار ہیں دونوں کا رد کیا ہے چنانچہ حضرت ابن جریر اور حضرت ابن ابی حاتمؒ نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس کے پاس پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر یا کر اس کی جانب سے کوئی یقینی دلیل نہ آجائے۔ اس سے واضح ہوا کہ منکرین ایمان ابوین مصطفیٰؐ کا انکار کرکے خود کو معتزلہ اور ہم ان کے ایمان کا اقرار کرکے اہل سنت میں داخل کررہے ہیں۔

نکتہ۔

فقہاء نے اس کی یہ علت فرمائی ہے کہ ایسا شخص جب کہ مرجائے تو اسے عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی اصل فترت پر ہے اور نہ اس کی جانب سے دشمنی کا اظہار ہوا۔ اور نہ کوئی رسول آیا جس نے اس کی تکذیب کی ہو۔ یہ تمام جملہ امور بلکہ ان سے بڑھ کر ابوین مصطفیٰؐ میں بطریق اتم موجود تھے۔ (لہٰذا آیت ہٰذا کے اولین مصداق) وہی ہو سکتے ہیں۔ شیخ الاسلام شرف الدین المناویؒ سے سنا کہ ان سے نبی کریمؐ کے والد ماجد کے بارے میں کسی نے سوال کیا تھا کہ کیا وہ جہنم میں ہیں؟ اس پر انہوں نے سائل کو خوب جھڑکا۔ اور فرمایا کیا ان کا اسلام ثابت ہے؟۔ پھر فرمایا۔ بلاشبہ ان کا فترت پر انتقال ہوا، اور بعثت سے پہلے مستحق عذاب نہیں بنتا۔ سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب "مراۃ الزمان" میں ایک جماعت سے روایت نقل کی اور انہوں نے حضورؐ کی والدہ ماجدہؓ کے زندہ کرنے کی حدیث پر اپنے دادا کی بحث بیان کرتے ہوئے کہا اس کی کوئی تصریح نہیں، حالانکہ ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا"۔ یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ ہم ان میں رسول کو نہ بھیجیں۔ اور جب کہ حضورؐ کی دعوت اسلام آپ کی والدہ ماجدہؓ کو نہیں پہونچی۔ تو ان دونوں کا کیا گناہ ہے؟ اور اس روایت پر میرے والد نے "شرح مسلم" میں یقین کا اظہار کیا۔ اور یہ وہی آیت ہے جس پر آئمہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ بعثت سے پہلے فوت ہونے والوں کے لئے تعذیب نہیں اور انہوں نے اس آیت سے معتزلہ اور ان لوگوں کا رد پیش کیا ہے جنہوں نے ان کی ہمنوائی میں عقل کو محکم بنایا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمان۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا" کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تبارک تعالیٰ کسی کو معذب نہیں کرتا جب تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس پر پہلے خبر اور نشانی نہ آجائے۔ ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ۔

(ترجمہ) اے محمد یہ جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو اس لئے کہ تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کردے اور وہاں کے رہنے والوں کو کچھ بھی خبر نہ ہو۔ (پارہ ۸ رکوع ۳) (تفسیر از کبیر و کشف الاسرار و غیرہ)

جاننا لازم ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اس آیت مبارک سے قبل والی آیت مبارک۔
اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ۔ الآیۃ۔
پر استدلال کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ وجوب عقاب قبل از بعثت مطلقاً نہیں کیونکہ ورود شرع لازم امر ہے اور ورود شرع بعثت انبیاء کے بغیر ممکن نہیں۔ بفرض محال اگر وجوب عقاب اور استحقاق عقاب قبل از ورود شرع مان لیا جائے تو اس آیت مبارک میں جو تعلیل ذکر ہے اس تعلیل کے ذکر کرنے کا کلام الٰہی میں کوئی فائدہ نہیں۔ حالانکہ کلام الٰہی میں کسی امر کا ذکر بلا فائدہ محال ہے۔ تو لامحالہ یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ تعلیل جو اس آیت مبارک میں ذکر ہے اس غرض کے لئے کہ دنیا کو ثابت ہو جائے کہ قبل از ارسال رسل و شریعت عقاب بالکل نہیں۔ نیز مذکورہ بالا مضمون مطابق امام فخرالدین رازی ارشاد فرماتے ہیں۔ **اعلم انہ تعالیٰ لمابین انہ ماعذب الکفار الابعد ان بعث الیھم الانبیاء والرسل بین بھذہ الآیۃ ان ھذا ھو العدل و الحق و الواجب۔**
یعنی جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ کفار کو عذاب مطلقاً نہیں دیا جائے گا تاوقتیکہ ان کی طرف انبیاء و رسل ارسال نہ فرمائے جائیں تو آیت زیر بحث میں بھی مزید تاکید سے بیان فرمایا کہ یہ ارسال رسل و انبیاء عظام ہماری ذات احدیت کے لئے واجب ہیں اور عین حق ہیں۔ عدل و انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اپنے بندوں کو ضرور رسول بھیجیں اور اپنے قوانین ربوبیت سے ان کو آگاہ کریں۔ اگرچہ پھر بھی وہ ہمارے احکام کو نہ مانیں تو پھر وہ سزا کے مستحق ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ چونکہ فطرت کے زمانہ میں ارسال رسل نہیں ہوئے تو اس آیت مبارک کے مضمون کے مطابق رب تعالیٰ کی ذات احدیت پر واجب ہے کہ زمانہ فطرت میں جو لوگ وفات پاگئے ہیں ان کی تعذیب نہ فرمائے۔ اور چونکہ یہ امر کل اہل اسلام پر عیاں ہے کہ والدین ماجدین، سید کونین اہل فطرت سے ہیں اور انہوں نے شرک مطلقاً نہیں کیا لہٰذا جب تمام اہل فطرت کے لئے تعذیب واجب نہیں تو اہل قرابت کے لئے بطریق اولیٰ واجب نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ والدین ماجدین سید کونین ناجی ہیں۔ فافہم۔ نیز آیت مبارک میں **(وَاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ)** کے معنے یہ نہیں کہ وعظ و پند سے انسان غفلت کر جائیں بلکہ اس کے معنے یہ ہیں **ھلاک لابین اللہ لھم کیفتہ الحال ولا ان یزیل عذرھم و علتھم۔** کہ جب تک رب تعالیٰ ان کو کل حالات و واقعات شرع سے آگاہ نہ فرمائے اور ان کے عذر کو دلائل و براہین سے زائل نہ کرے تو اس وقت تک رب تعالیٰ ان کو تعذیب نہیں فرمائے گا۔ اور اس آیت مبارک سے بھی آئمہ کرام نے استدلال فرمایا ہے کہ قبل از بعثت تعذیب بالکل نہیں۔ اور بعثت احکام شرعیہ کے لئے لازم ہے بعثت رسول انسانی کیونکہ محض عقل سے احکام نافذ نہیں ہوسکتے۔ اور ابلاغ کے لئے صرف عقل ناکافی ہے تو لامحالہ ابلاغ کے لئے رسول انسانی کا آنا ضروری ہے۔ **فلو الانھاتدل علی انہ تعالیٰ لایعذب احداً** علی امر من الاموراً لا بعد البعثتہ الرسول آئمہ کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارک اس بات پر دال ہے کہ رب تعالیٰ کسی بھی انسان کو کسی امر پر اوامر میں سے عذاب نہ دے گا تاوقتیکہ رسولوں کو ان کی اطلاع کے لئے مبعوث نہ فرماوے۔

حاصل کلام۔

اس تقریر سے صاف واضح ہوا کہ رب تعالیٰ کسی بھی انسان کو کسی امر میں سزا نہ دیگا۔ تاوقتیکہ رسولوں کے ذریعہ سے اس کو آگاہ نہ فرمائے۔ تو معلوم ہوا کہ جناب فخر موجودات کی بعثت مبارک سے قبل جو انسان فطرت کے زمانہ میں تھے ان میں سے جس نے بھی عمل کیا ہو خواہ کمتر ہو خواہ بہتر۔ ان کے کسی بھی عمل پر ان کی گرفت مطلقاً" نہ ہوگی کیونکہ ان کی طرف رب تعالیٰ نے رسول مبعوث نہیں فرمایا۔ اور ارسال رسل سے قبل تعذیب واجب نہیں۔ لہذا ان کے لئے سزا نہیں۔ (اذا عرفت ھذا فنقول) کہ تاریخ شاہد عادل موجود ہے کہ والدین ماجدین سرور کونین فطرت کے زمانہ میں بھی اوامر خیر پر گامزن تھے مثلاً" صلہ رحمی' مسافر نوازی' یتیم پروری' راست گوئی' وغیرہ وغیرہ نیک افعال ان کے دست مبارک سے متواتر سرزد ہوتے رہے ہیں تو جب فطرت کے زمانہ میں بعثت سے قبل کسی بھی فعل پر گرفت مطلقاً" نہ ہوگی۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ نور القمرین سے برا فعل سرزد ہوا ہی نہیں تو ان کے لئے عقاب بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔ (کبیر صفحہ ۱۹۶ ج ۱۳) اہل بصائر پر مخفی نہیں کہ آیات بینات کے علاوہ جن کو میں نے اوپر مع تفسیر و تحقیق ذکر کیا ہے اور بھی آیات بینات ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ فطرت میں کسی کے لئے بھی تعذیب نہیں۔ لیکن میں بوجہ اختصار ان تین آیات پر اکتفا کرتا ہوں اور اگر آپ کو مزید تفصیل درکار ہو تو مطولات میں دیکھیں۔ خصوصاً" سیرت شامی و شرح ہمزیہ وغیرہ جہاں تک اس مسئلہ کا ثبوت قرآن مقدس سے درکار تھا وہ تحقیق کے علامہ زرکشی (رحمہ اللہ) شرح جمع الجوامع میں اس آیت مبارک کو اس قاعدہ پر استدلال کے طور پر لائے ہیں کہ منعم حقیقی کا شکر محض عقلی طور پر نہیں بلکہ سمعی طور پر واجب ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ

اور تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک ان کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے۔ اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے۔ مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔ یعنی سوائے ظالم اور کافروں کی بستی کے۔ کسی بستی کو نہیں مار کھپایا ہم نے۔ (پارہ ۲۰۔ رکوع ۹)

تفسیر۔

(از روح البیان و کبیر و تکملہ) یعنی رب تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ نہیں ہے کہ قبل از انذار کسی بستی کو ہلاک کردے جب تک اس کے اہل یعنی شہر و قصبہ میں رسول برائے انذار مبعوث نہ فرمائے۔ جو ناطق بالحق ہو۔ اور ترغیب و ترہیب کے ساتھ رب تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مخلوق کو بلائے۔ الزام حجت کے لیے' قطع معذرت کے لئے۔ تاکہ قیامت کے روز رب تعالیٰ کے دربار مقدسہ میں عذر نہ کر سکے۔

لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک

کہ اے مالک الملک ذوالجلال والاکرام اگر آپ کی جانب سے ہمارے پاس رسول سمجھانے کے لئے آئے ہوتے تو ہم آپ کی اس بات کی تابعداری ضرور کرتے۔ تو اس عذر کے لئے سنت اللہ یہی رہا کہ قبل از انذار عذاب نہیں

دیا کرتا۔
یہاں پر سوال وارد ہوتا ہے دو وجوہ سے۔ سوال اول:۔ رب تعالیٰ نے قبل از بعثت (محمد رسول اللہؐ شفقتہ علینا) کفار کو کیوں ہلاک نہ فرمایا۔ حالانکہ کفار کفر و عناد میں مستغرق تھے۔
سوال ثانی:۔ نیز رب تعالیٰ نے کفار کو بعد از بعثت حضورؐ ہلاک کیوں نہ کیا۔ حالانکہ وہ کفر باللہ اور تکذیب رسول اللہ پر قائم و مصر رہے۔
جواب۔ سوال اول۔ زیر بحث آیت مبارک کا پہلا جملہ پہلے سوال کا جواب اور دوسرا جملہ دوسرے سوال کا جواب ہے۔
حاصل جواب۔ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس آیت مبارک سے قبل جابجا قرآن مقدس میں بیان فرمایا ہے کہ عدم بعثت انبیاء عظام قوم کے لئے قائم مقام عذر ہے۔
فوجب ان لا یجوزا ھلا کھ۔ الا بعد البعثۃ۔
پس واجب ہے ہماری سنت قدیمہ میں کہ کفار کی ہلاکت مطلقاً" جائز نہیں مگر بعد از بعثت جائز ہے۔ پھر اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے دو وجوہات ذکر کی ہیں۔
وجہ اول۔
وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا"۔
یعنی اس آیت مبارک میں قریہ سے مراد ام قرا مراد ہے یعنی تمام بستیوں کا اصل و منبع یعنی بڑے بڑے شہر و قصبات جن کے لئے باقی دیہات بمنزلہ اعمال و توابع کے ہوتے ہیں۔ اس بڑے شہر و قصبہ میں رب تعالیٰ اپنی سنت قدیمہ کے مطابق رسول مبعوث فرماتا ہے کیونکہ باقی تمام دیہات اس شہر عظیم کے توابع و مضافات شمار کئے جاتے ہیں اور جو حکم شہر کا ہوتا ہے وہی حکم ان کے لئے نافذ ہوتا ہے اور رسول کس لئے مبعوث فرمایا جاتا ہے۔
۔ لالزام الحجتہ و قطع المعذرۃ۔
الزام حجت اور قطع معذرت کے لئے۔
وجہ ثانی۔
یہ ہے کہ ام سے مراد اس آیت مبارک میں مکہ مکرمہ اور رسول سے مراد محمدؐ ہے چونکہ زمین از حیثیت بناوجہ یہ ہے اور غالباً" مکہ مکرمہ تمام آباد دنیا کا مرکز یعنی وسط ہے اور بعض روایات کے مطابق بیت المعمور آدم علیہ السلام کے لئے بیت اللہ کے مقام پر رکھا گیا تھا۔ اس لحاظ سے مکہ مکرمہ تمام بلدان سے اول ہے اور تمام کے لئے لحاظ میں ہے تو اس تقریر سے عیاں ہوا کہ تمام دنیا کی کل آبادی بلدان مکہ مکرمہ کے تابع ہے اور مکہ مکرمہ اصل تو آیات مبارک کا معنی اب یہ ہوگا۔
وما کان ربک یا محمد مھلک البلدان التی ھی حوالی مکتہ عصرک و زمانک حتے یبعث فی امھا ای ام القرا التی

فی امّها رسولاً ھو الفتہ۔

یعنی اے محمدؐ تیرا رب تمام دنیا کے شہروں و قصبات کو جو در حقیقت دنیائی تناسب کے لحاظ سے مکہ مکرمہ کے حوالی ہیں تیرے عصرو زمانے میں مطلقاً" ہلاک نہ فرمائے گا۔ اور یہ ظاہر امر ہے کہ حضورؐ کا عصرو زمانہ تا قیام قیامت قائم رہے گا) جب تک ام قریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں رسول مبعوث نہ فرمائے۔ اور وہ رسول کون ہے وہ رسول اے محمدؐ خود آپ ہی ہیں کہ خود آپ ہی ہمارے احکام کو مخلوق تک پہنچاتے ہو اور تبلیغ فرماتے ہو۔ فقیر غفراللہ القدیر کہتا ہے کہ اس تقریر سے صاف ظاہر ہوا کہ جب تک بعثت نہ ہو تعذیب مطلقاً" واجب نہیں۔

جواب۔ سوال ثانی۔

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ۔

یعنی ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے اپنے نفسوں پر ظلم کریں یعنی شرک کریں۔ معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے اپنے نفسوں پر بعد از بعثت ظلم نہیں کیا اس لئے ہلاک نہ ہوئے کہ بعض تو حضورؐ پر ایمان لائے اور بعض اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ ایمان لائیں گے۔ اور بعض اگرچہ رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے لیکن ان کی نسل سے مومن پیدا ہوں گے (کبیر صفحہ ۵ ج ۲۵) تو اسی وجہ سے بعد از بعثت ہلاک ہونے سے نجات پا گئے۔ (روح البیان صفحہ ۳۱۸ ج ۶)

حاصل کلام۔

فقیر کہتا ہے کہ جب تک مکہ مکرمہ میں جناب محمدؐ مبعوث نہیں ہوئے تھے تو وہ زمانہ ان کے لئے فطرت کا تھا۔ جیسے رب تعالیٰ اعلان فرماتا ہے کہ میں کسی قریہ کو ہلاک نہ کروں گا تاوقتیکہ اس میں اپنا رسول نہ بھیجوں۔ اور آیت مبارک میں ظلم۔ زیر آیت امام ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت قتادہؓ دونوں سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ملت کو ہلاک نہیں فرمایا جب تک کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو ان کی طرف مبعوث نہیں فرمایا' پھر جن لوگوں نے آپؐ کی تکذیب کی اور ظلم کئے وہ ہلاک ہو گئے۔ سے مراد کفرو شرک ہے تو معلوم ہوا اس آیت مبارک سے کہ جو لوگ قبل از بعثت گذر گئے وہ کافر نہیں۔ اور جب تک دعوت نہ پہنچے تو وہ لوگ اہل فطرت سے ہیں اور دار دنیا میں مستحق ہلاک ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ عذاب آخرت نہایت سخت ہے۔ جیسے خود رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ولعذاب الاخرۃ اکبر۔

آخرت کا عذاب بہت سخت عذاب ہے۔

خذ ھذا فاللہ لا جل ایضا الایمان۔

یعنی اور ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے کردار کے سبب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی

تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم اس کی تابعداری کرکے ایمان لانے والوں میں ہوتے۔

اس آیت مبارکہ کو بھی علاوہ زرکشی نے اپنے موقف میں بیان کیا ہے علاوہ ازیں امام ابن ابی حاتم اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ فترت میں فوت ہونے والا بارگاہ خداوندی میں عرض کرے گا' اے میرے پروردگار نہ مجھ تک تیری کتاب ہی آئی اور نہ ہی تیرا رسول آیا' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ربنا لولا ارسلت الینا رسولا" فنتبع اٰیٰتک ونکون من المومنین۔

ہمارے پروردگار' اگر تو ہماری طرف اپنا رسول بھیجتا تو ہم تیری آیت کی اتباع کرتے اور مومنین میں سے ہو جاتے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا" فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ (طٰہٰ ایت ۱۳۴)

یعنی "اور اگر ہم ان کو قرآن سے" قبل کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو یہ لوگ بطور عذر کہتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہماری طرف اپنا رسول بھیجتے تو ہم آپ کی آیات کی اتباع اور پیروی کرتے اس سے پہلے کہ یہاں ذلیل و خوار ہوں۔ امام ابن ابی حاتم زیر آیت روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عطیہ بن عوفیؓ نے حدیث بیان کی کہ جو لوگ عہد فترت میں فوت ہوئے ہوں گے وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے پروردگار تو نے نہ ہمارے پاس کوئی کتاب بھیجی اور نہ کوئی رسول بھیجا اور پھر یہ آیت پڑھی۔

وھذا کتاب انزلنٰہ مبٰرک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا وان کنا عن دراستھم لغٰفلین۔

ترجمہ یہ ایک بڑی خیرو برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا تو اسی کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے' مگر کبھی تم یہ کہنے لگتے ہو کہ کتاب تو ان پر نازل ہوئی تھی جو ہم سے پہلے دو گروہ تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔

وما اھلکنا من قریۃ الا لھا منذرون ذکری وما کنا ظٰلمین

اور ہم نے منکرین کی" جتنی بستیاں برباد کی ہیں ان سب کی طرف نصیحت کرنے اور ڈرانے والے رسول آئے' اور ہم ظلم نہیں کرتے۔

عبد بن المنذر' ابن ابی حاتم اپنی تفسیروں میں اس آیت کے ماتحت حضرت قتادہؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بستی کو ہلاک نہیں فرماتے مگر پہلے اس پر حجت قائم فرماتے ہیں اور نشانیاں ظاہر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی طرف رسول اور کتاب بھیجی جاتی ہے جن میں ان کے لئے پندو نصائح کا ذکر ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی لئے حجت ہوتی ہے۔

وما کنا ظالمین
یعنی ہم ظالم نہیں ہیں' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو عذاب دینے سے پہلے اپنی نشانیاں اور حجت قائم فرمالیتے ہیں۔
وھم یصطرخون فیھا ربنا اخرجنا نعمل صالحاغیرالذی کنا نعمل اولم نعمر کم ما یتذکر فیہ من تذکرو جاء کم النذیر۔
اور وہ لوگ جہنم میں چلائیں گے' اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے اب ہم خوب اچھے کام کریں گے برعکس ان کاموں کے جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا' کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا رسول بھی بھیجا تھا۔ مفسرین کرام زیر آیت فرماتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے لئے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی بعثت و نبوت کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے اور آپؐ ہی کو اس آیت کریمہ میں نذیر کہا گیا ہے۔ (۵)
(نوٹ۔ فطرت امرت کی املا ہم معنی متصور ہے۔)
علماء امامیہ مذکورہ دلائل کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہر زمانے میں حجت خدا کا ہونا اور ہر آدمی تک پیغام الٰہی کا پہنچنا ضروری ہے۔ چنانچہ بزرگواران مصطفیٰؐ تک یہ پیغام دین ابراہیمی کی شکل میں پہنچا جسے انہوں نے قبول کیا۔ اور وہ اسی دین پر انتقال فرما گئے۔

احادیث مبارکہ

اہل فترت سے قیامت میں حساب اور امتحان ہوگا۔ چنانچہ احادیث مبارکہ میں ہے۔

۱۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس دن قیامت قائم ہوگی تو اہل جاہلیت کو لایا جائے گا اور وہ اپنے بتوں کو پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آتے ہی اللہ تعالی سے سوال کریں گے۔ اے اللہ العالمین! تونے ہمارے ہاں نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی کوئی حکم پہونچا۔ کہ جس سے ہم تیری فرماں برداری کرتے۔ اگر تیری طرف سے رسول تشریف لاتے تو سب سے زیادہ تیرے فرماں بردار ہوتے اللہ جل جلالہ' انہیں فرمائے گا اگر میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مانو گے۔ عرض کریں گے ضرور مانیں گے اس کے بعد اللہ تعالی ان سے وعدے لے کر انہیں فرمائے گا۔ جاؤ جہنم میں۔ وہ جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔ جب جہنم کے قریب جائیں گے تو متحقق ہو کر جہنم سے بھاگ کر اللہ تعالی کے ہاں حاضر ہو جائیں گے۔ اور عرض کریں گے یا اللہ! اس میں تو ہمارا داخل ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالی انہیں فرمائے گا۔ اب تمہیں داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ انہیں جبراً" دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۲۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اگر وہ پہلی بار جہنم میں چلے جاتے تو ان کے لئے جہنم ٹھنڈی اور سلامتی کا گھر بن جاتی۔

احترام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالی نے فرمایا۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور آپ کی عزت و احترام کے تحت قبل بعثت کے لوگ امتحان میں کامیاب ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے تاکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی حاصل ہو۔ اسی وعدہ پر ہم امید رکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بھی انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ جنہیں امتحان میں کامیابی ہوگی۔ (روح البیان)

یہ اس وقت ہے جب دین ابراہیم پر فوت نہ ہوئے ہوں ورنہ ان کے لئے امتحان کیسا۔ اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی آپ کے عزت و احترام میں آپ کے ابوین کریمین کو بھی مان لیا جائے تو کونسا حرج ہے۔ لیکن مانے گا کون (سنی) فالحمد للہ علیٰ ذالک اور منکر کو انکار نصیب۔

فیصلہ والدین کریمین

امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین شریفین کریمین کا حال ظاہر ہے۔ اور اہل سنت وجماعت کے ہر عالم کا مذہب یہی ہے۔ کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی کی بھی

انہیں دعوت نہیں پہونچی۔ اور ان دونوں کا زمانہ سب سے اخیر ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قبل آخر الانبیاء سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان فترت کا زمانہ چھ سو برس کے قریب ہے پھر یہ کہ دونوں ایسے زمانہ جاہلیت میں تھے۔ کہ روئے زمین کی ہر جانب جہالت پھیل چکی تھی۔ اور شریعتوں کی معرفت مفقود ہو چکی تھی۔ اور صرف چند اہل کتاب کے علماء واحبار دعوت حق کی تبلیغ کرتے تھے۔ جو زمین کے مختلف اطراف میں مثلاً" شام وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان دونوں کا سفر مکہ سے مدینہ کے سوا کہیں نہیں گزر ہوا۔ اور نہ انہوں نے عمر طویل پائی کہ جس میں جستجو اور تلاش واقع ہوتی۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ نے تو بہت ہی تھوڑی عمر گزاری۔

حضرت امام حافظ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الدرۃ السنیۃ۔ فی مولد خیر البریۃ۔" میں فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکم والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ رضی اللہ عنہا میں رونق افروز ہوئے۔ اس وقت آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ پھر مدینہ منورہ اپنی بیوی کے لئے کھجوریں لینے کے لئے گئے۔ تو قبیلہ بنی نجار میں اپنے ماموں کے گھر انتقال ہو گیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قول صحیح کی بناء پر حمل میں ہی تھے۔ انتہیٰ۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی اتنی ہی تھی۔ وہ مردوں کے اجتماع سے کنارہ کش، پردہ نشین اور گھر میں رہنے والی عورت تھیں۔ اور اکثر عورتیں نہیں جانتی تھیں۔ کہ مردوں کا دین و شریعت کیا ہے خصوصاً" ایسے زمانہ جہالت میں جب کہ مرد عورت عورتوں کی قدرو منزلت اور وقعت کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ لیکن باوجود ایں ہمہ ان میں دین حق کے ایسے حسین و جمیل کردار موجود تھے کہ باوجود صغر سنی کے آج کل کے بوڑھے موحد کو عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی نصیب نہیں۔ تفصیل آگے آتی ہے انشاء اللہ!

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حافظ العصر ابوالفضل احمد بن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مترشح ہوتا ہے۔ کہ گمان یہ ہے۔ کہ دو وجوہ سے وہ دونوں بوقت امتحان مطیع و فرماں بردار حکم الٰہی ہوں گے۔

۱۔ حاکم نے "المستدرک" میں روایت کیا۔ اور اس کی صحت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک انصاری جوان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

(میں نے اس جوان سے زیادہ کسی کو حضور سے سوالات کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس نے پوچھا) یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے والدین کو آگ میں دیکھا ہے؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنے رب سے جو مانگوں گا وہ مجھے والدین کے بارے میں ضرور عطا فرمائے گا۔ اور یقیناً" میں اس دن مقام محمود میں کھڑا ہوں گا۔" یہ حدیث نشاندہی کر رہی ہے کہ مقام محمود کے قیام کے وقت حضور کے والدین کو ضرور بھلائی حاصل ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی۔ کہ جس وقت اہل فترت کا امتحان لیا جائے گا۔ تو ان کا بھی امتحان ہو گا۔ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت کریں گے اور خدا ان کو اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے گا۔ اس میں کوئی شک و تردد کی

کچھ حرج نہیں کہ مقام محمود پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے وقت کہا جائے گا:
"سل تعطہ واشفع تشفع۔" مانگیے دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول فرمائی جائے گی۔"
جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے۔ لہذا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سوال کریں گے۔ تو حق تعالی انہیں عطا فرمائے گا۔
۳۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:۔
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (پ ۳۰۔ سورۃ والضحی)
کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔
اور یقیناً" عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا۔
فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ آپ کے اہل بیت کا کوئی فرد جہنم میں نہ داخل ہو۔ اسی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے تعلیم فرمائی ہے کہ اس قول سے یہ گمان مستفاد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام گھر والے (اہل بیت) بوقت امتحان اطاعت الہی بجا لائیں گے۔

اہل فترت کا امتحان ہوگا

احادیث

قیامت کے روز اہل فترت کا امتحان لیا جائے گا' ان میں سے جو اطاعت گزار ہوں گے انہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جو نافرمان ہوں گے وہ آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

پہلی حدیث

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ اور امام اسحاق بن راہو یہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تالیف مبارکہ کتاب الاعتقاد میں صحت کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالی عنہ نے حدیث بیان کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن چار قسم کے لوگوں کا امتحان لیا جائے گا۔
اول! وہ بہرہ شخص جو قطعا" کچھ نہیں سن سکتا
دوم! وہ شخص جو احمق اور بے عقل ہے

سوم! وہ شخص جو بہت ہی زیادہ بوڑھا ہو
چہارم! وہ شخص جس نے اسلام کا زمانہ ہی نہیں پایا یعنی فترت کے زمانہ میں فوت ہو گیا
دوران امتحان بہرہ شخص دربار خداوندی میں عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار بے شک اسلام میرے زمانہ میں آیا مگر میں تو کچھ بھی نہ سن سکتا تھا
فترت کے زمانہ میں فوت شدہ شخص بارگاہ خداوند قدوس جل وعلا میں یہ عذر پیش کرے گا' اے میرے پالنے والے! میرے زمانہ میں تو' تو نے اپنے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا تھا
پھر ان سب سے اطاعت کا اقرار لے کر آگ میں داخل کر دیا جائے گا اور ساتھ ہی فرما دیا جائے گا کہ اے آگ ان پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا اور جو داخل نہیں ہو گا اسے گھسیٹ کر لے جایا جائے گا

دوسری حدیث

حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت اسحاق بن راہو یہ اپنی مسندوں میں' امام ابن مردو یہ اپنی تفسیر قرآن میں اور امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ چار قسم کے لوگوں کا امتحان لیں گے' جیسا کہ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بیان ہوا

تیسری حدیث

حضرت بزارؒ اپنی تالیف مسند بزار میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بروز حشر تین قسم کے لوگ آئیں گے
۱۔ وہ جو فترت کے زمانہ میں فوت ہوا۔
۲۔ وہ بے عقل اور دیوانہ جو کبھی ہوش کی باتیں کرے اور کبھی دیوانگی کی۔
۳۔ پیدا ہونے والا بچہ یعنی نومولود۔
چنانچہ فترت کے زمانہ میں فوت ہونے والا عرض کرے گا کہ میرے پاس نہ تو کتاب آئی اور نہ ہی رسول۔
دیوانہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے مجھے عقل ہی عطا نہیں فرمائی تھی جس سے میں اچھے اور برے کی پہچان کر سکتا
اسی طرح نومولود عرض کرے گا الٰہی! میں تو عمل کا ادراک ہی نہیں رکھتا تھا
اسی طرح انہیں کہا جائے گا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو وہ لوگ جو علم الٰہی کے مطابق عملی زندگی میں

سعید ہوتے آگ میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ جو عملی زندگی پاتے اور علم الٰہی کیمطابق شقی ہوتے آگ میں داخل ہونے سے رک جائیں گے' پس اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ اب جب کہ تم میری ہی نافرمانی کر رہے ہو تو میرے رسولوں کی عدم موجودگی میں کیا کرتے اس حدیث کی اسناد میں عطیہ بن عوف بھی ہے' اس حدیث میں ضعف پایا جاتا ہے اور امام ترمذی اسے حسن قرار دیتے ہیں اور اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں جو اس کے حسن اور ثابت ہونے کے مقتضی ہیں۔

چوتھی حدیث

حضرت بزار اور جناب ابو یعلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی اپنی مسند میں حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشار فرمایا کہ قیامت کے دن چار قسم کے لوگ آئیں گے۔

مولود' دیوانہ' فترت کے زمانہ میں فوت ہونے والا' بہت ہی بوڑھا شخص جو قریب المرگ ہو

یہ سب لوگ اپنی اپنی حجت بارگاہ ایزدی میں پیش کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم ارشار فرمائے گا کہ انہیں جہنم سے آزاد کر دو' اے جہنم انہیں باہر نکال دے

پھر ان سے فرمایا جائے گا

میں نے تمہاری طرف اپنے بندے تمہیں میں سے اپنے رسول بنا کر بھیجے اور اب میں تمہاری طرف خود اپنی طرف سے رسول ہوں' اب تم آگ میں داخل ہو جاؤ۔

جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شقی بنایا ہو گا وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار کیا تو ہمیں اس آگ میں داخل کرے گا؟ اس سے تو ہم ڈرتے ہیں۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ نے سعید بنایا ہو گا وہ فوراً" اس آگ میں داخل ہو جائے گا

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہو گا' اب جب کہ تم لوگ براہ راست میری ہی نافرمانی کر رہے ہو تو اگر تمہاری طرف میرا رسول آیا ہوتا تو تم یقیناً" اس کی شدید تکذیب اور نافرمانی کرتے چنانچہ یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور تم جہنم میں جاؤ گے۔

پانچویں حدیث

محدث عبدالرزاق' ابن جریر' ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اپنی اپنی تالیفات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم' اہل فترت'

دیوانے، گونگے، بہرے اور بہت ہی بوڑھے ایسے لوگوں کو جمع فرمائے گا جنہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں دیکھا پھر ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ' یہ لوگ کہیں گے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ تو نے ہماری طرف کسی رسول کو بھیجا ہی نہیں۔

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ بغیر کسی رد و کد کے آگ میں داخل ہو جاتے تو ان پر آگ کو سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا کر دیا جاتا'

پھر ان کی طرف رسول بھیجے گا جو اس کی اطاعت کا خواہاں ہو گا وہ اس کے اطاعت کرے گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو' وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا۔

اسناد حدیث

اس حدیث کی اسناد بخاری' مسلم کی شرطوں پر بھی صحیح ہیں اور یہ کہ!
اس قسم کی حدیث اپنی رائے سے نہیں بنائی جاسکتی پس یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

چھٹی حدیث

محدث بزار اپنی تالیف مسند بزار میں اور علامہ حاکم اپنی تالیف مستدرک میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اہل جاہلیت اپنے اپنے بتوں کو اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے بارگاہ رب العزت جل مجدہ الکریم میں سوال کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف نہ تو اپنا کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی ہمیں تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ہماری طرف تیرا بھیجا ہوا رسول آتا تو ہم اس کے اطاعت کیش اور تیرے عبادت گزار ہوتے خداوند قدوس جل مجدہ الکریم کا فرمان ہو گا اگر اب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم اس کی پیروی کرو گے؟ وہ لوگ کہیں گے' ہاں! تو اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم انہیں ارشاد فرمائے گا جہنم کی طرف چلو اور اس میں داخل ہو جاؤ'

وہ چلتے چلتے جب جہنم کے قریب آجائیں گے تو اسے سخت غصے اور آواز نکالتا ہوا پائیں گے تو پلٹ آئیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس آگ سے بچالے' ہم اسے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہو گا' کیا تمہارا یہ گمان نہیں ہے کہ اگر اب میں تمہیں حکم دوں تو تم میری اطاعت کرو گے؟ وہ کہیں گے ہاں ایسا ہی گمان ہے اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے عہد لے لے گا اور فرمائے گا کہ جہنم کا رخ کرو اور اس میں داخل ہو جاؤ' وہ چل پڑیں گے اور جہنم کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں گے اور واپس آکر اللہ تعالیٰ سے

عرض کریں گے کہ ہم اس کے ڈر کی وجہ سے واپس آگئے ہیں اور اس میں داخل ہونے کی ہمت نہیں پاتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب اس میں ذلت کے ساتھ داخل ہو جاؤ' حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر وہ پہلی بار داخل ہو جاتے تو وہ آگ ان کے لئے سلامتی اور ٹھنڈک کا موجب بن جاتی۔

جرح! حافظ المحدث امام ابو عبداللہ حاکم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسناد کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

ساتویں حدیث

امام طبرانی اور حافظ ابو نعیم علیہما الرحمتہ والرضوان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دیوانے' اور زمانہ فترت میں فوت ہونے والے اور وہ بچے جو کم سنی میں فوت ہو گئے ہیں دربار خداوندی میں حاضر ہوں گے اور مفسوخ العقل دیوانہ کہے گا یااللہ! تو نے مجھے عقل ہی نہیں عطا فرمائی تھی اب اگر مجھے عقل عطا فرمائی جائے تو مجھ تو اپنی عطا فرمودہ عقل سے کام لینے والا سعادت مند پائے گا۔

اور اسی طرح عہد فترت میں فوت ہونے والے اور صغیر سنی میں انتقال کرنے والے عرض کریں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم انہیں ارشاد فرمائے گا کہ اگر اب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو کیا تم اطاعت اور فرمانبرداری کرو گے؟ وہ لوگ کہیں گے' ہاں! پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہو گا جاؤ اور آگ میں داخل ہو جاؤ

اگر وہ جہنم میں داخل ہو جاتے تو آگ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکتی تھی پس ان کے شانوں کا گوشت پھڑکنے لگے گا پس ان لوگوں کو گمان ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ ہلاک ہو جائے گا چنانچہ وہ لوگ واپس آجائیں گے' پھر انہیں دوبارہ آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا مگر وہ پھر پہلے کی طرح واپس پلٹ آئیں گے۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہو گا کہ میں تمہاری تخلیق سے بھی پہلے جانتا تھا کہ تم کون کون سے عمل کرو گے اور میں نے تمہیں اپنے علم کی بنا پر ہی پیدا کیا ہے۔
مجھے تمہارے پیچھے کا بھی علم ہے اور اس چیز کا بھی علم ہے جس کی طرف تم مائل ہو اور جس کو تم نے پکڑ رکھا ہے۔

فرمان خدا میں اختلاف محال ہے

اس موقع پر بعض استفادہ کرنے والے پوچھتے ہیں کہ واجب چیز اطاعت ہے مگر یہ قربت تو نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غور و فکر اول الواجبات سے ہے اور یہی اطاعت ہے مگر اسے قربت اس لئے نہیں کہتے کہ وہ حصول

معرفت کے لئے غورو فکر سے۔ کام لیتا ہے پس وہ مطیع ہے مقرب نہیں' اس لئے کہ وہ اس کے قریب ہو گا جسے پہچانتا ہو گا، نیز ہمارے شیخ اور امام نے اس موقع پر یقیناً" یہ نہایت ہی اچھی بات کہی ہے
رسول کی تشریف آوری سے قبل جب اسے کوئی خیال آتا ہے تو خیالات اور طریقوں میں تصادم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسا خیال سوجھ جائے جو اس کی نقیض اور ضد ہو اور اس سے عقل حیرت میں پڑ جائے' پس الجھن کے دور ہونے تک توقف ضروری ہے۔
اور بعض خطرات کے ظہور میں آنے سے عقل حیرت اور وحشت کا شکار ہو جاتی ہو اور پوشیدہ چیزوں کے انکشاف اور وقوع پزیر ہونے کے سلسلہ میں توقف کرنا اور رک جانا ہی ضروری معلوم ہوتا ہو۔
چنانچہ ان امور کا سد باب اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرستادہ پیغمبر نہ آجائے۔
اور ایسے ہی استاذی المکرم جناب ابو اسحاق اسفرائنی قدس سرہ العزیز' نے فرمایا ہے کہ لا ادری کہنا' نصف علم ہے یعنی یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا نصف علم ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میرا علم اس حد تک پہنچ گیا ہے جہاں تک عقل کی گزر گاہ ہے اور یہ بات وہی شخص کہتا ہے جو علم میں نہایت باریک بین ہو اور عقل کی ان گزر گاہوں کا واقف ہو' جس میں اس کا گزر نہیں ہو سکتا۔

نیز امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تصنیف "المحصول" میں فرماتے ہیں کہ شکر منعم' عقل کے لئے ضروری نہیں بخلاف معتزلہ کے' کیونکہ اگر عقل کے لئے بعثت رسول سے پہلے نعمتیں عطا فرمانے والے کا شکریہ ادا کرنا متحقق ہو!

تو اس کا تارک ضرور معذب ہو گا پس اس کا وجوب ثابت نہیں ہوا' اب رہی یہ بات کہ شکر' نعمت کے لازم حال ہے تو یہ ایک واضح بات ہے اور یہ بات جو کہی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا تو اس کا موجب اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا**۔ تعذیب کی نفی بعثت کی حد تک ہے اگر عذاب منتفی تو اللہ تعالیٰ کے قول میں اختلاف ہو جائے گا جو ایک امر محال ہے۔
چنانچہ امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کی اتباع کرتے ہوئے کتاب "الحاصل والمحصول" کے مصنف اور امام بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المنہاج" میں انہی امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔
علاوہ ازیں حضرت امام قاضی تاج الدین سبکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب "شرح المختصر ابن الحاجب" شکر منعم کے مسائل بیان کرتے ہوئے یہ مسئلہ تخریج فرمایا ہے کہ جب تک کسی شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی طرف سے دعوت الی الحق نہ پہنچ جائے یعنی رسول نہ آئے وہ شخص ناجی ہے' لہٰذا اس سے اس وقت تک قتال نہ کیا جائے' جب تک کہ اسے اسلام کی دعوت نہ دے لی جائے۔
صاحب معالم التنزیل حضرت امام بغوی علیہ الرحمتہ اپنی تصنیف "التہذیب" میں نقل فرماتے ہیں کہ جب تک کسی شخص کو اسلام کی دعوت نہ دی جائے اس وقت تک اسے قتل کرنا جائز نہیں' اور اگر کوئی شخص اسلام کی

دعوت دینے سے قبل ہی اسکو قتل کر دیتا ہے تو اس کے وارثوں کو دیت یا کفارہ دینا پڑے گا اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کے قتل پر دیت اور کفارہ کے معاملہ میں "کسی مسلمان کا" ضمانت دینا ضروری نہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے قتل سے تاوان واجب نہ ہو گا

اس مسئلہ میں ان کی اصل یہ ہے کہ اس پر عقلاً" حجت قائم ہو چکی ہے اور ہمارے نزدیک دعوت پہنچنے سے قبل اس پر حجت قائم نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔

اور حضرت امام رافعی رحمتہ اللہ علیہ الشرح میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت نہ پہنچی ہو اسے اطلاع اور دعوت الی الاسلام دیئے بغیر قتل کرنا جائز نہیں اور اگر وہ قتل ہو جائے تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مسلک کے بر خلاف وہ مقتول ہو گا اور بنائے اختلاف یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس پر عقلاً" حجت ہو چکی ہے اور ہمارے نزدیک اسے دعوت نہیں پہنچی اس لئے اس پر حجت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ارشاد خداوندی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا کے مطابق اس سے مواخذہ ہو گا

اور حضرت امام غزالی اپنی کتاب "البسیط" کتاب میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اس کی دیت اور کفارہ دینا پڑے گا۔ صحیح مسلک کے مطابق اس کا قصاص نہیں ہو گا کیونکہ وہ باتحقیق مسلمان نہیں صرف معناً مسلمان ہے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن رفعت نے اپنی تصنیف "کفایہ" میں مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہوا اور اس سے "اسلام کے خلاف" عناد اور دشمنی ظاہر نہیں۔

نووی کا جواب نووی سے

اور امام نووی نے شرح مسلم میں کفارو مشرکین کے بچوں کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ تمام محققین کے نزدیک صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا" امام نووی کہتے ہیں کہ جب اس شخص کو عذاب نہیں ہو گا جسے دعوت نہیں پہنچی تو اس کا غیر بدرجہ اولیٰ مستحق عذاب نہ ہوا اگر آپ سوال کریں کہ جو مسلک وہ خود بیان کرتے ہیں کیا یہ تمام تر اہل جاہلیت کے لئے عام ہے!

تو میں کہتا ہوں نہیں بلکہ یہ اس شخص کے لئے مخصوص ہے جسے بذریعہ رسول قطعاً" دعوت الی الحق نہ پہنچی ہو۔

مگر جب ان کو انبیائے سابقین میں سے کسی نہ کسی کی دعوت پہنچ جائے اور پھر بھی وہ اپنے کفر پر قائم رہیں تو وہ قطعی طور پر آگ میں جائیں گے اور اس مسئلہ میں کسی بھی قسم کا ہرگز نزاع نہیں۔

حضورؐ کے والدین کا حال ظاہر ہے

لیکن حضور کے والدین شریفین کا حال ظاہر ہے کہ آپ اس گروہ میں شامل ہیں جنھیں آخر زمانہ تک کسی بھی رسول اور پیغمبر کی طرف سے دعوت نہیں پہنچی۔

اور ان کے اور انبیائے سابقین کے درمیان بعد زمانی پایا جاتا ہے' ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل آخری نبی حضرت عیسٰی علیہ السلام تھے ان کے اور حضور رسالت ماٰب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے درمیان چھ سو سال کا دور فترت پایا جاتا ہے

اور پھر ان دونوں کے زمانہ میں تو مشرق و مغرب میں زمین کے ہر طبقہ پر جہالت کا دور دورہ تھا اور کسی جگہ بھی احکام شریعت کی دعوت پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا'

اور شریعتوں کو جاننے والے لوگ مفقود ہو چکے تھے اور دعوت الی الحق کا کام اہل کتاب کے علماء میں سے ایک چھوٹی سی جماعت اکناف زمین میں جیسے شام وغیرہ ہیں' متفرق طور پر انجام دے رہی تھی اور نہ ہی انھوں نے کوئی لمبی عمر پائی کہ وہ اس میں تحقیق و جستجو کرسکتے بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت ہی قلیل عمر پائی۔

حافظ ملاح الدین نے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اپنے والد مکرم سے آپ کی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منتقل ہوا تو اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی اور آپ کی والدہ مکرمہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی عمر مبارک بھی آپ کے والد گرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک کے برابر ہی تھی

اور جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جبین اقدس سے تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اقدس جناب سیدہ آمنہ کے شکم اطہر میں منتقل ہو چکا تھا تو اس وقت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی اور انہی ایام میں آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اہل خانہ کے لئے کھجوریں لینے کے لئے تشریف لے گئے تو وہیں پر بنو نجار کے قبیلے میں آپ کی خالاؤں کے ہاں آپ کا وصال مبارک ہوگیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک اس وقت بھی اپنی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ "صلواۃ اللہ علیہا" کے شکم مقدس میں تشریف فرما تھا

اور اکثر طور پر عورتوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ مردوں کے دین اور شریعت کے بارے میں نہیں جانتیں' خصوصاً اس زمانہ میں' جس میں عورتیں تو درکنار مرد بھی کچھ نہ جانتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک ہوئی اور آپ نے اعلان رسالت فرمایا تو اہل مکہ نے کہاکہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول

بنا کر مبعوث فرمایا ہے؟

قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ بنی اسرائیل آیت ۹۴

نیز کہتے تھے کہ:

اگر اللہ کو رسول بھیجنا منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا' کیونکہ ہم نے اپنے پہلے باپوں "بڑوں" سے یہی بات سنی ہے۔

ولو شاء اللہ لانزل ملٰئکۃ ما سمعنا بھذا فی اٰبائنا الاولین المومنون آیت ۲۴

انکار نہ کرتے

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو بعثت رسول کا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس کا انکار نہ کرتے۔

اور بعض اوقات وہ خیال کرتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی وہی دین لے کر مبعوث ہوئے تھے جس پر وہ قائم ہیں کیونکہ انہیں کوئی ایسا شخص ہی نہیں ملا جو انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح شریعت کی طرف راہنمائی کرتا کیونکہ وہ مٹ چکی تھی اور اس کو جاننے والے بھی مفقود ہو چکے تھے اور ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے بھی زائد وقفہ ہے پس اس امر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ دونوں صحیح معنوں میں اسی مسلک میں داخل تھے۔

توفیق اطاعت نصیب ہوگی

علاوہ ازیں شیخ عزالدین بن عبدالسلام رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "امال" میں فرماتے ہیں جس کی عبارت یہ ہے کہ

تو اس بناء پر ہر نبی کی قوم کے علاوہ جو لوگ بھی ہوئے سوائے سابق نبی کی ذریت کے اہل فترت میں سے تھے۔ اگر چہ بلاشبہ وہ سابق نبی کے مخاطبین کے زمرہ میں ہیں' مگر پہلی شریعت مٹ جائے تو وہ سب کے سب اہل فترت میں سے ہو جاتے ہیں یہ شیخ عزالدین کا کلام ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل فترت میں سے تھے۔ اس لئے کہ وہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت سے تھے اور نہ ہی ان کی قوم کی اولاد سے تھے

بعد ازاں آپ حافظ العصر ابوالفضل علامہ ابن حجر عسقلانی کے قول کو مزین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق گمان ہے کہ وہ ان دوامور کے تحت آئیں گے پہلا امر یہ ہے جسے امام ابو عبداللہ حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت صحیح بیان کیا ہے کہ ایک ایسے انصاری نے حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا جو راوی کے گمان کے مطابق سب سے زیادہ سوال پوچھا کرتا تھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کے خیال میں آپ کے والدین آگ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا!

میں نے اپنے رب سے اس کے متعلق دریافت نہیں کیا' میں قیامت کے دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا۔
اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ مقام محمود پر قیام کرنے کے وقت اپنے والدین کریمین کے متعلق بھلائی کی امید رکھتے ہیں اور وہ بھلائی یہ ہے کہ آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے اور انھیں اہل فترت کے امتحان کے وقت توفیق اطاعت نصیب ہوگی۔

بھلائی کی امید

اور اس میں قطعاً" شک و ریب نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام محمود پر جلوہ افروز ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہو گا' محبوب سوال کرو تاکہ عطا کیا جائے اور شفاعت فرمایئے تاکہ قبول کی جائے' جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں جب سوال کروں گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے عطا فرمائے گا۔ اور دوسری بات یہ ہے جو کہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ" کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا یہ ہوگی کہ آپ کی اہل بیت اطہار سے کوئی ایک شخص بھی آگ میں نہ جائے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر نے اپنے قول "اتطن بال بيته كلهم ان يعطيو اعند الامتحان"میں تعمیم کردی ہے۔
علاوہ ازیں تیسری حدیث ولامہ ابو سعد نے اپنی کتاب "شرف النبوت" میں اور علامہ "الملا" نے اپنی سیرت کی کتاب میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری اس التجا کو قبول فرما لیا اور جو میں نے مانگا تھا وہ مجھے عطا فرما دیا نیز یہ روایت محب طبری رحمتہ اللہ نے اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ" میں بھی نقل فرمائی ہے اور چوتھی حدیث ان دونوں سے زیادہ واضح ہے۔

چنانچہ حضرت امام رازی رحمتہ اللہ علیہ ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنی کتاب "فوائد" میں روائت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اپنے والد گرامی سیدنا عبداللہؓ اور اپنی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہؓ اور اپنے عم محترم حضرت ابو طالبؓ اور دور جاہلیت کے اپنے رضاعی بھائی کی شفاعت کرونگا۔

تقویت حدیث، پہلی شفاعت

یہ متعدد احادیث ہیں جو ایک دوسری کی تقویت کا باعث ہیں، کیونکہ ضعیف حدیث کثرت طرق سے قوی ہو جاتی ہے۔ اور ان سے ملتی جلتی حدیث حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جسے حاکم نے متدرک میں بیان کیا ہے۔

نیز جو ہم کہتے ہیں اس حدیث سے بھی صاف طور پر مترشح ہوتا ہے، جسے امام ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے قاسم بن ہاشم سمسار نے اور حدیث بیان کی ان سے مقاتل بن سلیمان رملی نے ابی معشر سے کہ سعید مقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بیس سالہ بندوں کیلئے دعا کی اس نے وہ مجھے عطا فرما دیئے۔ اگرچہ وہ مقصود بیان میں غیر واضح ہے اور جو ابن عمر سے دیلمی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنے اہلبیت کی شفاعت، پھر ان کے بعد قریبی رشتہ داروں کی اور پھر ان کے بعد قریبی رشتہ داروں ہوں گے اور جو محب طبری نے ذخائر العقبیٰ میں اور امام احمد نے مناقب میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا آپ نے فرمایا! یا بنی ہاشم۔

بنی ہاشم کے لئے

اگر مجھے جنت میں لے جانے کے لئے حلقہ وار شفاعت کا اذن ہوا تو میں تم سے اس کی ابتدا کروں گا۔ اس حدیث کو خطیب نے اپنی تصنیف تاریخ بغداد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ نعیم کی حدیث سے روایت کیا ہے، نیز انھوں نے اس حدیث کو ابو الجہری کی طرف منسوب کیا جسے اس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ! ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو کہتے ہیں کہ میرے رشتہ داروں کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ یاد رکھو کہ مجھ سے میرے رشتہ داروں کو ضرور فائدہ حاصل ہو گا، یہاں تک کہ یہ فائدہ یمن کے ایک قبیلہ تک پہنچے گا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور میں شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ جس کے لئے شفاعت کی سفارش کروں گا، وہ بھی شفاعت کرے گا" حتیٰ کہ اس سلسلۂ شفاعت کو دیکھ کر" ابلیس بھی شفاعت کی لمبی آرزوئیں کرنے لگے گا۔

اور ایسے ہی امام طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ۔ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا خیال ہے کہ میری شفاعت، میرے اہل بیت کو حاصل نہ ہو گی، جب کہ میری شفاعت کی صورت حال یہ ہے کہ وہ "حا" اور "حکم" قبیلوں تک پہنچے گی۔ علامہ زرکشی نے "الخادم" میں ابن دحیہ سے نقل کیا ہے، شفاعت کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ ابولہب کے عذاب میں ہر پیر کے دن تخفیف ہو جاتی ہے، کیونکہ جب اس کی کنیز

ثوبیہ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی بشارت سنائی تو اس نے خوش ہو کر اس کنیز کو آزاد کر دیا تھا اور یہ رعایت اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کے لئے ہے۔

علاوہ ازیں میں نے اس مسئلہ میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ امام عبداللہ محمد بن خلف الابی کا وہ کلام بھی دیکھا ہے جو انہوں نے مسلم شریف کی حدیث "ان ابی واباک فی النار" کی شرح کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے' پہلے تو انہوں نے "نووی" کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو کفر کی حالت میں فوت ہوا تو وہ جہنمی ہے اور اسے قریبوں کی قرابت کوئی نفع نہیں دے گی' بعد ازاں آپ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس اطلاق کی طرف بھی نظر کرو۔

امام سہیلیؒ نے فرمایا ہے کہ ہم ایسی بات کیوں نقل کریں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ زندوں کو فوت شدگان کی وجہ سے اذیت نہ دو اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔ الخ

اور شاید یہ روایت صحیح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ پاک سے سوال کیا تو اس نے میرے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ مجھ پر ایمان لائے۔

مقام مصطفےٰ اس سے بھی بلند ہے۔ خدا عاجز نہیں۔

اور حضور رسالت مآبؐ کو تو اس سے بھی بلند مقام حاصل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی' پھر نووی کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہو اور اس دور کے عربوں کی طرح بت پرستی کرتا ہو تو وہ آگ میں داخل ہوگا اور یہ تعذیب' قبل از بلوغ دعوت نہیں ہے' کیونکہ ان لوگوں کو حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔

نووی کے کلام میں جو منافات پائی جاتی ہیں ذرا اس پر غور کرو کیونکہ جن لوگوں کو دعوت پہنچ جائے وہ اہل فترت نہیں ہوتے' اہل فترت تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو دو رسولوں کے درمیانی زمانہ میں ہوتے ہیں' نہ ان کی طرف پہلا رسول آتا ہے اور نہ دوسرے رسول کا زمانہ پاتے ہیں جیسے وہ بدو جن کی طرف نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور نہ انہوں نے رسول کریمؐ کا زمانہ پایا اس تفسیر کے مطابق زمانہ فترت دور رسولوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں' مگر فقہاء کرام جب فترت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور کائناتؐ کے درمیانی وقفہ کو مراد لیتے ہیں۔

مگر جب دلائل قاطعہ نے بتایا کہ حجت کے قیام کے بغیر عذاب نہیں ہوتا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ انہیں عذاب نہیں ملے گا۔

ایک سوال' تین جواب۔

اگر آپ کہیں کہ صاحب مجن وغیرہ نے ان احادیث کو جو اہل فترت کی تعذیب کے بارہ میں آئی ہیں، صحیح قرار دیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ نے اس کا جواب تین طریقوں سے دیا ہے۔

1۔ یہ کہ یہ احادیث ہیں، قاطع کے معارض نہیں۔

2۔ ان پر عذاب کا کم ہونا ہے اور اس کا سبب اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

3۔ ان احادیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جو شخص شرائع میں تغیر و تبدل کرے اور ایک گمراہ کن شریعت وضع کرے، اسے کوئی شخص بھی معذور خیال نہیں کرے گا لہٰذا بلاشبہ اہل فترت تین ہی قسم کے لوگوں کو کہتے ہیں۔

اس جواب کے علاوہ مزید یہ ہے کہ اہل فترت بھی تین اقسام پر مشتمل ہے اور ان میں پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو نگاہ بصیرت سے اور اک توحید کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان تبدیل شدہ شریعتوں میں سے کسی ایک میں بھی داخل نہیں ہوتے، جیسا کہ جناب قیس بن ساعدہ اور حضرت زید بن عمرو بن نفیل ہیں،۔

اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو شریعت حقہ جس کے الفاظ قائم ہوتے ہیں "میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے جناب تبع اور ان کی قوم۔

اہل فترت میں سے دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو موجودہ شریعت میں تغیر و تبدل کرتے ہیں اور توحید پر قائم رہنے کی بجائے شرک کرتے ہیں اور از خود ایک شریعت بنا کر اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام مقرر کرتے ہیں۔

اس قسم کے اکثر لوگ ہیں جیسا کہ عمرو بن لحی، وہ پہلا شخص ہے جس نے اہل عرب کے لئے بتوں کی پرستش کی بنیاد ڈالی، اور اپنی طرف سے خود ہی شریعت بنا کر اس خود ساختہ شریعت کے احکام میں بحیرہ سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ جانور مقرر کئے اور ان کو ذبح کرنے سے منع کر دیا۔

اور عرب کے ایک گروہ نے اس کی بنائی ہوئی شریعت پر اضافہ کر کے جنات اور ملائکہ کی پرستش کی، بیٹوں اور بیٹیوں کو جلایا اور اپنے معبودوں کے لئے گھر بنا کر پردے کھینچ دیئے اور ان کے لئے دربان مقرر کئے۔ اس طرح وہ کعبہ کی مشابہت اختیار کرتے جیسے کہ انہوں نے لات، منات اور عزیٰ کے معاملہ میں کیا۔

اہل فترت کی تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو نہ مشرک ہوتے ہیں نہ موحد، اور نہ ہی کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوتے ہیں اور نہ اپنے لئے نئی شریعت بناتے ہیں اور نہ نیا دین بناتے ہیں بلکہ ان کی ساری عمر غفلت میں ہی گزر جاتی ہے اور زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے لوگ بھی پائے جاتے تھے پس جب اہل فترت تین اقسام میں منقسم ہو گئے تو صحیح معنوں میں عذاب دوسری قسم کے لوگوں پر انکے کفر کی وجہ سے آئے گا اور انہیں معذور قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ تیسری قسم کے ہیں فی الحقیقت وہی اہل فترت ہیں، وہ ہرگز معذب نہیں ہوں گے

جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے۔

اب رہے اہل فترت میں سے پہلی قسم کے لوگ تو ان کے لئے سرکار دو عالم ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل" ان میں سے ہر ایک کو' ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا اور جناب تبع اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں وہی حکم ہو گا جو ان لوگوں کے بارے میں تھا جنہوں نے اس دین کو قبول کر لیا تھا جب تک کہ ان میں سے کوئی شخص اسلام کا زمانہ نہ پالے جو تمام ادیان کا ناسخ ہے اپی کا بیان یہاں پر ختم ہو جاتا ہے۔ (۴۴)

رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب سے سوال کروں گا کہ میرے اہل بیت کا کوئی فرد جہنم میں نہ جائے۔ پس اللہ تعالیٰ میرے سوال کو قبول فرمائے گا۔ اس حدیث کو حافظ محب الدین طبری اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ" میں لائے ہیں۔ (شرف النبوۃ و مسالک الحنفاء)

۲۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ جب قیامت ہو گی تو میں اپنے والد و والدہ اور چچا ابو طالب اور اپنے اس بھائی کے لئے جو زمانہ جاہلیت میں گزر گیا۔ حق تعالیٰ سے شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کو المحب طبری جو کہ حفاظ حدیث اور فقہاء ملت میں سے ہیں۔ اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ" میں لائے ہیں۔

قاعدۂ حدیث۔

یہ درست ہے کہ یہ حدیث دوسری سندوں سے' اسی سند کے سواء حدیث ابن عباسؓ سے زیادہ ضعیف ہے جسے ابو نعیم وغیرہ نے تخریج کی ہے اور اس میں تصریح ہے کہ بھائی سے مراد رضاعی بھائی ہے۔ لہٰذا متعدد طرق سے احادیث کی روایت ایک دوسرے کو قوی و مضبوط بناتی ہے کیونکہ ضعیف حدیث کثرت طرق کے ساتھ قوی ہو جاتی ہے۔ اور یہ کہ اس کی مثل حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ہے جس کی حاکم نے تصحیح کی ہے۔

۳۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس کی شفاعت کروں گا۔ وہ میرے اہل بیت ہیں "ثم **الاقرب فالاقرب**"

۴۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اے بنی ہاشم کے لوگو! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اگر میں کسی جنتی گروہ کو بھیجوں گا۔ تو سب سے پہلے تم ہی کو بھیجوں گا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیمؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہیں دے گی۔ بلکہ یہاں تک ہے کہ حکم پہونچ جائے اور وہ یمن کے دو قبیلوں میں سے ایک ہے۔ بے شک میں شفاعت کروں گا۔ لہٰذا مجھ سے شفاعت مانگو۔ تاکہ میں اس کی شفاعت کروں گا جو بھی شفاعت چاہے گا اس کی شفاعت قبول ہو گی۔ یہاں تک کہ ابلیس بھی شفاعت کی طمع کرے گا۔

(لـ)

یہ تمام روایات "مسالک الحنفاء" سے لی گئی ہیں۔

فائدہ۔

ان احادیث میں قرابت داروں کی شفاعت یا ان کی نجات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جن غریبوں کو کلی طور پر شفاعت کا انکار ہو۔ وہ والدین کریمین کی شفاعت یا ان کی نجات و ایمان کو مان کر کیا کریں گے۔ یا مانیں گے کب جب انہیں اصل (شفاعت) گوارہ نہیں تو فرع (ایمان ابوین) کب گوارہ ہے۔

علماء کرام نے لکھا ہے کہ شفاعت کے اقسام میں سے ایک قسم عذاب کی تخفیف ہے' جیسا کہ ابولہب کے عذاب میں ہر پیر (دو شنبہ) کے دن کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے نبی کریمؐ کی ولادت کی خوشی منائی اور اپنی باندی ثویبہ کو' جو آپ کی ولادت کی خوش خبری لائی تھی۔ آزاد کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ تخفیف عذاب' نبی کریمؐ کی کرامت کی وجہ سے ہے۔

غور فرمایئے کہ ابولہب کا فعل مذکور غیرارادی تھا۔ محض رسم تھی۔ جو اس نے ادا کی۔ پھر باوجود رذیل ترین دشمن تھا۔ کہ قرآن مجید میں نام لے کر صرف اسی کی مذمت کی گئی اور جیتے جی جہنم کی نوید صرف اسی نے سنی لیکن مخالفین کو اس کی تخفیف عذاب سے یقین ہے۔ (جیسے ہمیں ابوین کریمین کے ایمان و نجات کا) ان کو انکار ہی انکار ہے حالانکہ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ تخفیف تکریماً للمصطفیٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہے تو ایمان ابوین کی ایمان و نجات کی علت بھی یہی ہے۔

اہل اسلام سمجھتے ہیں کہ مخالفین مسائل اسلامیہ کی تحقیق پر اختلاف کر رہے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ان کا یہی مقصود ہوتا تب بھی ہمیں کوئی باک نہ تھا۔ بلکہ ہم تو ان کی چال سے اس لئے گھبرائے ہوئے ہیں۔ کہ یہ اسلام کے روپ میں خوارج و معتزلہ کے اصول کو نئی زندگی بخشنا چاہتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی اہل بیت کے دشمن اور شفاعت حبیب خداؐ کے منکر اور اہل فترت کے عذاب اور کفر کے قائل تھے یہ بھی ان کے اصول پر ہمارے اصولی و فروعی (عقائد و مسائل) میں اختلاف برپا کر دیئے ہیں۔ (۱)

عقائد آئمہ کرام۔

وبدانند آنکہ اتفاق کردہ اند ائمہ شافعیہ از فقہاء ائمہ اشاعرہ از اہل علم کلام و اصول و فقہ بر آنکہ ہر کہ وفات یافت قبل از بلوغ دعوت اوناجی است از عذاب دوزخ و داخل خواہد شد در بہشت یعنی جملہ فقہاء شافعیہ ائمہ اشاعرہ میں سے صاحبان علم کلام' اصول' فقہ وغیرہ نے اتفاق فرمایا ہے اس بات پر کہ کوئی بھی انسان کہ جب وہ بلوغ دعوت سے قبل وفات پاجائے وہ یقیناً" ناجی ہے۔ دوزخ میں اس کو مطلقاً" عذاب نہ دیا جائے گا۔ اور جنت میں ضرور

داخل ہوگا۔ اور تصریح فرمائی امام شافعیؒ نے اپنی کتاب مختصر میں اس قول پر نہایت تفصیل کے ساتھ اور آپ نے بیان فرمایا کہ ابلاغ سے قبل کبھی بھی عذاب نہ دیا جائے گا۔ (کما ثبت با التحقیق)۔

متابعت او نمودہ اند جمیع اصحاب او۔ اور امام شافعیؒ کے جملہ اصحاب نے اپنے امام کی متابعت کی ہے اس مسئلہ میں۔ جیسے امام فخرالدین رازی اصحاب امام شافعی میں سے جس نے اپنی کتاب محصول میں بہترین دلائل سے بیان فرمایا ہے اور ثابت فرمایا ہے کہ بلوغ دعوت سے قبل کسی بھی انسان کو دوزخ میں عذاب نہ دیا جائے گا اور ضرور رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اسی طرح علامہ ابن حاجب نے اپنی کتاب مختصر میں بھی ثابت کیا ہے کہ ابلاغ سے قبل عذاب مطلقاً نہیں اور ابلاغ سے قبل جو لوگ بھی وفات پا گئے ہیں تمام جنت کے مستحق ہیں۔ اور وہ ضرور جنت میں جائیں گے۔ اور اسی طرح علامہ بیضاوی نے اپنی کتاب منہاج میں اور قاضی تاج الدین سبکی نے شرح ابن حاجب میں اور علامہ رافعی نے اپنی شرح میں یوں ذکر کیا ہے۔ (ہرکہ نرسیدہ است اور ادعوت ثابت نہ گردد بروئے حجت و بروئے مواخذہ نباشد بدلیل قولہ تعالیٰ۔ **"وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا"**)۔ یعنی جن لوگوں کو دعوت رسول نہیں پہنچی ان پر عذاب واجب نہیں ہوتا کیونکہ ان پر حجت قائم نہیں کی گئی اور ان کو رب تعالیٰ کے قوانین سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ خود اعلان فرما رہا ہے کہ میرا یہ دستور و قانون نہیں کہ جب تک میں انسان کے ابلاغ کے لئے رسول ارسال نہ فرماؤں تب تک میں عذاب نہیں دیتا۔ اور مذکورہ بالا مضمون کی تائید میں بکثرت ائمہ کرام کے ارشادات عالیہ موجود ہیں جیسے علامہ ابن رفعہ اپنی کتاب کفایہ میں ارشاد فرماتے ہیں تعلیل کردہ است بانکہ او مولود گشتہ است بر فطرت مظاہر نہ گشت است از وے عنادی و نیامدہ است بوے رسولی کہ تکذیب کردہ باشد او را۔ یعنی صاف ظاہر ہے کہ جس کو دعوت نہیں پہنچی تو وہ شخص فطرت میں متولد ہے۔

اور زمانہ فطرت میں عناد بھی اس کے ہاتھ سے بالکل سرزد نہیں ہوا کیونکہ زمانہ فطرت میں احکام شرع تو مطلقاً نہیں تو عناد کے واقع ہوجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نیز ان کے پاس رسول رب العالمین کی جانب سے آیا نہیں تو جب رسول ان کے پاس مطلقاً نہیں آیا تو تکذیب رسول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو ثابت ہوا کہ

اہل باشان عظمت خود خواندہ غفور خود را — از فضل اہل فطرت برند حظ خود را

سوال۔

بقول امام اعظم کہ نیست عذر، ہیچ احدے را در جہل بخالق خود۔ یعنی رب تعالیٰ کی ذات احادیث کی پہچان میں کسی کے لئے عذر نہیں کہ میں جاہل ہوں۔ مجھے رب تعالیٰ کی ذات احادیث کا علم نہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لینا کہ رب تعالیٰ کی پہچان میں جہل عذر نہیں۔ اسی لئے تو حالت قتال میں کفار کو دعوت اسلام دینا شرط نہیں تو بنابر قول امام قبل از بعثت مواخذہ لازم ہوا۔

جواب۔

امام کا شرط مقرر فرمانا کہ حالت قتال میں کفار کو دعوت اسلام دینا ضروری نہیں تو یہ شرط اس بنا پر مقرر فرمائی گئی ہے کہ حضور والا ظہور ؐ کا اشتہار عامہ کل دنیا میں بدرجہ اتم ہو چکا ہے شرقاً۔ غرباً۔ جنوباً۔ شمالاً کوئی شہر و بستی ایسی نہیں کہ جہاں تک سرکار کونین کا خبر رسالت نہ پہنچا ہو۔ تو یہ اشتہار عامہ حکماً دعوت ہے جمیع مشرکین کے لئے اس لئے دوبارہ حالت قتال میں دعوت اسلام ضروری نہیں کیونکہ فی الحقیقت دعوت ان کو ایک مرتبہ دی جا چکی ہے جیسے اس مسئلہ کو صاحب محیط برہانی نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ دعوت بعد از بعثت ہو سکتا ہے قبل نہیں۔ اور امام کا قول کہ جہل بخالق عذر نہیں۔ اس قول سے بھی امام کا مراد بعد از بعثت عذر مراد ہے۔ اور اہل فطرت زمانہ جاہلیت میں پیدا شدہ تھے اور ان کو بعثت نہیں ہوئی۔ امام بھی انکی عدم تعذیب کے قائل ہیں اور والدین ماجدین سید کونین اس قبیلہ سے ہیں کہ انکو سابقین پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی دعوت مطلقاً نہیں پہنچی جیسے کہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں تو امام الھمام کے مسلک میں جیسے ثابت ہوا کہ آپ ان لوگوں کی نجات کے قائل ہیں کہ جن کو دعوت اسلام نہیں پہنچی تو والدین شریفین کی نجات کے تو بدرجہ اولیٰ قائل ہیں مذکورہ بالا دلائل قاطعہ سے استنباط کرتے ہوئے آئمہ کرام نے ایک قاعدہ مقرر فرمادیا ہے۔ **(لاتعذیب قبل البعثت)** کہ بعثت سے قبل عذاب مطلقاً نہیں)۔ (۲)

فضائل والدین

جواہر حدیث

د ملمن ولد ینظر الی الوالد والی والدتہ نظر رحمتہ الا کان لہ بھا حجتہ و عمرۃ یعنی سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں کہ جس انسان کے والدین حیات ہوں اور وہ اپنے والدین کو نظر رحمت و شفقت سے دیکھے تو رب تعالیٰ اس دل کو ہر نظر کے عوض میں حج و عمرہ مقبولہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

جب سرکار کونین ؐ نے اس حدیث پاک کو بیان فرمایا' صحابہ کی مجلس سے ایک [illegible] عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر ایک روز میں ایک ہزار مرتبہ دیکھا جائے تو رب تعالیٰ ایسا ہی ثواب عطا فرمائے گا۔ سرکار کونین ؐ نے جب اس سائل کے کلام کو سنا تو جواباً" فرمایا وان نظر فی الیوم مائتہ الف اگرچہ ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ دیکھے گا تو رب تعالیٰ حج و عمرہ مقبولہ کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حکایت

(۱) استاذ ابی اسحاق جو کہ مشائخ کبار سے ہیں۔ آپ کی خدمت اقدس میں ایک آدمی آیا عرض کی یا حضرت گزشتہ رات کو میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی داڑھی مبارک یاقوت و جواہر سے مرصع ہے۔ استاذ ابی اسحاق نے جواباً" فرمایا "صدقت" تم نے سچ کہا یقیناً" تم نے اس خواب کو صحیح دیکھا ہے۔ کیونکہ گزشتہ رات میں نے اپنی داڑھی سے اپنی والدہ ماجدہ کے قدموں کا مسح کیا تھا اور اس کے بعد میں نے خواب استراحت فرمائی۔ تو یہ جواہر و یاقوت جو تم کو میری داڑھی میں عالم قدس میں نظر آئے ہیں یہ بہ برکت قدم والدہ ماجدہ تھے۔

جنت سرائے مادر انست زیر قدمات مادر انست

روزی بکن اے خدائے مارا چیزے کہ رضائے مادر انست

(۲) ایک شخص سرکار کونین ؐ کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے اپنے والد کی شکایت کی کہ میرا والد میری اجازت کے بغیر میرے مال میں تصرف کرتا ہے اور روکنے سے رکتا نہیں اور بسا اوقات کافی نقصان کر جاتا ہے۔ سرکار نے حکم دیا کہ جاؤ اس شخص کے والد کو بلاؤ۔ سرکار کے حکم کے مطابق ایک صحابی چلا گیا اس شخص کے والد کو بلا لیا۔ مجلس والوں نے کیا دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ سفید ریش انسان اپنے عصا سے ٹیک لگاتے ہوئے چلا آرہا ہے اور جب مجلس میں آیا تو سرکار کونین ؐ کی مجلس اطہر میں نہایت ادب و احترام سے بیٹھ گیا۔ سرکار کونین ؐ نے بنفس خود دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے بندے یہ تمہارا لڑکا تمہاری شکایت کرتا ہے کیا یہ اپنی شکایت میں حق بجانب ہے۔

اس ضعیف آدمی نے جواباً" عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت ایسا تھا کہ یہ میرا لڑکا ضعیف تھا اور میں قوی تھا اور یہ فقیر تھا اور میں غنی تھا۔ اس کی فقیری اور ضعیفی کی حالت میں میں نے اس سے ایسا

مال پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ میں نے اپنا کل مال اسی پر قربان کیا اور اس کی پرورش کی۔ یا رسول اللہ! اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں فقیر ہوں اور یہ غنی ہے میں ضعیف ہوں اور یہ قوی ہے۔ یہ اپنے مال میں مجھ پر بخیلی کرتا ہے اور میری ضروریات زندگی کا بندوبست نہیں کرتا۔ جب حضورؐ نے اس ضعیف آدمی کی کلام کو سنا تو حضور بہت روئے اور ارشاد فرمایا کہ جس حجر اور درو نے اس ضعیف آدمی کے کلام کو سنا وہ سب اس بات پر گریہ کررہے ہیں۔ اس کے بعد حضور نے اس شخص سے ارشاد فرمایا۔ **(انت و مالک لابیک)** یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے والد کا ہے۔ جیسے چاہے گا ویسا ہی تیرے مال میں تصرف کرے گا۔

(۳)

ایک مرتبہ سرکار کونینؐ صحابہ کی مجلس میں خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔ خاک آلودہ ہوجائے ناک اس کی ایک صحابی نے مجلس میں سے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس شخص کی ناک خاک آلود ہوجائے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا **من ادرک والدہ عند الکبر احد ھما او کلاھما شھلم یدخلالجنتہ** اس شخص کی ناک آلودہ ہوجائے کہ جس شخص نے اپنے والدین کو حالت ضعیفی میں پایا اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔

مفہوم

یعنی یہ کلمہ جو سرکار کونین کی لسانِ مبارک سے صادر ہوا ہے یہ اصل میں افسوس کا کلمہ ہے یعنی اس شخص کے حال پر افسوس ہو کہ جس شخص کے والدین حالت کبر میں حیات ہوں اور پھر وہ شخص جنت حاصل نہ کرے۔ کیونکہ جنت والدین کی خدمت کے نہایت قریب ہے۔ اور والدین کی دعا اولاد کے حق میں ایسی منظور ہوتی ہے جیسے انبیاء عظام کی دعا امت کے حق میں منظور ہوتی ہے۔ تو جس شخص نے خدمت والدین نہ کی اور والدین نے اس کے حق میں دعاء خیر بھی نہ کی تو یہ شخص عدم خدمت کی وجہ سے جنت سے محروم رہا۔ اس لئے اس کے حال پر افسوس ہو۔

اور نیز دوسری روایت مبارک میں یوں وارد ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت و رحمت نہ کی تو رب تعالی اس شخص کا رزق دنیا میں تنگ فرمادے گا۔

حاصل حدیث:۔ لا محالہ ہر مومن مسلمان پر واجب ہے کہ والدین کی ہر قسم کی خدمت کرے حالت حیات میں اور بعد از ممات صدقات، خیرات، مبرات، استغفار وغیرہ تو کبھوں سے ایصال ثواب کرتا رہے تاکہ رضائے الٰہی اور جنت کا مستحق ہوجائے۔

(۴)

حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے سر اللہ الاعظم سے بیان کرتے ہوئے سنا آپ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا خطرہ لاحق نہ ہو کہ میرے بعد تم حقیر الحال ہوجاؤ گے تو البتہ میں تم

کو حکم دیتا کہ چار اصناف کے لئے جنت کی گواہی دو کہ یہ چہار اصناف ضرور جنت میں جائیں گے۔

صنف اول وہ عورت جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا حق مہر اپنے خاوند کو معاف کر دے اور اس کا خاوند اس عورت سے راضی ہو تو اس عورت کے لئے جنت واجب ہے۔

صنف دوم۔ وہ شخص جس کا اہل و عیال زیادہ ہو اور وہ شخص ان کی کفایت معیشت کے لئے جدوجہد کرے اس ترکیب سے کہ حلال روزی کما کر ان کو کھلائے تو اس شخص کے لئے بھی جنت واجب ہے۔

صنف سوم وہ شخص جو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرے کہ پھر مطلقاً" گناہوں کی طرف میلان تک نہ کرے جیسے کہ دودھ پستانوں سے نکل آنے کے بعد پھر پستانوں میں واپس داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ تائب توبہ کرنے کے بعد پھر گناہوں کی طرف راغب نہ ہو تو اس تائب کے لئے بھی جنت واجب ہے۔

صنف چہارم وہ شخص جو اپنے والدین کے ساتھ ہر قسم کی نیکی کرے اور والدین کے حکم میں اف تک نہ کرے۔ تو اس خادم کے لئے جنت واجب ہے۔

حاصل حدیث

یعنی ان مذکورہ بالا اعمال کے مطابق عمل کرنے سے انسان یقیناً" جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور نیز دوسری روایت مقدسہ میں موجود ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والدین ماجدین اتنے ضعیف ہو گئے ہیں کہ مجھے جیسے معصوم بچوں کا پیشاب و پاخانہ وغیرہ کی گندگی صاف کرنی پڑتی ہے اسی طرح ان کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے والدین کی یہ خدمت خود اپنے ہاتھ سے بجالاتا ہوں اور ان کی خدمت میں ذرہ بھر قیل و قال نہیں کرتا۔ تو کیا عند اللہ میں نے ان کے حق کو پورا کیا یا نہیں۔ سرکار کونین نے جواباً" فرمایا نہیں۔ **کلنا یفعلان ذالک وھما یحبان بقائک وانت تفعل ذالک و انت ترید موتھما** کیونکہ تمہارے والدین ایسی ہی خدمت تمہاری کرتے رہے۔ اور وہ تمہاری حیات کی دعا رب تعالیٰ کے دربار مقدسہ سے طلب کرتے رہے اور تم خدمت تو ویسی ہی کرتے ہو لیکن تم دل میں یہ خیال دوڑاتے ہو کہ کب ان کی موت واقع ہوگی تاکہ میری خلاصی ہو جائے۔ اس لئے تم نے حق خدمت کامل ادا نہیں کیا (روح البیان ص ۱۳۹ ج ۵)

فقیر کہتا ہے کہ اگر خدمت والدین کی شان میں تمام احادیث مبارک کو جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان حق بیان سے صادر ہو چکی ہیں جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا مگر میری غرض انتصار سے ہے۔ اس لئے بمصداق مشت نمونہ از خروار۔ ان چند جواہر پاروں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور نیز فساد زمان اور تغیر اخوان کا حال کس صاحب عقل پر مخفی نہیں اور اخلاق رذیلہ خبیثہ کا دور دورہ ہے۔ اکثر انسان اپنے خطایات و ذنوب کے سمندر میں غوطہ لگا رہے ہیں اور قبائح کے چشموں اور چاہوں میں متورط ہو چکے ہیں۔ نہ اپنے نفسوں کے ساتھ انصاف اور نہ غیروں کے حق میں انصاف کرتے ہیں۔ اور نفس امارہ کی محکومی میں بڑھ چڑھ کر نافرمانیوں میں شجاعت دکھاتے ہیں۔ اس تغیر

ناشی کا نقشہ حافظ شیرازی نے خوب کھینچا ہے۔

ہیچ رحمی نہ براور بہ براور دارد ہیچ شوق نہ پدر را بہ پسرے بینم

دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر پسران را ہمہ بد خواہ پدرے بینم

جاہلان را ہمہ شربت زگلابست عسل قوت دانا ہمہ از قوت جگرے بینم

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان طوق زریں ہمہ در گردن خرے بینم

اور مطلقاً" اپنے اسلام کے حالات سے عبرت نہیں لیتے کہ وہ اخلاق نفس سو کی وجہ سے خون کے آنسو رلاتے تھے۔ تو ان تمام بد اعتدالیوں میں فقیر کتنا بھی ذخیرہ مواد جمع کردے لیکن فائدہ نہ ہوگا ان مہواریدوں سے۔ مگر اہل دانش کے لئے اور اہل دانش کے لئے اشارہ کافی ہے۔

طلب یار کی دور فکن فکرت خود

اے میرے پیارے احباب مومنین! میں اپنے باغ کی منزل سے بہت دور جا نکلا ہوں لیکن ایک منکر ذی فن اگر منزل سے دور بھی نکل جائے تو واپس آنے پر منزل باغ میں نئے نئے پھل اور پھولوں کا اضافہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے طبیعت میں ایک عجیب سرور و لطف پیدا ہوجاتا ہے۔

ساقی شراب عشق محمد الرسول اللہ کہتا ہے کہ اے عاشقان جمال احمد مختار تمام کے تمام فقیر کی اس نصیحت پر عمل کرو کہ سرکار کونین ؐ کے سلسلہ نسب کے بارے میں نہایت احتیاط سے کام لو۔ کوئی لفظ بے ادبی کا زبان و قلم سے صادر نہ ہوجائے۔ (۵)

منکرین پر عذاب

آئمہ متاخرین و مشائخ دین اور علمائے محدثین و فقہاء کرام و مفتیان اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع علی ایمان ابوین ایسا مقبول ہوا کہ جو بھی بعد کو اس کا منکر ہوا۔ مارا گیا چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا حال سب کو معلوم ہے۔ کفر کے موقف کو اختیار کرنے کے بعد گوناگوں مصائب و آلام میں مبتلا ہوگئے۔ سیدی علامہ حموی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے رسالہ مبارکہ میں بعض مصائب کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ ملا علی قاری کو آخری عمر میں پہونچے۔ مثلاً" فقر اور مسکنت یہاں تک کہ اکثر دینی کتب بھی فروخت کر ڈالیں۔ اسی طرح مشہور درسی کتاب حاشیہ شرح عقائد نبراس میں موجود ہے۔ کہ ملا علی قاری کے استاد محترم علامہ ابن حجر مکی علیہ الرحمتہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ چھت سے گرے ہیں اور ان کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ (نبراس ص ۵۲۶)

مزید تفصیل آگے آئے گی۔ (انشاء اللہ) اسی طرح علامہ سید شریف مصری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ درر میں لکھتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب شب بھر مسئلہ ابوین شریفین کی روایات کی تطبیق میں غور و فکر و تدبر کرنے سے بیدار رہے۔ کہ کسی طرح روایات میں معارضہ میں کوئی صورت تطبیق کی پیدا ہو شب بیداری اور کثرت دماغ سوزی

سے آپ پر غنودگی کی حالت طاری ہوگئی۔ مولوی صاحب مذکور عالم بیہوشی میں چراغ پر جھک پڑے۔ کچھ حصہ جسم کا جل گیا۔ بوقت صبح کوئی فوجی افسران کو دعوت ضیافت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے دعوت قبول کرلی جب وقت مقررہ کے لئے مولوی صاحب گھوڑے پر سوار ہوکر داعی کے گھر کو جا رہے تھے کہ ایک سبزی فروش سے گزر ہوا۔ اس نے اٹھ کر مولوی صاحب کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور آہستگی سے یہ اشعار اس کے کان میں پڑھ کر سنائے۔

امنت ان اباه النبی و امه احیاهما الحی القیوم الباری حتی شهدا له بالرسالته صدق فذالک الکرامته المختار به حدیث

ومن یقول بضعفه فهو الضعیف عن حقیقته العلو

ترجمہ میں ایمان لایا ہوں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین کریمین کو اللہ حی قادر نے زندہ کیا۔ ان دونوں نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔ یہ حق سچ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرافت و بزرگی کی دلیل ہے۔ اس بارہ میں حدیث مروی ہے جو اسے ضعیف کہتا ہے وہ خود ضعیف الاعتقاد سے عار ہے۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ ایک بلند سطح پر باب ابراہیم کے قریب میں علی قاری کے ساتھ اس مسئلہ پر ہم کلام ہوا۔ ہمارے درمیان کافی تکرار ہوئی حالت غصہ میں میں نے علی قاری کو دھکا دیا۔ اور دھکا دیتے ہی علی قاری بالائے سطح سے زمین پر گرگیا از خواب بیدار شدم جب میری جاگ کھل گئی علی الصبح مجھے اطلاع ملی کہ علی قاری بام سے گرگیا ہے اور اس کو کافی ضرر پہنچا ہے یعنی اس کا وجود کافی زخمی ہوا۔

شیخ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد چند روز ہی زندہ رہا اور اسی ضرر کی وجہ سے وفات پاگیا۔

نیز علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ حموی نے اپنی کتاب فوائد الرحلہ میں بعض مصائب جو کہ علی قاری کو آخر عمر میں لاحق ہوئے۔ بیان فرمائے یہاں تک کہ اس نے اپنے بیش بہا ذخیرہ کتب کو فقر و فاقہ کے دور کرنے کے لئے فروخت کیا۔ اور اس کے علاوہ ایسے مصائب لاحق ہوگئے تھے کہ ذکر کرنے سے ان کا سزاوار ہے۔

فقیر غفراللہ القدیر کہتا ہے کہ یہ مصائب جو کہ ملا علی قاری کو لاحق ہوگئے تھے یہ تمام سوادب کا نتیجہ تھا۔

بے ادب محروم ماند از فضل رب

حکایت :۔ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ و سرنا الاطہر سے روایت ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض ایام میں میں جامعہ قرطبہ کے اندر مقیم تھا۔ ایک دن رات کو تہجد کے وقت رب تعالیٰ نے اپنے اعیان رسل کا مجھے دیدار فرمایا یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جس وقت میں نے ان نورانی چہروں کو دیکھا تو فرط خوشی سے مجھ میں کلام کرنے کی تاب نہ رہی اور میں بنظر ظاہری ان کے نورانی چہروں کے دیدار میں محو تھا کہ یکایک ان میں سے ایک دراز قد آدمی جس کے چہرے سے نور ٹپک رہا تھا میرے قریب آیا اور مجھے السلام علیکم سے نوازا اب میرا حال کچھ سدھر گیا تھا۔ میں نے نہایت ادب و توقیر کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور ساتھ ہی میں

نے عرض کی حضور آپ کون لوگ ہیں اور یہ تمام نورانی چہروں والے لوگ کون ہیں کہ جن کی زیارت سے آج فقیر سرخرو ہوا۔ اس دراز قد نے مجھ سے جواباً" ارشاد فرمایا کہ میں ہود علیہ السلام ہوں اور یہ باقی تمام عہد آدم سے لے کر جناب محمدؐ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء عظام ہیں۔ میں نے عرض کی حضور آپ لوگ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں۔ پیغمبر خدا ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یا شیخ الاکبر حیات دنیویہ میں حلاج نے دوران وعظ میں کہا تھا **ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم همته دون منصبه** کہ حضور والا ظہور نے منصب کے لحاظ سے مناسب ہمت نہیں فرمائی۔ لوگوں نے سوال کیا وہ کیسے؟ حلاج نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ حضورؐ کی شان میں ارشاد فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (معنی) آپ کا رب آپ کو اس وقت تک عطیات الٰہی وغیرہ آپ کو مراد دیتا چلا جائے گا کہ جب تک آپ خود ارشاد نہ فرمادیں کہ اے میرے پروردگار بس میں اب آپ سے راضی ہوں۔ **وکان من حقه لا یرضی الا ان یقبل اللہ تعالیٰ شفاعته فی کل کافر و مومن لکنه ما قال الا شفاعتی لا هل الکبائر من امتی)** کہ آپ کو اتنا دوں گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ تو حضور والا ظہور کا حق یہ تھا کہ اتنے وسیع وعدہ کے بعد رب تعالیٰ سے مطلقاً" راضی نہ ہوتے تاوقتیکہ حضور کی شفاعت ہر مومن و کافر کے حق میں منظور نہ ہوجاتی۔ یہ تھا آپ کا منصب لیکن منصب کے مطابق آپ نے سوال نہ کیا۔ بلکہ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ میری امت میں جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے ہیں میری شفاعت انہی کے لئے خاص ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر جب حلاج نے اپنے کلام کو سامعین کے سامنے تمام کیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں حلاج کے پاس خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا **یا منصور انت الذی انکرت علی الشفاعته** اے منصور تو ہی ہے جو کہ منصب شفاعت سے جیسے میں نے فرمایا ہے انکار کرتا ہے۔ حلاج نے فوراً" جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے علم میں تو ایسا ہی ہے۔ کہ اگر آپ ذات مطلق سے عامہ شفاعت کا سوال فرماتے تو رب تعالیٰ ضرور آپ کو شفاعت عامہ عطا فرما دیتا۔ لیکن آپ نے منصب کے مناسب ہمت نہ فرمائی۔ سرکار کونینؐ نے جواباً" فرمایا اے حلاج کیا تم نے مجھ سے یہ نہیں سنا کہ میں نے ذات مطلق سے بطور حکایت بیان کیا ہے۔ **اذا احببت عبدا کنت له سمعا" و بصرا" و لسانا" ویدا" قال بلی یا رسول اللہ فقال اولم تعلم انی حبیب اللہ قال بلی یا رسول اللہ** کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں جب کسی انسان کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی قوت سمع بصر، لسان ید ہوجاتا ہوں۔۔۔ حلاج نے عرض کی حضور یقیناً" آپ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے حلاج کہ جب میں حبیب اللہ ہوں تو وہ خود ہی تو میری زبان ہے جس سے میں بولتا ہوں۔ **فاذا هو الشافع و المشفوع الیه و انا عدم فی وجوده فای عتاب علی یا منصور** تو وہ خود ہی شافع بھی ہے اور مشفوع الیہ بھی اور میں تو اس کے وجود میں عدم ہوچکا ہوں۔ میرا اپنا وجود تو نہیں میں تو باقی باللہ ہوں۔ تو اے منصور اس مسئلہ میں مجھ پر عتاب کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ خود ہی تو اس نے وَلَسَوْفَ کہا اور خود ہی شفاعتی الخ کہا۔

پیغمبر خدا نے پھر ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر جس وقت حلاج کو حضورؐ نے توبیخ فرمائی تو حلاج نے فوراً" عرض کی

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے قول سے توبہ کرتا ہوں مجھے عیاں فرمایا جائے کہ میرے اس گناہ کا کفارہ کیا ہوگا تو حضور نے ارشاد فرمایا یا حلاج اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کر۔ اور میری سیف شریعت پر اپنے نفس کو قتل کر۔ اتنا ارشاد فرمانے کے بعد سرکار کونین تشریف لے گئے۔

پھر حضرت ہود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یا شیخ الاکبر! حلاج سے یہی سوء ادب ہوا تھا جس کا بیان میں نے تمہارے سامنے کیا۔ لیکن جب سے حلاج دار دنیا سے تشریف لے گیا سرکار کونین ہنوز اس بے ادبی پر حلاج سے ناراض ہیں اور روح حلاج دیدار سرور کائنات سے محجوب ہے۔ تو یہ جمعیت انبیاء عظام اس مجمع شریف کو اس غرض کے لئے جمع ہوگئے ہیں کہ منصور حلاج کی سفارش حضور کی خدمت اقدس میں کریں۔ شاید اس کو حضور اپنے رحم سے معاف فرمائیں اور اپنے دربار مقدسہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انتہیٰ (روح البیان صفحہ ۳۹۰ ج ۵)

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں   ہیچ دین پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

فقیر سامحہ اللہ القدیر کہتا ہے کہ اس حکایت میں دو امر ثابت ہوگئے۔

(۱) منصور حلاج کا رتبہ عند اللہ و عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ یہ قانون ہے کہ کسی شخص کی عظمت و رتبہ کا اندازہ اس کی سفارش کرنے والوں کے رتبات سے ہوجاتا ہے یعنی جس بلند رتبہ کے شفعا ہوں گے اسی بلند رتبہ کا مشفوع لہ ہوگا۔ اس واقعہ میں منصور حلاج کی سفارش کے لئے آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ تک تمام انبیاء عظام سرکار کونین کے دربار مقدسہ میں تشریف لا رہے ہیں۔

ثابت و متحقق ہوا کہ منصور حلاج کا رتبہ اولیاء کرام میں بہت بلند ہے۔

نمبر (۲) یہ کہ منصور حلاج کو بغداد کے اندر شہید کیا گیا (غیر ۳۰۹ھ میں اور شیخ الاکبر ملک شام میں وفات پاگئے ۶۳۸ھ میں۔ ان دونوں کے درمیان تقریباً" ۳۲۹ سال کا وقفہ ہے تو ظاہر امر یہ ہے کہ روح حلاج تقریباً" تین سو انتیس سال سے زائد روح سرور کائنات سے محجوب رہا۔ اور شرف دیدار اس دراز مدت میں مطلقاً" نصیب نہ ہوا۔

سبب حجاب **وذالک بسبب کلمۃ صدرت عنہ علی خلاف الادب** یعنی مدت دراز روح حلاج کے محجوب ہونے کا سبب وہ کلمہ تھا جو کہ خلاف ادب حلاج کی زبان سے صادر ہوا تھا۔ کیونکہ جو شخص بساط قرب اور حضور میں متمکن ہو اس کے لئے ادب ہر حالت میں اشد ضروری ہے۔ اور کسی حالت و امر میں ظاہراً" و باطناً" سراً" و علانیۃ" کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہوجائے جو کہ باعث بے ادبی ہو۔ کیونکہ

ادب نہایت قال است و بدایت حال

یقول الفقیر

مدام باش مادب زخانہ ملفنی   تو را نوالہ دما دم رسد ز ملفنی

ظن مبدل بیقین

اے برادر اسلام اپنے ظن کو یقین پر تبدیل کر۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ کے لئے دور شرع کی بے ادبی و بے حرمتی کرتے ہیں اور نظم و معانی قرآن مقدس کے بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اوہام و خیالات فاسدہ پر ہروقت عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بھی سے سنو اور کالانعام۔ ان کا حال مثل چوپائیوں کے ہے۔ جو راہ گم گشتہ ہیں۔ اور ضلالت و گمراہی کے عظیم گڑھے کے اندر گر پڑے ہیں۔ حواس ظاہرہ و باطنہ گند آلود ہو چکے ہیں۔ اور اس گندگی نے ان کو مقول کے فنا کردیا ہے۔ اور آب صافی کے ساتھ اس گندگی کو دھونا محال ہوچکا ہے۔ اس لئے اے برادر اسلام یقین کر کہ لوگ ہالک ہیں۔ فافہم۔

نتیجہ :- آمدم بر سر مطلب۔ منصور حلاج کے واقعہ سے ثابت و متیقن ہوا کہ خواص کے لئے ایک معمولی غلطی بھی باعث مواخذہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ **حسنات الابرا وسیاۃ المقربین** اور حالانکہ منصور حلاج نے اپنی غلطی اور بے ادبی سے معافی بھی مانگی اور مل بھی گئی۔ اس کے باوجود دیدار مقدسہ سے دراز مدت تک محروم رہا۔

نظیریوں سمجھ لینا کہ جیسے وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اطہر میں حاضر ہوا کرتا تھا تو سرکار کونین نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے وحشی جب تم مجلس میں حاضر ہوتے ہو تو میرے پس پشت بیٹھا کرو کیونکہ جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یاد آتی ہے۔

واضح ہوا کہ منصور حلاج کو بھی اس غرض کے لئے محجوب رکھا گیا تھا گویا کہ جب منصور حلاج حضور کی مجلس اطہر میں آتے تو حضور کو وہ بے ادبی یاد آجاتی جو منصور حلاج سے سرزد ہوئی تھی تو معلوم ہوا کہ بے ادبی حجاب قرب ہے۔ **نسئل اللہ العافیۃ والعفو والاہ نعلم**

حاصل نتیجہ :- صاحبان فکر کے لئے یہ امر روشن ہے کہ شیخ علی قاری مکی سے تو ایک بہت بڑی بے ادبی سرزد ہوگئی ہے۔ تو یہ مصائب جوکہ علامہ مصطفیٰ بن فتح اللہ حموی نے بیان فرمائے ہیں یہ تو اس بے ادبی کی سزا حالت حیات دنیویہ میں علی قاری کو ملی۔ اور بعد از ممات علم رب تعالیٰ کے پاس ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

التماس

فقیر **کان اللہ لا ان لا الہ الا اللہ** پڑھنے والوں کی خدمت میں ملتمس ہے کہ قبل از گرفتاری عذاب الٰہی ان بے ادبیوں سے خلوص و اعتقاد سلیمہ کے ساتھ توبہ کرلیں جوکہ وقتاً "فوقتاً" شان حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے تقاریر اور تحاریر میں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً"

نمبر۱ حاضرو ناظر سے انکار۔ نمبر۲ سرے سے انکار ذخیرہ یواقیت حدیث شریف

نمبر۳ علم غیب کلی سے (جسکی تفصیل میں نے اپنی کتاب " الدولۃ المدینہ میں درج کی ہے۔ اور پڑھنے سے تعلق

(کتی ہے) انکار کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ورنہ ان بے ادبیوں کی وجہ سے بعید نہیں کہ دار دنیا میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوجائیں جیسے ملا علی قاری ہوا۔ اور بعد از ممات اگر شفاعت سے محروم ہوجائیں تو ہلاکت پہ ہلاکت ہوگی۔ نعوذ باللہ العلیم من غضب الحی۔ الکریم۔ نعم ما قال

وا قبلہ دینی ازاں حبیب گفتم   بہرو ماں کہ گم و بحکم ولی دینی

کجا بود اشب کجا تاختم میں کہاں تھا اور کہاں چلا گیا۔ ہاں میں امام الحمام کا مسلک اہل فطرت کے متعلق بیان کرنا تھا تو امام الحمام کا مسلک اہل فطرت کے متعلق باتفصیل گذر گیا۔ اسی میں غور کرنا لازم ہے اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ... کے مسلک میں تو تعذیب قطعاً" ان لوگوں کے لئے نہیں جو کہ قبل از بعثت وفات پاگئے ہیں۔ (۱)

ملا علی قاری رحمتہ اللہ الباری "کی باری"

فقیر اویسی غفرلہ کو ایک رافضی نے خط لکھا کہ تمہارے اہل سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کو بے ایمان' کافر اور دوزخی لکھتے ہیں اس نے چند حوالے وہابیوں' دیوبندیوں کے اور ایک حوالہ ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی بھجوا دیا۔ اس کو فقیر نے جواب بھجوایا۔ "کہ وہابی' دیوبندی اہل سنت نہیں ہیں بلکہ وہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ لہٰذا جوابات کے لئے فقیر بری الذمہ ہے۔ البتہ حضرت ملا علی قاری رحمہ' اللہ تعالیٰ کے بارے میں جوابات حاضر ہیں۔

جوابات   توبہ کے بعد کفر و شرک بھی قابل ملامت نہیں چہ جائیکہ دیگر غلطیاں اور ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ سے توبہ کی حوالہ جات حاضر ہیں۔

قول المستحسن شرح رسالہ فخر الحسن' حاشیہ نبراس شرح عقائد بحث ابوین' ارشاد الغبی الی سلام آباء النبی۔

علماء کی ناراضگی

یہ ہمارے اہل سنت کی حق پرستی کی نہایت مضبوط اور پختہ دلیل ہے کہ انہوں نے جب ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ غلطی دیکھی تو اس کی جلالت علمی کی پرواہ کئے بغیر سخت سے سخت ناراض ہوئے۔ اور اسے بے نبی کی علمی سزا اور شدید وعید سنائی۔ سطور چند آپ بھی پڑھ لیں یعنی۔

ان کے استاد علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا سخت بیان اوپر بیان ہوا۔ بلکہ ملا علی قاری کو جو گزند پہنچی وہ ان کے استاد ابن حجر کی کرامت پر محمول کیا گیا ہے (معجون الجواہر دار شاد الغبی ۶۱)

شیخ محمد مرعشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ملا علی قاری کے اسی قول سے بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ۔

العجب من القاری قد صنف فی ہذا الباب رسالتہ و تکلف فیہا الی بلسجا جملتہ فلعلہ (البردۃ "سوت فی دلسہ فالفتل علہ"

(ترجمہ) حضرت علامہ محمد بن فضل اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری نے ایک رسالہ مشتمل براساءت ادب والدین آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھا۔ اگر یہ رسالہ نہ لکھا جاتا۔ تو ان کی تالیفات و تصنیفات سے دنیا بھر جاتی۔ (ارشاد الغبی ۳)

"تاج المکلل" میں لکھا ہے کہ بہت سے علماء و اولیاء نے ملا علی قاری کی کتب کا مطالعہ تک منع کر دیا ہے کہ اس نے تعصب کے سبب بہت سے ائمہ پر طعن کیا۔

مولوی عبدالحی لکھنوی نے التعلیق الممجد علی موطا امام محمد میں لکھا کہ ملا علی قاری کی کتابیں مفید ہیں۔ اگر بعض کتابوں میں تعصب نہ کرتا۔

القول المستحسن میں سخت سے سخت مذمت کی ہے۔

ملا علی قاری نے تکفیر والدین کا رسالہ لکھ کر اپنے استاد ابن حجر کے ہاں بھیجا تو اس نے اس کے رد میں ایک ضخیم رسالہ لکھا اور بد دعا کی (جس کا ذکر پہلے گزرا)

حضرت سید آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ناک خاک آلود ہو کہ وہ اس مسئلہ (ایمان ابوین) میں ضد کرتے ہیں۔ اور لکھا مجھے اس کے کفر کا ڈر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مختصر بیان ہم نے پہلے لکھ دیا ہے۔

سید علامہ حموی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ مبارکہ "فوائد الرحمۃ" میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان سزاؤں کو تفصیل سے لکھا جو انہیں ابوین کریمین کے خلاف لکھنے کی نحوست سے ملیں وغیرہ۔ چند ایک کا ذکر ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

علامہ علی افندی شہیر بہ داغستانی رسالۃ اثبات النجات والایمان لو الدی سید الاکوان سے فقہ اکبر مشہور کی عبارت مشہور و الرار سول اللہ الخ کو تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی نسبت امام اعظم کی طرف ثابت نہیں ہے چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے امام کے زمانے میں تصانیف کا رواج نہ تھا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اس رسالہ فقہ اکبر مشہور میں صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے ہیں جو اہم مہمات سے خیال کئے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر اعتقاد واجب سمجھا جاوے۔

طحاوی حاشیہ در مختار میں ہے کہ فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ والدین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کفر پر مرے یہ امام پر افتراء ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ عبارت ایسے نسخوں میں نہیں ہے جن پر اعتماد ہے۔ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ جس نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے امام کی تصنیف نہیں ہے انتہیٰ بہر حال اس امر کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ فقہ اکبر مشہور کی نسبت علمائے محدثین و فقہاء نے اس امر کا انکار کیا ہے کہ یہ امام کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ کی نسبت اس قسم کا انکار کسی سے مروی نہیں ہے۔ بلکہ متقدمین فقہا و محدثین نے جو عبارت نقل کی ہے اس فقہ اکبر مرویہ سے فقہ اکبر

مشہور ہے کسی نے نقل نہیں کی ہے اور متقدمین ایسی حالت میں کوئی عبارت کیونکر نقل کرتے۔ جب یہ رسالہ مشہور
ابو محمد بن یوسف کا تصنیف ہے جو علمائے متاخرین سے تھے اور واقع ہیں یہ رسالہ مرویہ نہیں ہے۔ البتہ علماء نے ابو
مطیع کی نسبت جرح کی ہے جو امر آخر ہے اور جس کا ذکر آئے گا مگر اس کے ساتھ اس امر پر اتفاق ہے۔ کہ ابو مطیع
راوی فقہ اکبر ہیں حافظ ذہبی باوجودیکہ ابو مطیع پر جرح کرتے ہیں مگر کتاب العلو میں عبارت اس فقہ اکبر کی نقل کرتے
ہیں جسے وہ ابو مطیع کی مرویہ خیال کرتے ہیں چونکہ صاحب کشف الظنون یا ملا علی قاری کو نسخہ مرویہ نہیں ملا اور اسی
وجہ سے انہوں نے فقہ اکبر مشہور کو فقہ اکبر مرویہ خیال کیا تو ان دونوں علماء پر کوئی اعتراض عائد نہیں ہو سکتا۔ اس
لئے کہ یہ ایک مجبوری کا امر تھا۔ ان لوگوں نے نسخہ مرویہ کو پا کے اس سے تو انکار کیا نہیں البتہ ملا علی قاری نے
بعض عبارات کا انکار اس وجہ سے کیا کہ نسخہ مشہورہ میں جو ان کی نزدیک معتمد علیہا تھا وہ عبارت پائی نہ گئی اور اس
وجہ سے انہوں نے اس کا انتساب امام کی طرف غلط خیال کیا۔ ایسی صورت میں اگر وہ اس عبارت کا انکار نہ کرتے تو
اور کیا کرتے ان کو کیا معلوم کہ اصل نسخہ مرویہ دوسرا ہے جو میرے پیش نظر نہیں ہے جب اکابر محدثین و فقہاء فقہ
اکبر کو ابو مطیع کے مرویات سے خیال کرتے چلے آتے ہیں اور اسی کی عبارت استنا" د نقل کیا کرتے ہیں تو صرف اس
وجہ سے کہ بعض علماء نے غلطی سے فقہ اکبر مشہور کو فقہ اکبر امام تصور کیا۔ یا اس کی شرح لکھی تو اس سے فقہ اکبر
مرویہ کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ فقہ اکبر مشہور ابو مطیع سے مروی ہے حالانکہ کسی شخص نے اس کا دعویٰ نہیں
کیا یہاں تک کہ ملا علی قاری نے بھی نہیں لکھا یہ تو ایسا دعویٰ ہے کہ جس کا اثبات نہایت دشوار ہے کوئی شخص
ہمارے سامنے حفاظ محدثین و فقہاء متقدمین کی کتب و اشعار میں ایسی عبارت منقولہ فقہ اکبر کی نہیں دکھا سکتا جو فقہ
مشہور میں ہے جب کوئی شخص کوئی عبارت دکھاوے گا تو ہم اس فقہ اکبر مرویہ کے نسخہ حقیقیہ معتمد علیہا جدیدہ میں
دکھلائیں گے گو ان دونوں نسخوں میں زیادہ فرق نہیں ہے البتہ نسخہ جدیدہ مرویہ کی بحث استواء میں ایک عبارت ایسی
بھولی گئی ہے جو نسخہ حقیقیہ علیہا میں نہیں پائی جاتی ایسی صورت میں یہی کہا جاوے گا کہ فقہ اکبر مشہور جس کا انکار چلا
آتا ہے ہرگز امام سے مروی نہیں ہے۔ فقہ اکبر مرویہ وہی ہے جس کی عبارت منقول ہوتی چلی آتی ہے اور جو ابو مطیع
سے مروی ہے مختصر یہ ہے کہ فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع کو بڑے بڑے علماء نے فقہ اکبر امام کہا ہے جیسے ابن تیمیہ، حنبلی و
ذہبی و ابن قیم و ابن حجر مکی و شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل انصاری ہراوی و ابن ابی حاتم و قونوی و ابن ابی قرامہ مقدسی حنبلی
شارح عقائد طحاوی و امام ابن عبد السلام محمد بن عبد الرسول برزنجی و داغستانی و طحاوی محشے در مختار اور صاحب کشف
الظنون نے اگرچہ بظاہر دھوکہ کھا کے فقہ اکبر مشہور کو فقہ اکبر امام خیال کیا ہے مگر جب انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ
فقہ اکبر ابو مطیع سے مروی ہے تو چار و ناچار یہی کہنا ہو گا کہ ان کے نزدیک یہی فقہ اکبر مرویہ فقہ اکبر امام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع مقام ابوا پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی جب زیارت فرمائی تو آپ رو پڑے آپ کا یہ رونا یا تو والدہ ماجدہ کی جدائی کی وجہ سے تھا یا انہیں عذاب میں دیکھ کر رو دیئے یا ان کی موت سے اپنی موت یاد آنے پر روئے ابن الملک کہتے ہیں کہ اس حدیث کے واقعہ سے اس کا جواز نکلا ہے کہ قبرستان میں جاتے وقت وہاں رونا درست ہے آپ اس قدر روئے کہ جو لوگ آپ کے اردگرد تھے انہیں بھی آپ نے رلایا کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنا باوجود اس کے کہ وہ کافرہ تھیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ امت کے ہر فرد کو اپنے والدین اور اقارب کے حقوق کا بہر حال خیال رکھنا چاہئے کیونکہ آپ نے اپنی والدہ کے کافر ہونے کے باوجود ان کے حقوق پورے کئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے والدہ کے لئے مغفرت کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہ دی گئی ابن الملک نے کہا کہ اجازت نہ ملنا اس وجہ سے تھا کہ وہ کافر تھیں اور کفار کے لئے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کبھی بھی مغفرت نہیں مل سکتی اور فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے والدہ کی قبر کی زیارت کا سوال کیا کہ اس کی اجازت دی جائے تو اس کی اجازت دے دی گئی ابن الجوزی نے کتاب الوفا میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد اپنی والدہ محترمہ سیدۃ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر شریف چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئیں کیونکہ وہاں بنی عدی بن النجار میں ان کے ماموں تھے ان کی زیارت کرنا چاہتی تھیں ان سے ہی ابو ایوب انصاری کا تعلق بھی ہے زیارت کے بعد واپس مکہ روانہ ہوئیں جب یہ قافلہ مقام ابوا پر پہنچا تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ کا انتقال ہو گیا یہیں ان کی قبر بنائی گئی اور دفن کر دی گئیں اور کہا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا تو مقام ابواء پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی پھر قبر سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور خوب روئے اور فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرما دی اور میں نے ان کے لئے استغفار کی اجازت بھی طلب کی تو یہ اجازت نہ ملی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ما کان للنبی الخ نہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور نہ ایمان والوں کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ مشرکین کے لئے معافی طلب کریں اگرچہ مشرکین ان کے قرابت دار کیوں نہ ہوں)

علامہ ابن حجر نے یہاں ایک بڑی عجیب بات کہی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار کی اجازت اس وقت شائد اس لئے نہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی عظمت مکمل طور پر اتارنا چاہتا تھا وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خاطر اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا پھر وہ ایمان لا کر اکابرین مومنین میں شمار ہوں گی یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس بات کی مہلت دینا تھی کہ آپ کے لئے آپ کی والدہ کو زندہ کر کے ان کا آپ پر ایمان لانا مقصود تھا تاکہ وہ مستحق

استغفار کامل ہو جائیں

ابن حجر کے اس بیان میں ایک اشکال ہے کہ ایمان سے قبل آپ کی والدہ تو مطلقاً" استغفار کی مستحق نہ تھا آپ نے استغفار کی اجازت ان کے ایمان لانے سے قبل ہی طلب کی تھی پھر جمہور اس پر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے والدین دونوں حالت کفر پر مرے ہیں اور یہ حدیث (دونوں کا حالت کفر پر مرنا) ان احادیث میں سے اصح ہے جو اس موضوع پر مذکور ہیں اور ابن حجر کا یہ قول کہ یہ حدیث کہ جس میں آپ کے والدین کریمین کا دوبارہ زندہ ہونا اور آپ پر دونوں کا ایمان لانا اور پھر فوت ہو جانا صحیح ہے اور اس کی تصحیح کرنے والوں میں امام قرطبی اور الحافظ ابن ناصر الدین بھی ہیں تو اگر اس حدیث کی واقعی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی حدیث مسلم کی معارض بننے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے باوجود اس کے بھی کہ حفاظ نے اس میں طعن بھی کیا اور اس کے جواز کو منع بھی کیا ہے کہ نا امیدی کا ایمان بالا جماع غیر مقبول ہے جیسا کہ کتاب و سنت اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اور یہ بھی کہ جو ایمان کسی عاقل بالغ سے مطلوب ہے وہ ایمان غیبی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر انہیں پھر سے دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا اور یہ حدیث صحیح اس نظریہ کا بھی صراحتاً" رد کرتی ہے جو بعض علماء نے قائم کیا وہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین اہل فترت میں سے تھے اور اہل فترت پر عذاب نہیں حالانکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے علامہ السیوطی نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے والدین کریمین کے نجات پانے اور جنتی ہونے پر تین رسائل لکھے ہیں ان میں علامہ نے دونوں طرف کے دلائل ذکر کئے ہیں اگر اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہے تو پھر ان رسائل کی طرف رجوع کرے۔ (۱)

ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ بقول ابن الملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے پاس رونا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے انہیں عذاب میں گرفتار دیکھا۔

۲۔ آپ نے اپنی والدہ کا کافر ہوتے ہوئے بھی ان کے حقوق (زیارت قبر) کا خیال رکھا۔

۳۔ والدہ کے لئے استغفار کی اجازت طلب کرنے پر ما کان للنبی والذین امنوا الخ

۴۔ ابن حجر نے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی دو وجوہ ذکر کی ہیں اول یہ کہ انہیں زندہ کر کے ایمان عطا کیا جائے تاکہ انہیں نعمت ہو جائے دوم یہ کہ جب زندہ ہو کر ایمان لائیں اور انتقال کریں تو اب استغفار کامل کے حق دار ہوں گے

۵۔ ان دو وجوہ پر علی ملا قاری نے دو طرح سے اعتراض کیا۔ اول یہ کہ موت کے بعد ایمان غیر مقبول ہے جس پر نص قرآنی موجود ہے دوم زندہ کرنے والی حدیث کا مقابلہ میں مسلم شریف کی حدیث جس میں استغفار کی اجازت نہ ہونے کا ذکر ہے اصح ہے سوم یہ کہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ آپ کے والدین حالت کفر پر مرے ہیں۔

۵۔ کفار کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو اب بھی وہ وہی کچھ کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا لہذا آپ کے والدین اگر دوبارہ آئے اور پھر انہوں نے ایمان قبول کیا تو ایسا ہونا آیت قرآنیہ کو جھٹلانا ہے۔

۶۔ استغفار کی اجازت نہ ملنے والی حدیث سے ان لوگوں کا بھی رد ہو گیا جو آپ کے والدین کو اہل فترت میں ہونے کی وجہ سے معذب نہیں کہتے۔

۷۔ اس مسئلہ پر علامہ السیوطی نے تین رسائل تحریر کئے جن میں طرفین کے دلائل و جوابات موجود ہیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

امور مذکورہ کے بالترتیب جوابات

امر اول کا جواب

سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرتے وقت رونا مسلم ہے اس رونے کی وجوہات کیا تھیں ملا علی قاری نے (بحوالہ مرقات شرح مشکوٰۃ) اس کی تین وجوہ بیان کیں فراق' عذاب' موت ان میں سے فراق یعنی جدائی کو وجہ بنانا از روئے عقل و نقل درست اسی طرح موت کو بھی لیکن رونے کی وجہ والدہ کا عذاب میں ہونا دیکھنا عقلاً" نقلاً" قابل استشہاد نہیں عقلاً" غیر مقبول ہونے کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے وہ یہ کہ یونس علیہ السلام جس مچھلی کے پیٹ میں چالیس روز تک پابند رہے اور پھر باذن اللہ اس مچھلی نے آپ کو باہر کنارے پر اگل دیا وہ مچھلی اس خدمت کے صلہ میں جنت میں جائے گی اس کا جنتی ہونا تفاسیر میں موجود ہے اس کے برعکس وہ خاتون کہ جس کے شکم میں نبی الانبیا سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نو ماہ متواتر قیام پذیر رہیں ان کی گود میں پرورش پائی ان کا دودھ نوش فرمائیں وہ اس مچھلی کی طرح جنت میں نہ جا سکیں عقل اسے تسلیم نہیں کرتی لہذا از روئے عقل یہ بات بہت بعید ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کو عذاب میں گرفتار ہوتے دیکھ کر گریہ فرمایا اور نقلاً" اس لئے باطل ہے کہ آپ کے والدہ ماجدہ کا اس وقت انتقال ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چھ برس کی تھی گویا حقیقتاً" انہوں نے آپ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ نہ پایا جتنا عرصہ زندہ رہیں اس میں کوئی ایک روایت ایسی نہیں ملتی جو ان کے شرک کرنے کی خبر دیتی ہو یا ان کے کفر پر دلالت کرتی ہو جب کفر و شرک کے اثبات کی کوئی ضعیف روایت بھی نہیں تو پھر اصل فترت کے پیش نظر انہیں کفر و شرک سے بری ثابت ماننا ضروری ہو گا لہذا ان کے عذاب میں گرفتار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہاں اگر زمانہ بعثت پاتیں اور دعوت اسلام کو ٹھکراتیں تو پھر کفر و شرک کی وجہ سے معذب ہونا ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ہم جب تک کسی کے پاس رسول نہ بھیج دیں اس وقت تک اسے عذاب نہیں دیا کرتے۔ اس

نص قرآنی کو مد نظر رکھا جائے تو آپ کی والدہ کے بارے میں عذاب ہونے کا عقیدہ سرے سے غلط ہو جاتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ ملا علی قاری کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زیارت قبر والدہ کے وقت گریہ فرمانا والدہ کے عذاب میں گرفتار ہونے کی وجہ سے تھا یہ ایک احتمال ہے اس احتمال کے ثبوت کے لئے کوئی نص موجود نہیں۔

امر دوم کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کرنا باوجود اس کے آپ کی والدہ کافرہ تھیں اس پر ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس تخفی سوال کا جواب اسی مفروضے کے پیش نظر ملا علی قاری نے "قیل" سے دیا ہے وہ یہ کہ امت کو حقوق والدین کے تعلیم دینا مقصود تھی یعنی اولاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ والدین کے حقوق کا خیال رکھے اور ان کی ادائیگی ان کی زندگی تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ ان کے انتقال کے بعد بھی ان سے متعلقہ حقوق کی بجاآوری ہونی چاہئے اس کے والدین کفر و شرک کی موت مرے ہوں یہ استدلال کسی قدر بے تکا اور تار عنکبوت سے کمزور ہے ماں کو تکلیف میں دیکھ کر رو پڑنا جس سے ماں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا اس طرح ماں کا کونسا حق پورا ہوا حق تو یہ ہے کہ اگر وہ عذاب میں گرفتار تھیں تو ان کی رہائی کروائی جاتی بقول ملا علی قاری حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی والدہ کے کسی کام نہ آسکے بھلا اس میں امت کو کیا تعلیم دی گئی اور والدہ کے حقوق کی بجاآوری کا کونسا طریقہ سکھایا گیا؟ علاوہ ازیں جب اللہ تعالیٰ واضح فرما رہا ہے کہ ایسا مت کرو تو اس کے حکم کو پس پشت ڈال کر والدہ کے حقوق کی ادائیگی کیونکر ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **ولا تقم علی قبرہ** (سورہ توبہ آیت ۸۴) اے پیغمبر محترم! آپ کسی مشرک کی قبر پر کھڑے نہ ہوں تفسیر مظہری میں اس کی تفسیر یوں مذکور ہے **ولا تقم علی قبرہ لدفن اوزیارۃ** یعنی مشرک کی قبر پر نہ تم اسے دفن کرنے کے لئے کھڑے ہو، اور نہ اس کی قبر کی زیارت کے لئے قیام ہو اس نص قرآنی کے ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تو اپنی والدہ (جب کہ انہیں کافرہ یا مشرکہ سمجھا جائے) کی قبر پر جانا منع تھا اب ملا علی قاری کی بات کو سامنے رکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے والدہ کی قبر کی زیارت کرنے لگے لہذا ایسا کرنے سے انہوں نے والدہ کے کس حق کو ادا کیا آخر والدین کے حقوق بھی تو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں

امر چہارم کا جواب

ملا علی قاری نے مسئلہ موجودہ میں علامہ ابن حجر کی تحقیق اور تاویل کا ذکر کرتے ہوئے اس پر تعجب کا اظہار کیا جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ابن حجر کی اس تحقیق کو وہ لایعنی اور بہت کمزور سمجھتے ہیں بلکہ اس طرح سے ان پر

تعریض کی جا رہی ہے کہ اتنا فاضل آدمی دیکھو کیسی گھٹیا باتیں کرتا ہے حالانکہ یہی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ملا علی قاری کے شیخ و استادی بھی ہیں اپنے استاد کے کلام پر تعجب اور پھر اس کا رد کرنا گستاخی سے کم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے یہ تصریح کی کہ ملا علی قاری نے کثیر تعداد میں جید علماء کی توہین کی ہے علماء کی توہین تو اپنے مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو الفاظ ان کی کتب میں مسطور ہیں انہیں دیکھ پڑھ کر ہر مسلمان چونک اٹھتا ہے مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ علیہ نے ان کلمات کا یوں ذکر کیا ہے۔

مرام الکلام فی عقائد الاسلام

والتعجب من علی القاری الھروی الف رسالتہ فی تکفیر ھما و قال فیھا ان آمنتہ الملعینۃ کافرۃ خالدۃ مخلدۃ فی النار(مرام الکلام فی عقائد الاسلام ص ۳)

ترجمہ:۔ ملا علی قاری ہروی پر تعجب ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کی تکفیر پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی لکھے کہ "بے شک آمنہ ملعونہ کافرہ ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ آگ میں رہنے والی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

نوٹ

ملا علی قاری کی مذکورہ ہرزہ سرائی کے بارے میں کیا سزا ملنی چاہئے ہم اس کا عنقریب ذکر کریں گے اور ان علماء کرام کے اقوال بھی منقول ہوں گے جنہوں نے ملا علی قاری کے اس نظریہ کی تردید کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان علماء کے معتقدات بھی پیش کئے جائیں گے۔

ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ نے جو احتمالات بیان کئے ان پر ملا علی قاری کا تعجب کرنا بھی تعجب ہے ابن حجر مکی نے یہی کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو استغفار کی اجازت اس لئے نہ دی گئی تاکہ اس کے اثر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ طریقہ جو استغفار کے بدلہ میں آپ کو دیا جانا تھا اس میں والدین کریمین کی بہت بھلائی تھی اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتہائی خوشی بھی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک مرتبہ نہایت مغموم دیکھا کچھ دیر گزری تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت زیادہ خوش نظر آ رہے ہیں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس قدر خوشی کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا میں حجون گیا وہاں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے میری والدہ کو دوبارہ زندہ کیا اور زندہ ہو کر انہوں نے مجھ پر ایمان لایا اس پر آج میں بہت خوش ہوں (یہ روایت علامہ السیوطی نے نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین" کے ص ۵ پر ذکر کی ہے) استغفار کی اجازت نہ ملنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو زندہ کیا اور وہ مشرف باسلام ہوئیں اس طرح ان کو اعلیٰ مرتبہ سے نوازا تو اجازت استغفار نہ ملنا ایک اعلیٰ مرتبہ دیئے جانے کی وجہ سے تھا لیکن ملا علی قاری اس اعلیٰ مرتبہ دیئے جانے کے

محقق اپنے استاد ابن حجر مکی پر انحصار تعجب کر رہے ہیں جب کہ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہو رہی ہے چونکہ ملا علی قاری کے ذہن میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا تصور بھرا ہوا ہے اس لئے ان کا رجحان بھی انہی دلائل اور اقوال کی طرف ہو گا جو اس کے مؤید ہوں ورنہ وہ احتمالات جو ان کے اسلام پر دال ہیں ان کو اولیت دی جائے استغفار سے روکنا اس وجہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ استغفار کے محل نہ تھے وہ اس طرح کہ پہلے انہیں دعوت اسلام پہنچے اسے وہ قبول کریں اور پھر کچھ گناہ سرزد ہو جائیں جب آپ کے والدین سے گناہ کا صدور نظر نہیں آتا پھر ان کے لئے استغفار کرنے کا کیا فائدہ؟ یہی بات درج ذیل حوالہ سے ملاحظہ ہو۔

قیل و لعله لم یوء ذن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاستغفار لا مہ لانہ فرع المواخذة علی الذنب و لم تبلغہ الدعوة لا یواخذ علی ذنبہ فلا حاجتہ الی الاستغفار لہا و لان عدم الاذن بالا ستغفار لا یستلزم ان تکون کافرة (الفتح الربانی ترتیب مسند امام احمد حنبل شیبانی جلد ۸ ص ۱۵۹)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت نہ ملنے کی یہ وجہ ہو کہ استغفار در اصل کسی کے گناہوں کے مواخذہ کی فرع ہے (یعنی گناہ گار کو مواخذہ کا خطرہ ہو اور اس سے چھٹکارا کے لئے اس کی مغفرت کی دعا کی جائے اور وہ شخص جسے دعوت اسلام نہیں پہنچی اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کا مواخذہ نہ ہو گا لہٰذا آپ کے والدہ کے لئے استغفار کی ضرورت نہ تھی اور استغفار کی اجازت نہ ملنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ (آپ کی والدہ ماجدہ) کافرہ تھیں۔ (۱)

ایک مثال سے وضاحت

استغفار کی اجازت نہ ملنا کسی کے کافر ہونے کی دلیل نہیں ہم اس کو ایک شرعی مثال سے واضح کرتے ہیں نماز جنازہ میت کے لئے استغفار کا ایک طریقہ ہے (میت بالغ مرد و عورت) کے لئے تمام موجود نمازی اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ طلب مغفرت کرتے ہیں **اللھم اغفرلحینا و میتنا الخ** (فقہ حنفیہ کے مطابق) اے اللہ ہمارے زندوں اور ہمارے مردوں کو بخش دے لیکن میت اگر نا بالغ ہو تو اس کے لئے طلب مغفرت کی اجازت نہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نابالغ کی نماز جنازہ میں اللھم اغفرلی الخ پڑھنے کی بجائے دوسری دعا پڑھنے کو کہا اب ملا علی قاری والی دلیل یہاں چلائی جائے تو پھر لازم آئے گا کہ ہر مسلمان بچہ بچی مشرک اور کافر ہو جائے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے استغفار کی اجازت نہیں اور جس کے لئے استغفار کی اجازت نہ ہو وہ اس کے کافر ہونے کی دلیل ہے اس کی بجائے اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نابالغ کے لئے مغفرت کی دعا کی بجائے **اللھم اجعلہ لنا فرطا و اجعلہ لنا اجرا و ذخرا** الخ پڑھنے کو اس لئے فرمایا کہ اسے مغفرت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نے دور تکلیف ہی نہ پایا گناہ و نافرمانی کی عمر پانے سے پہلے ہی وہ اللہ سے جا ملا اگرچہ اس

علماء کی تقریریں سننے کا بارہا موقعہ ملا اسلام کی دعوت اس تک پہنچی لیکن وہ گناہ گار نہیں اس لئے گناہوں کے بخشنے کی دعا نہیں بلکہ اسے اپنے لئے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعۃ ہونے کی دعا کی جا رہی ہے اس طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کو تو دعوت اسلام کے ملنے کا نام و نشان تک نہ تھا کیونکہ دعوت حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آکر دینا تھی اور آپ کے والد تو آپ کے پیدا ہونے سے قبل اور آپ کی والدہ آپ کی چھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے تھے اس لئے ان کے لئے استغفار کی اجازت نہ ملنا اس بنا پر تھا کہ وہ اس کا محل نہ تھے۔

ملا علی قاری نے قرآن حکیم کی ایک آیت اپنی تائید میں پیش کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتے وقت حالت نا امیدی میں ایمان قبول کرتا ہے اس کا ایمان مقبول نہیں بلکہ وہ پہلے کی طرح کفر پر ہی مرگیا آیت قرآنیہ یہ ہے **ولیست التوبۃ الخ النساء پ ۴** یہی آیت ملا علی قاری کے ہم نوا بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کا اس سے غیر مومن ہونا ثابت کرتے ہیں جہاں تک اس آیت کا شان نزول ہے اس بارے میں ہم ان تمام ہم خیالوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ کسی ایک تفسیر میں یہ دکھا دو کہ آیت مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کے بارے میں نازل ہوئی تو منہ مانگا انعام دیا جائے گا یا خاص کر والدین نہیں بلکہ عام طور پر ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اہل فترت کہلاتے ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر اس کا مصداق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کو بنانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

اب ہم اس کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان یاس کو نا مقبول کہا یعنی اگر کوئی کافر مرتے وقت نا امیدی کی حالت میں ایمان کا دامن پکڑنا چاہتا ہے تو یہ ایمان قابل اعتبار نہیں کیونکہ یہ ایمان شہودی ہے اور معتبر ایمان وہ ہے جو غیبی ہو لہٰذا مرنے کے بعد زندہ ہونے اور پھر ایمان لانے کا اسی قاعدہ کی بنا پر کوئی فائدہ ہو گا وہ اسی طرح اور اسی کیفیت پر ہی رہیں گے جو بوقت انتقال تھی ہم اس مغالطہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر والدین کریمین کو زندہ کرنے اور ان پر ایمان پیش کرنے کا واقعی کوئی فائدہ نہ تھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ آپ کے والدین کو اس مقصد کی خاطر زندہ کیوں ہونے دیا؟ یہ اعتراض تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ہو گا عجیب بات یہ ہے کہ جس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنے والدین کو زندہ کرنے اور اسلام پیش کرنے کا واقعہ مذکور ہے اس کی صحت کا خود ملا علی قاری بھی اقرار کرتے ہیں اور اس کے مخرجین میں کچھ اکابر کے نام بھی دیتے ہیں حالانکہ ایک محدث ہونے کے ناطہ سے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی مسلم ہے یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے اور پھر اس سے پہلو تہی کی جا رہی ہے علاوہ ازیں اگر زندہ کرنے اور اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائل میں سے شمار کر لیا جائے تو بھی اس میں سکون قلب کا سامان موجود ہے اور یوں اس واقعہ میں عقل کو دو لتیاں مارنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ نے اپنے والدین کو زندہ کیا اور پھر انہیں ایمان لانے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی ہو تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی حالت کفر پر مرے تھے تبھی انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی ورنہ مسلمان کو پھر سے اسلام لانے اور کلمہ پڑھنے کے لئے زحمت دینا کوئی معقول بات نظر نہیں آتی۔

اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین مسلمان تھے اور ایمان پر ہی ان کا خاتمہ ہوا تھا لیکن جس دور میں وہ پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے وہ دور پیغمبر اور رسول کی موجودگی سے خالی تھا یعنی زمانہ فترت تھا اور اس دور میں صرف موحد ہونا ہی نجات کے لئے کافی ہوتا ہے لیکن ایمان کی تفصیل اور مضبوطی امر زائد ہے اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کے والدین ایمان بالتوحید کے ساتھ ساتھ ایمان بالرسالت کا مرتبہ بھی پائیں اور نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت اجابت کا شرف پائیں لہٰذا والدین رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا احیاء اور ان کا ایمان لانا اس وجہ سے متحقق ہوا کہ ایمان کے اعلیٰ مراتب و مدارج انہیں عطا کئے جائیں۔

دونوں احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزہ برکت سے آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا زندہ ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زیارت قبر والدہ کی اجازت ملنا لیکن استغفار کی اجازت نہ ملنے ان دونوں احادیث کا ملا علی قاری نے یوں موازنہ کیا کہ اول الذکر حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن موخر الذکر بوجہ واضح ہونے کے معتبر ہے اور اول الذکر غیر معتبر ہے دو مختلف مضامین والی احادیث میں فیصلہ کرنے کا یہ ہی ایک طریقہ نہیں کہ ایک کو قابل عمل اور معتبر کہہ کر دوسری کو بالکل چھوڑ دیا جائے بلکہ اس سے پہلے دونوں میں تطبیق کی کوشش کی جائے اور اگر ان میں تطبیق ہو سکتی ہو تو پھر یہ طریقہ سب سے بہتر ہے جب غور کیا جائے تو ان دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ حدیث مسلم (موخرالذکر) میں دو باتیں ذکر ہوئیں (۱) استغفار کی اجازت نہ ملنا (۲) زیارت قبر کی اجازت مل جانا ان دونوں باتوں میں سے پہلی بات کو ملا علی قاری وغیرہ نے آپ کی والدہ کے کافرہ ہونے کا دلیل بتائی لیکن زیارت قبر کی اجازت دینا بھی تو اس کے حق میں نہیں جاتا کیونکہ قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا **ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ التوبہ پ ۹**

اے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ ان کفار و مشرکین میں سے کسی کے مرنے پر نہ تو نماز جنازہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر قیام فرمائیں۔

آیت مذکورہ میں کفار و مشرکین کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ سے منع کیا گیا جسے ہم یوں بھی کہہ سکتے

ہیں کہ ان کے لئے استغفار کی اجازت نہ دی گئی اور دوسری بات جس سے منع کیا گیا وہ قیام قبر یعنی اس کی قبر کی زیارت کرنا ہے اب ان دونوں باتوں سے روکنا جب مرنے والے کے کفر و شرک کے وجہ سے ہوا تو صاف ظاہر ہوا کہ کسی کافر کی قبر کی زیارت کرنے کی بھی اجازت نہیں اللہ تعالٰی نے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دونوں میں ایک کام کی اجازت دی اور ادھر خود ہی دونوں سے تمام مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے یا یوں کہہ لیں کہ جب اللہ تعالٰی نے کسی کافر کے مرنے کے بعد ان دو باتوں سے منع کر دیا تھا تو پھر منع کے باوجود ان دونوں باتوں کے کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اجازت طلب کرنا احکام خداوندی میں دخل دینا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھول کر یا فرط جذبات میں اجازت طلب ہی کر لی تھی تو اللہ تعالٰی فوراً" آپ کی توجہ **ولا تصل علی احد منھم مات ابدا** کی طرف فرما دیتا اور یوں نہ استغفار کی اجازت سے انکار ہوتا بلکہ زیارت قبر سے بھی روک دیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ ان خرابیوں اور اعتراضات کی بجائے اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی والدہ مسلمان تھیں موحدہ تھیں توحید پر انتقال ہوا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان کے لئے استغفار کی اجازت طلب کرنا ان کے مراتب میں مزید اضافہ کے لئے تھا جس کو اللہ تعالٰی نے آپ کے ہاتھوں انہیں زندہ کر کے طلب سے بھی زیادہ اعزاز عطا فرما دیا اور ان کا توحید پر رخصت ہونا متحقق تھا اس لئے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی مل گئی یوں دونوں احادیث باہم متعارض نہ تھیں لیکن بادی النظر میں انہیں متعارض کر دیا گیا تھا۔(۵)

اعتراض نمبر (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کا مقام اخروی معلوم کرنا چاہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع کردیا۔

قال ابن جریر و حدثنی القاسم اخبرنا الحسین حدثنی حجاج عن ابن جریج اخبرنی داؤد بن ابی عاصم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم "این ابوای" فنزلت (اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا" وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ) (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۲۴۳ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ابن جریر نے کہا کہ مجھے قاسم نے خبردی اور قسم کو حسین نے اور حسین کو حجاج نے اور حجاج کو ابن جریج نے خبردی کہ مجھے داؤد بن ابی عاصم نے بتایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن کہا۔ میرے ماں باپ مرنے کے بعد کس جگہ ہیں؟ اس پر یہ آیت اتری "بے شک ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں تمہیں پوچھنا نہیں چاہیے۔"

میں (علامہ جلال الدین السیوطی) اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں جس قدر روایات ذکر کی گئی ہیں۔ وہ غالباً ضعیف ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوا اس حدیث کے کوئی صحیح نہیں جس میں ذکر ہے۔ کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کی اجازت طلب کی۔ لیکن اجازت نہ دی گئی۔ اور صرف مسلم شریف کی حدیث بالخصوص آپ کی والدہ کے بارے میں صحیح ہے۔ ان دونوں کا جواب عنقریب آرہا ہے۔ رہی یہ حدیث کہ جس میں آپ نے کہا۔ کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے جواب میں آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (جو اعتراض میں مذکور ہے) تو یہ حدیث کسی قابل اعتماد حدیث کی کتاب میں موجود نہیں بعض تفسیروں میں مذکور ہے۔ لیکن وہاں بھی منقطع سند کے ساتھ ہے۔ لہذا نہ قابل احتجاج ہے اور نہ ہی قابل اعتماد۔ اور اگر تم بے سروپا احادیث سے ہمارے سامنے احتجاج پیش کرنا چاہتے ہو تو پھر ہم بھی اس کے معارضہ میں ایسی ہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ ابن الجوزی نے حضرت علی المرتضیٰ سے مرفوعاً" بیان کیا۔ کہ جبرئیل امین میرے پاس تشریف لائے' اور کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے میں نے تمہاری ہر اس پشت کو آگ پر حرام کردیا جس میں تم رہے اور ہر اس پیٹ کو جس نے تمہیں اٹھایا' ہر اس گود کو جس نے تمہاری تربیت کی یہ سب دوزخ کی آگ پر حرام کردی ہیں یہ واہی حدیث کے ساتھ واہی حدیث کا معارضہ ہوجائے گا۔ مگر ہم نہ لیا کرنے کے حق میں ہیں۔ اور نہ ہی اس طریقہ سے حجت پیش کرتے ہیں۔

پھر یہ سبب کئی اور وجوہات کی بناء پر مردود ہے۔ جن میں اصول بلاغت اور اسرار البیان وغیرہ وجوہات ہیں۔ دیکھئے یہ آیت اور اس کے پہلے مذکور آیات اور اس کے بعد والی آیات بھی تمام کی تمام یہودیوں کے بارے میں ہیں۔ **یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا** الٰے **اِیَّایَ فَارْهَبُوْنَ** تک اور اس کے بعد **اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ** تک یہی وجہ ہے کہ یہ قصہ

جس انداز سے شروع کیا گیا۔ اسی انداز سے ختم بھی فرمایا تو معلوم ہوا کہ "اصحٰب الجحیم" سے مراد اہل کتاب کے کافر ہیں۔ اسی بات کو صراحت کے ساتھ اس روایت میں ذکر کیا گیا۔ جسے عبد بن حمید' فریابی اور ابن جریر و ابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں لکھا۔ یہ سبھی حضرات جناب مجاہد سے بیان کرتے ہیں اور سورہ بقرہ کی ابتدائی چار آیات مومنوں کی تعریف میں۔ اس کے بعد دو آیات کفار کی تعریف میں تیرہ ایات منافقین کے بارے میں اور چالیس سے ایک سو بیس آیات تک بنی اسرائیل کے بارے میں ہیں۔ اس روایت تفسیری سے اشارہ سمجھ اوھر ہی ہوتا ہے۔ کہ اصحاب الجحیم وہی لوگ ہیں جو اہل کتاب کے کافر ہیں۔ اور اسی بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ سورہ مبارکہ مدنی ہے اور اس میں اکثر طور پر یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور لفظ جحیم کو دیکھا جائے تو لغت اور آثار کے پیش نظر یہ اس آگ کا نام ہے جو بہت بڑی ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اصحاب الجحیم سے مراد وہ دوزخ ہے جو آگ کے اعتبار سے بہت بڑی ہے۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا۔ کہ آیت قرآنیہ "لھا سبعۃ ابواب" کی تفسیریوں ہے ان سات دوزخوں میں پہلی جہنم' دوسری لظیٰ' تیسری حطمۃ' چوتھی سعیر' پانچویں سقر' چھٹی' جحیم اور ساتویں ہاویہ ہے اور کہا کہ جحیم میں ابوجہل ہے اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہیں ابوجہل اس درجہ دوزخ کے لائق اس لئے ہوا کہ وہ کفر میں عظیم تھا۔ اس کا بوجھ بہت وزنی تھا دعوت اسلام کے وقت سخت ترین دشمن تھا۔ اور سب کچھ جاننے کے باوجود اس نے انکار کیا' علیحدگی اختیار کی اور دین تبدیل کیے رکھا۔ یہ اس لائق نہ تھا۔ (۵)

مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جن احادیث میں کفر و شرک کا اثبات ملتا ہے وہ ضعیف ہیں۔

۲۔ "کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کہاں ہیں؟" یہ روایت کسی معتمد کتاب میں موجود نہیں ہے۔

۳۔ آیت نمبر ۱۱۹ سورہ بقرہ من جملہ ان آیات میں سے۔ ہے جو بنی اسرائیل کے کفار کے بارے میں نازل ہوئیں یہ بات حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

۴۔ "جحیم" دوزخ کے چھٹے طبقہ کا نام ہے جس کا عذاب پہلے پانچ طبقات سے کہیں بڑھ کر شدید ہے۔ لہٰذا اس میں جانے والے بھی سخت نافرمان ہوں گے۔ جیسا کہ ابوجہل ہے۔ اہل فترت نافرمانوں میں اول تو شمار ہی نہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت معمولی درجہ کے اس لیے ان کا جحیم میں جانا غیر معقول ہے۔

دراصل یہ امور مذکورہ اس اعتراض کے مستقل جوابات ہیں۔ جو تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن جریر ذکر کیا گیا۔ ہم نے ان تمام کو ایک ہی حوالہ کی بہ نسبت ایک جواب کے طور پر پیش کیا ہے۔

جواب دوم:

ابن کثیر نے چونکہ "لا تسئل عن اصحب الجحیم" کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کی اخروی حالت کے استفسار کے جواب میں نازل ہونا بحوالہ ابن جریر لکھا ہے۔ اس لیے ناقل کی بجائے ہم ابن جریر سے پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آیت مذکورہ کے بارے میں ان کا یہی نظریہ ہے۔ کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی؟ ملاحظہ ہو کہ ابن جریر کیا کہتے ہیں۔

تُسْئَلُ کے متعلق ابو جعفر (ابن جریر طبری) کہتا ہے کہ یہ مضارع مجہول واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے۔ اور یہی قراۃ عامہ ہے۔ اس طرح یہ جملہ خبریہ بنے گا۔ معنی یہ ہوگا اے میرے رسول ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ تو آپ وہ تمام باتیں لوگوں تک پہنچا دیں۔ جو آپ کو عطاء کی گئیں۔ کیونکہ آپ کی ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور لوگوں کو ڈرانا ہے۔ اور جو شخص آپ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کرتا ہے۔ آپ اس کے جوابدہ نہیں ہیں۔ نہ ہی اس بات کے کہ وہ اہل جحیم میں سے کیوں ہے بعض اہل مدینہ نے اسے نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے اس قراۃ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ آپ ان تمام احکام کو لوگوں تک پہنچا دیں جو آپ کو دیئے گئے اور آپ اہل جحیم کے حالات کے متعلق سوال نہ کریں۔ اس قراۃ والوں نے اپنی قراۃ کی تاویل ابو کریب کی مروی حدیث سے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جناب وکیع نے موسیٰ بن عبدہ اور انہوں نے محمد بن کعب سے حدیث بیان کی وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ کہا کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ میرے والدین کس مقام میں ہیں؟ اور ان سے کیا سلوک ہوا؟ اس پر **لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** آیت اتری۔ دوسری حدیث جسے حسن بن یحییٰ نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد الرزاق اور انہیں جناب ثوری نے اور انہیں موسیٰ بن عبدہ نے محمد بن کعب قرظی سے یہ روایت بیان کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کاش کہ مجھے اپنے والدین کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ وہ کہاں ہیں؟ آپ نے تین مرتبہ یہ کہا اس پر **لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** آیت اتری اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کا تادم وصال تک نام نہ لیا۔ تیسری حدیث جسے ہم سے قاسم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین نے انہوں نے حجاج عن ابن جریج سے انہوں نے داؤد عن ابی عاصم سے بیان کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن کہا۔ کاش مجھے اپنے والدین کے بارے میں پتہ چل جاتا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور وہ کہاں ہیں؟ تو اس کے جواب میں **اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ الآیۃ** اتری۔

میرے (ابن جریر) نزدیک اس لفظ (تُسْئَلُ) میں ان لوگوں کی قراۃ صواب ہے۔ جنہوں نے اس فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر مخاطب کے طور پر پڑھا اور اسے جملہ خبریہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی اقوام کے حالات و واقعات بیان فرمائے۔ ان گمراہیوں اور کفر کے ساتھ ساتھ حضرات انبیائے کرام کے ساتھ بے باکیوں کا تذکرہ فرمایا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ اے محمد! ہم نے آپ کو ہر اس شخص کے لیے خوش خبری دینے والا بنا کر بھیجا جو بھی آپ پر ایمان لائے اور جو واقعات ہم نے آپ کو بتائے ان میں آپکی اتباع کرے اور جو نہیں بتائے ان میں بھی آپ کی پیروی کرے۔ اور ہم نے آپ کو ان لوگوں کے لیے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جو آپ کا انکار کرتے ہیں اور مخالفت کرتے ہیں لہٰذا آپ میرے احکام لوگوں تک پہنچادیں۔ تبلیغ احکام کے بعد اگر کوئی شخص میرے احکام کا انکار کرتا ہے تو آپ سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کی جائے گی۔ اور اس کے اصحاب جحیم ہونے کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح **لا تسئل عن اصحٰب الجحیم** کی ایک معقول وجہ نظر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی ایک معقول وجہ رکھتا ہے اور ظاہرا" یہی مفہوم و مدلول اس کا بنتا ہے ہاں اگر کوئی دلیل یا حجت ایسی موجود ہو جو اس ظاہری مفہوم کے علاوہ کسی دوسرے مفہوم کی تائید کرتی ہو۔ تو اس وقت وہ دوسرا مفہوم حجت ثابتہ کے ساتھ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ کوئی ایسی خبر نہیں ملتی جو اس کی تائید کرتی ہو۔ اور دلالت کرتی ہو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیت کے ذریعہ اہل جحیم کے بارے میں سوال کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل ہے کہ جو اس مفہوم کو ثابت کرے کہ ظاہری طور پر اس سے آپ کو اہل جحیم کے متعلق سوال کرنے سے روک دیا گیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آیت مذکورہ کا معنی اس کے ما قبل اور ما بعد کی آیات کو دیکھ کر متعین کیا جائے اور اس سے آگے پیچھے تمام تر یہود و نصاریٰ کا تذکرہ ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کا جو اہل کفر ہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں یہی مفہوم صحیح ہے۔ کہ آپ کو ان کفار کے اہل جحیم ہونے کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ آپ مجھ سے ان کے اہل جحیم ہونے کا سوال نہ کریں۔ (۵)

خلاصۂ کلام

ابن جریر کے نزدیک آیت **لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ** کو مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر مخاطب کے ساتھ پڑھنا صواب و صحیح ہے جس کے دلائل انہوں نے دیئے۔ اس قرأۃ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ آپ کو کل قیامت کی ایک خبر دے رہا ہے کہ اے میرے محبوب! یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اگر تعلیمات اسلامیہ سے روگردانی کرکے جہنم میں چلے گئے تو ہم آپ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے انہوں نے کیا کرتوت کیے؟ اس کے خلاف جن لوگوں نے اسے صیغہ نہی کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی تائید میں دو تین احادیث بھی پیش کی ہیں ابن جریر اس کے ناصواب ہونے کی وجوہ بیان کرتے ہیں کہ نہی سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال کرنا موجود ہونا چاہیے تھا۔ جس کا کوئی وجود نہیں۔ لہٰذا بغیر سوال کیے سوال کرنے سے منع کردینے کا کیا مطلب؟ دوسری آیت کریمہ کا ظاہری متن و مفہوم بھی اس قرأۃ کی تائید نہیں کرتا۔ تیسرا اس آیت کا ما قبل و ما بعد بھی اس کی حمایت نہیں کرتا۔ تیسرا ان حالات میں یہ کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ لا تسئل نہی کے طور پر پڑھنا اچھا ہے تو معلوم ہوا کہ قرأۃ نہی

پر کچھ تعلق آپ کے والدین کریمین کے ساتھ بنتا تھا۔ جسے ابن جریر نے صواب نہیں کہا اس لیے ابن جریر کا نظریہ اور ہے اور ابن کثیر کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ابن جریر نے مذکورہ حدیث اپنی تفسیر میں درج فرمائی۔ لیکن جس قراۃ کی تائید میں درج فرمائی وہ ان کی قراۃ پسندیدہ بلکہ صواب نہیں ہے۔

نوٹ:

اگر کسی کے ذہن میں آئے کہ اس جواب سے صرف یہ ثابت ہوا کہ آیت لاتسئل الخ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ لیکن وہ احادیث جو لیت شعری والی ہیں۔ آخر وہ اپنے طور تو موجود ہیں۔ پھر ان کو دیکھ کر یہی مطلب نکلے گا کہ آپ کے والدین جنتی نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں آپ کے والدین کریمین کے دوزخی ہونے پر کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔ دوسرا یہ کہ علامہ السیوطی نے ان احادیث کو کہا **معضل ضعیف ولا تکون بہ حجتہ** یہ معضل اور ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہیں۔ (۵)

اعتراض نمبر ۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملیکہ کے بیٹوں کو کہا تھا تمہاری اور میری ماں جہنم میں ہیں۔

عن علی ابن الحکم عن عثمان بن عمیر عن ابی و ائل عن ابن مسعود قال جاء ابنا ملیکۃ و ھما من الانصار فقالا یا رسول اللہ انا امنا تحفظ علی البعل و تکرم الضیف و قد وائدت فی الجاھلیۃ فاین امنا قال امکما فی النار فقاما و قد شق ذالک علیھما فدعاھما رسول اللہ فرجعا فقال ان امی مع امکما فقال منافق من الناس لی ما یغنی ھذا عن امہ الا ما یغنی ابنا ملیکۃ عن امھما و نحن نطاء عقبیہ فقال رجل شاب من الانصار لم ار رجلا کان اکثر سوا لا لرسول اللہ منہ یا رسول اللہ اری ابواک فی النار فقال ما سالتھما ربی فیعطنی فیھما و انی لقائم یومئذ المقام المحمود الخ ھذا حدیث صحیح الاسناد (المستدرک جلد دوم ص ۳۶۴ ذکر صفۃ حوض الکوثر مطبوعہ بیروت)

ترجمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے ساتھ ملیکہ نامی عورت کے دو بیٹے جو انصاری تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری والدہ اپنے خاوند کی تابع اور بڑی مہمان نواز تھی۔ لیکن جاہلیت کے دور میں اس کا انتقال ہوگیا تھا تو فرمایئے وہ اب کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری والدہ دوزخ میں ہے ان دونوں کو یہ بات ناگوار گزری وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کا ارادہ کرلیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلوایا وہ واپس آئے تو آپ نے کہا بے شک میری والدہ بھی تمہاری والدہ کے ساتھ ہی ہے۔ اس پر لوگوں میں سے ایک منافق نے مجھے کہا۔ یہ (اللہ کا پیغمبر) اپنی والدہ کے کوئی کام نہ آسکا جس طرح ملیکہ کے بیٹے اس کے کام نہ آئے۔ اور ہم اس پیغمبر کی قدم بقدم اتباع کرتے ہیں اس پر ایک انصاری نوجوان نے کہا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بکثرت سوالات کیا کرتا تھا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کے والدین دوزخ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا وہ مجھے عطا فرما دے گا اور میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

ذکر شدہ حدیث کے ابتدائی الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ملیکہ کی طرح جہنم میں ہے اور آخری حصہ میں آپ کے والدین کا دوزخی ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ جنتی ہیں تو پھر ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا کیا معنی لہٰذا اس صحیح الاسناد حدیث سے جب یہ دو باتیں ثابت ہیں تو پھر آپ کے والدین کو جنتی کہنا کس طرح درست ہوا؟

جواب:

ان دونوں باتوں کا وزن دراصل حدیث کی صحت و ضعف پر موقوف ہے۔ اس کے بارے میں چند سطور بعد ہم انشاء اللہ بحث کریں گے پہلے اس بات کا تذکرہ ہوجائے کہ اس حدیث کا آخری حصہ پہلے حصہ کی تشریح کررہا

ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سائل کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے وہ عطا کردے گا جو میں اپنے والدین کے لیے مانگوں گا اس میں صاف صاف ارشاد ہے کہ آپ جتنا بڑا مرتبہ ان کے لیے مانگیں گے عطا ہو گا۔ اگر آپ ان کے لیے جنت میں اعلیٰ مرتبہ کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو اعلیٰ مرتبہ عطاء فرما دے گا اور یہ مسلمہ امر ہے کہ جس شخص کا انتقال کفر و شرک پہ ہوا ہو وہ جنت کے اعلیٰ درجہ میں کجا سرے سے جنت میں ہی نہیں جاسکتا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والدین کریمین زمانہ فترت میں انتقال فرمانے کی وجہ سے جنتی تو ہیں لیکن ادنیٰ مرتبہ میں اس لیے آپ بروز قیامت مقام محمود پر تشریف فرما ہوتے ہوئے ان کے لیے اعلیٰ مرتبہ کا سوال کریں گے۔ لهذا یہ حدیث ان کے دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ ابتداء حدیث میں آپ نے ملیکہ کے بیٹوں کو کہا کہ میری اور تمہاری ماں دوزخی ہیں تو اس کا ایک جواب سیرت حلبیہ کے حوالہ سے یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے۔ تو پھر آپ کا ان دونوں نوجوانوں کو یہ کہنا اس وقت تھا جب کہ آپ نے اپنی والدہ کو دوبارہ زندہ کرکے ایمان سے مشرف نہیں فرمایا تھا۔ اور اس کی مثال بعینہٖ آپ کے والد گرامی کے بارے میں اسی مستدرک میں گزر چکی ہے۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح ہی تسلیم نہ کیا جائے تو پھر قابل استدلال نہیں رہتی۔ یاد رہے کہ صاحب المستدرک علامہ الحاکم کا کسی حدیث کو تنہا صحیح کہہ دینا اسے بالا تفاق صحیح نہیں کر دیتا حوالہ ملاحظہ ہو۔

و یجوز ان یکون قوله لشخصین (امی و امکما فی النار) علی تقدیر صحته التی ادعا ھا الحاکم فی المستدرک کان قبل احیاھا و ایما نہا بہ کما تقدم نظیر ذالک فی ابیہ صلی اللہ علیہ وسلم و قولنا علی تقدیر صحتہ الحدیث اشارہ لما تقرر فی علوم الحدیث انہ لا یقبل تفرد الحاکم بالتصحیح فی المستدرک لماعرف من تساهله فیہ فی الصحیح و لتبین الذهبی ضعف هذا الحدیث و خلف علی عدم صحته یمینا" (سیرت حلبیہ جلد ا ص ۱۷۳ باب وفات امہ مطبوعہ بیروت)

جائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان دو شخصوں کو یہ فرمانا کہ میری اور تمہاری ماں دوزخ میں ہیں جبکہ اس روایت کو بموجب دعویٰ المستدرک صحیح مان لیا جائے یہ اس وقت کی بات ہو جب آپنے اپنی والدہ کو دوبارہ زندہ کرکے اپنے اوپر ایمان لانے کا موقعہ عطا نہ فرمایا ہو جیسا کہ اس کی نظیر آپ کے والد ماجد کے بارے میں اس سے پہلے گزر چکی ہے اور ہم نے جو یہ کہا کہ "اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ علوم حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ الحاکم نے المستدرک میں جس حدیث کو انفرادی طور پر اپنے حوالے سے صحیح کہا یہ صحت قابل قبول نہیں۔ کیونکہ المستدرک میں انہوں نے کافی تساہل سے کام لیا اور کسی حدیث کے صحیح کہنے میں پوری احتیاط نہیں برتی۔ امام ذہبی نے اس حدیث کا ضعیف ہونا بیان کیا ہے۔ اور یہاں تک کہ اس کے عدم صحت پر انہوں نے قسم اٹھائی۔ (۵)

مذکورہ حدیث کی سند میں راوی عثمان بن عمیر 'متروک' غیر مرضی اور ناقابل حجت ہے

کہ عثمان بن قیس ضعیف الحدیث ہے ابن مہدی اس کی احادیث کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ ابی کا کہنا ہے کہ عثمان مذکور فتنہ میں ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن کے ساتھ نکلا اور عمرو ابن علی نے کہا کہ یحییٰ اور عبد الرحمان اس سے خوش نہ تھے راوی نے ابن معین سے بیان کیا کہ اس کی حدیث لیس بشئی ہے ابن حاتم کا کہنا ہے کہ ہمیں ابی نے بتایا کہ میں نے محمد بن عبداللہ بن نمیر سے عثمان بن عمیر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے ضعیف کہا ابی سے میں نے پوچھا انہوں نے بھی اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا شعبہ اس کو پسند کرتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں عثمان کے ہاں گیا تو اس نے شیخ سے کچھ روایات بیان کیں۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا تمہاری اس وقت کتنی عمر ہے کہنے لگا کچھ ہے میں نے اس کی بتلائی ہوئی عمر سے اندازہ لگایا کہ شیخ کی وفات کے وقت اس کی عمر دو سال کی بنتی ہے۔ ابراہیم بن عرعرہ' ابو احمد زبیری سے بیان کرتے ہیں کہ حارث بن معین اور ابو الیقظان (عثمان بن عمیر) رجعت پر یقین رکھتے تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ تشیع میں غلو کرتا تھا میں کہتا ہوں۔ کہ امام احمد بن حنبل نے اس کے متعلق بیان کیا۔ کہ یہ عثمان ابن عمیر ابن عمرو ابن قیس البجلی ہے اور اپنے باپ کے دادا کی طرف نسبت رکھتا ہے۔ امام بخاری نے اسے اوسط میں اس فصل میں ذکر کیا۔ جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ایک سو بیس اور ایک سو تیس ہجری کے درمیان انتقال کر گئے اور کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور حضرت انس سے اس کا سماع نہیں ہوا۔ امام بخاری نے الکبیر میں لکھا ہے کہ یحییٰ اور عبد الرحمن اس کی حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے اور یہ شخص ابن قیس البجلی عثمان بن ابی حمید الکوفی ہے جو زجانی نے امام احمد کے حوالہ سے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور اس کو یہی مرض تھا۔ برقانی کا کہنا ہے کہ دار قطنی نے اسے متروک کیا اور حاکم نے دار قطنی سے بیان کیا۔ کہ یہ ٹیڑھا ہے اور اس کی باتیں قابل حجت نہیں۔ ابن عبد البر نے کہا کہ تمام محدثین نے اسے ضعیف کہا۔ ابو احمد حاکم کا کہنا ہے کہ یہ شخص محدثین کرام کے نزدیک مضبوط راوی نہیں ہے۔ ابن حبان نے کہا۔ کہ ذہنی طور پر اس میں امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی بات تک کو بھول جاتا تھا۔ اس سے احتجاج درست نہیں۔ ابن عدی نے ردی المذہب کہا۔

خلاصہ

المستدرک کی روایت کو لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ یا والدین کریمین کا دوزخی ہونا ثابت کرنا قطعاً قابل التفات نہیں اگر روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی ملیکہ کے بیٹوں کی ماں کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ کو دوزخی کہنا اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ نے اپنی والدہ کو زندہ کرنے کے بعد ایمان نہیں عطا فرمایا تھا۔ اگر روایت ہی صحیح نہ ہو۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے کہ حاکم کی تصحیح' تنہا کافی نہیں ہوتی اور یہ بات درست بھی ہوئی کیونکہ اسی روایت کا ایک راوی عثمان بن عمیر ضعیف' متروک ہوتے ہوئے نا قابل حجت ہے اسی راوی کے ہوتے ہوئے حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرات

محدثین کرام کا فیصلہ درست ہے۔ کہ حاکم کی تصحیح سے ضروری نہیں کہ واقعی حدیث صحیح ہو۔ لہٰذا ایسی روایات سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور والد گرامی کے ایمان سے انکار اور ان کے دوزخی ہونے کا اقرار کسی طرح بھی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ (۵)

والدہ کے لئے استغفار کے منع کی ایک توجیہہ اور اس کی تردید

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہ دینا اس قول کے مطابق ہے کہ اہل فترت میں سے وہ لوگ جنہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا یا بتوں کی پوجا کی وہ عذاب سے نہیں چھوٹیں گے۔ (تو اس سے معلوم ہوا کہ ان قائلین کے نزدیک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ اگرچہ اہل فترت میں سے تھیں لیکن انہوں نے یا تو دین ابراہیمی کو تبدیل کردیا ہوگا یا پھر وہ بت پرست ہوں گی۔ تبھی ان کو عذاب دیا جارہا ہے۔) استغفار سے منع کردینے کو اس قول پر درست سمجھنا قول ضعیف ہے کیونکہ اس قول کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ایمان اور توحید کا وجوب ازروئے عقل ہے اور اکثر اہل سنت و جماعت اس وجوب کے قائل نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیج دیں تو پھر یہ دونوں باتیں واجب ہوجاتی ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عربی لوگوں کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رسالت ان کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ جیسا کہ بقیہ رسولوں کی رسالت کا معاملہ ہے۔ کیونکہ کسی رسول کے وصال فرمانے کے بعد اس کی رسالت کا باقی اور ثابت رہنا صرف اور صرف ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ لہٰذا اہل سنت و جماعت کے اس عقیدہ کے پیش نظر اہل عرب وہ جو اہل فترت ہوئے ان پر کسی قسم کا عذاب نہ ہوگا اگرچہ وہ تغیر و تبدل دین کریں۔ یا بتوں کی پرستش کریں یا وہ احادیث جو اہل فترت کے مذکورہ افراد کو عذاب دینے کے بارے میں آتی ہیں۔ ان کی تاویل کی گئی ہے یا وہ اسلام پر لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے بطور ڈانٹ بیان ہوئیں۔ (۵)

کسی نے کہا ہے کہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ابتداءً نہ تو عذاب دے گا اور نہ ہی ہلاک کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دی گئی نعمت سے محروم نہیں کرتا جب تک وہ خود اس کی تبدیلی کے اسباب پیدا نہ کرے" اور اللہ تعالیٰ کا قول "تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے کر کیا کرے گا۔ اگر تم اس کے شکر گزار ہو اور اس پر ایمان لانے والے بنے رہو۔ اور قول باری تعالیٰ "ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے نہیں ہاں اگر اس کے رہنے والے ظالم ہوجائیں تو پھر ہلاکت ہوسکتی ہے۔" تو یہ تمام آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً کسی کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی کہ اس آیت کریمہ سے ماقبل آیات بھی اسی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں "جو ہدایت پا گیا اس نے اپنے نفع کے

لیے ہدایت پائی۔ اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی کا وبال اس پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا" اور یہ محال ہے کہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی متناقص ہوں لہذا ثابت ہوا کہ جو آیات ہم نے ذکر کیں وہ محکم ہیں۔ اور اسی طرح وہ آیت جس کی تفسیر ہم کر رہے ہیں۔ (وہ بھی محکم ہے) لہذا اس آیت زیر تحریر کو ان آیات پر محمول کرنا چاہئے۔

و ھذہ الایۃ (وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا) ھی التی اطبقت ائمۃ السنۃ علی الاستدلال بھا فی انہ لا تعذیب قبل البعثۃ و ردو ابھا علی المعتزلۃ و من و افقھم فی تحکیم العقل اخرج ابن جریر و ابن حاتم فی تفسیر ھما عن قتادۃ فی قولہ تعالیٰ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" قال ان اللہ لیس بمعذب احدا حتی یسبق الیہ من اللہ خبر اویاتیہ من اللہ بینۃ (مسالک الحنفاء ص ۳۔ ۴ مطبوعہ حیدر آباد)

ترجمہ: اور یہ آیت کریمہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" ان آیات میں سے ایک ہے جن کے بارے میں تمام ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ بعثت سے قبل کسی کو عذاب نہیں ہوگا۔ اس عقیدہ پر جن سے استدلال کیا جاتا ہے اور ان آیات میں سے ایک ہے جن کو معتزلہ کے نظریہ کے رد میں پیش کرتے ہیں۔ وہ نظریہ یہ کہ عقل حاکم ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادہ سے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وما کنا معذبین الخ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی عذاب نہیں دے گا جب تک اس کے پاس کوئی خبر نہیں آ جاتی۔ یا اللہ کی طرف سے کوئی نشانی نہیں آ جاتی۔

توضیح:۔

علامہ السیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو شخص اہل فترت کے بارے میں جنمی ہونے کا قول کرتا ہے وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اسے کوئی نشانی نہیں مل جاتی۔ علاوہ ازیں امام رازی نے امام کعبی کی تفسیر سے بھی یہی ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ابتداء ظلم نہیں فرماتا ہاں اگر وہ ظالم ہوں یا دعوت اسلام کا انکار کریں۔ تو علیحدہ بات ہے۔ ایسی مضمون والی آیات میں چونکہ تناقص ہے اس لیے ثابت ہوا کہ اہل فترت کو قرآن کریم' احادیث مقدسہ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک عذاب نہیں ہو گا۔ (۵)

آیت نمبر (۲)

ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ (الانعام پ ۸ آیت ۱۳۱)

یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔

انما فعلنا هذا بهم لانی لم اکن اهلک القری بظلمهم ای بشرکهم قبل ارسال الرسل الیهم فیقولوا ماجاءنا من بشیر و نذیر و قیل لم اکن اهلک القری بشرک من اشرک منهم (تفسیر طبری جلد ۷، ص ۸۷)

ترجمہ :۔ ہم نے جوان بستیوں کے ساتھ عذاب نہ دینے کا سلوک کیا یہ اس لیے کہ میرا قاعدہ ہے کہ میں کسی بستی کے رہنے والوں کو ان کے ظلم و شرک کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دوں کیونکہ اس طرح عذاب دینے کے بارے میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے اور خوش خبری دینے والا نہیں آیا۔ اور اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی بستی کو میں ان لوگوں کی وجہ سے جو اس میں شرک کرتے ہیں ہلاک نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ الخ یعنی ہم نے جن و انس کی طرف اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر حجت تمام کردی۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کا مواخذہ از روئے ظلم نہ بن جائے۔ جبکہ اس کے پاس دعوت اسلام نہ پہنچی ہو۔ اور ہم نے گزشتہ امتوں کے لیے بھی حجت تمام کردی۔ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی بغیر رسول کے بھیجے کے عذاب نہیں دیا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر بستی میں کوئی نہ کوئی خوش خبری دینے والا آیا ایک اور قول باری تعالیٰ ہے ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا جس نے انہیں کہا اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ایک اور قول خداوندی ہے ہم رسول کے بھیجے بغیر کسی کو عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے جب دوزخ میں کسی جماعت کو ڈالا جائے گا تو دوزخ پر مقرر کیے گئے فرشتے ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے یقیناً" ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں۔ ابن جریر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا بظلم فرمانا دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو اس کے ظلم و شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کرتا۔ اور فرماتا ہے۔ کہ میں ان لوگوں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ عذاب سے پہلے ان کے پاس اپنے رسول بھیجتا ہوں۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی حجتوں پر مطلع کرتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ انہیں بے خبری اور غفلت میں عذاب دیتا ہے۔ تاکہ وہ یہ بہانا پیش کردیں کہ ہمارے پاس کوئی بشیر نہیں آیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں کسی بستی والوں کو تنبیہہ' تذکیر اور عبرت دیئے بغیر ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کرنا دراصل ان پر ظلم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم روا نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۸۷)

توضیح :۔

مذکورہ آیت کی تفسیر و تشریح میں دو مشہور مفسرین کرام کی عبارت ہم نے نقل کی ہے۔ ان میں علامہ قرطبی تو اس نظریہ کے قائل ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین موحد اور جنتی ہیں۔ دوسرے مفسر جناب اسماعیل ابن کثیر ہیں جو اس سے مختلف نظریہ کے قائل ہیں ابن تیمیہ اس سلسلہ میں ابن کثیر کا پیش رو ہے

بہر حال آیت مذکورہ میں علامہ قرطبی کی تفسیر اور ابن کثیر کی تفسیر میں کوئی خاص فرق نہیں۔ دونوں نے یہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب میں گرفتار نہیں کرتا۔ جب تک اس قوم کے پاس کوئی اس کا پیغام پہنچانے والا نہیں ۔مقصد بنا یہ اس لیے تاکہ اس قوم کے پاس اپنے کفر و شرک کا عذر باقی نہ رہے۔ اسی بات کی تائید اور تصدیق میں ابن کثیر نے چند اور آیات قرآنیہ بھی پیش کی ہیں۔ آیت کریمہ میں "ظلم" کے بارے میں یہ دو تو جیہیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی نسبت قوم کی طرف اور دوسری یہ کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تو مطلع یہ ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ ظلماً" کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے اور نہ ہی کسی قوم کے محض ظلم کو دیکھ کر اس پر عذاب اترتا ہے۔ ہاں اگر انبیائے کرام میں سے کوئی اس قوم کے پاس آگیا اور اس قوم نے اس پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہ دھرا تو پھر ان کا ظلم ناقابل معافی ہے اب اسی آیت کریمہ کے مضمون کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین پر چسپاں کریں تو دونوں احتمال موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر تشریف نہیں لائے کیونکہ دونوں کا وصال زمانہ فترت میں ہوچکا تھا اب اگر بعثت پیغمبر کے بغیر انہیں معذب ثابت کیا جائے تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ نے (معاذ اللہ) ظلم کیا۔ اور ان کا عذر دور کرنے کے لیے کوئی سامان نہ کیا یہ اس وقت جب کہ آپ کے والدین کریمین سے ایسے افعال کا صدور ثابت ہو۔ جو وجہ تعذیب بن سکیں اور اگر ایسے افعال کا صدور ثابت کرنا ناممکن ہو تو پھر دوہرا ظلم ہوگا ایک یہ کہ ان کی طرف کوئی پیغام پہنچانے والا بھی نہ بھیجا۔ اور دوسرا انہوں نے کوئی ایسا کام بھی کیا جو باعث تعذیب ہو سکتا۔ اور اگر یہ ثابت ہو سکے کہ ان دونوں سے "ظلم" کا صدور ہوا تھا تو پھر بھی ان کے معذب ہونے کی آیت مذکورہ نفی کرتی ہے۔ لہذا ابن کثیر وغیرہ ان آیات کے وسیع مفہوم کو اگر پیش نظر رکھتے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جہنمی ہونے کا قول نہ کرتے۔ آیت مذکورہ کی نص صریح کی مخالفت کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا ہی خیال کر لیتے تو بھی ایسا قول نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ (۵)

آیت نمبر (۳)

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۴)

ترجمہ :۔ اور اگر ہم انہیں کسی رسول کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا۔ تاکہ ہم تیری آیت کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوئے؟

آیت مذکورہ بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہے۔ جو گزشتہ اوراق میں مذکور ہو چکا۔ یعنی یہ کہ کسی قوم کو یونہی عذاب میں گرفتار کرنا ایک غیر معقول اور غیر منصفانہ طریقہ ہے کیونکہ اس بارے میں ان کا یہ عذر معقول ہے کہ

ہمیں کوئی سمجھانے بتانے والا ہی نہیں آیا لہٰذا اس عذر کے پیش نظر کسی کو بعثت پیغمبر کے بغیر اس کے جرموں کی سزا نہیں ہوگی۔

(ولو انا اهلكنا هم بعذاب من قبله) اى لو اهلكنا كفار مكة من قبل نزول القرآن و بعثة محمد صلى الله عليه وسلم (لقالو ربنا لولا ارسلت الينا رسولا") اى لقالو يا ربنا هلا ارسلت الينا رسولا" حتى نؤمن به و نتبعه (فنتبع اياتك من قبل ان نذل و نخزى) اى فنتمسك بآياتك من قبل ان نذل بالعذاب و نفضح على روس الاشهاد قال المفسرون واد تعالى ان يبين انه لا حجة لا حد على الله بعد ارسال الرسل و انزال الكتب فلم يترك لهم حجة ولا عذرا"

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص ۴۵۲)

ولو انا اهلکناهم الخ یعنی ہم اگر مکہ کے کافروں کو قرآن کریم کے اتارنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس پر ایمان لاتے اور اس کی پیروی کرتے۔ ہم تیری آیات سے تمسک کرتے یہ سب کچھ ہم عذاب چکھنے سے پہلے اور محشر میں سرعام رسوا ہونے سے قبل کر لیتے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب کسی کی طرف کوئی رسول بھیج دیا جاتا ہے اور کوئی آسمانی کتاب اتار دی جاتی ہے تو اس کے بعد اس آدمی کے پاس عذاب و رسوائی سے بچنے کا نہ کوئی عذر مسموع ہوگا اور نہ ہی کوئی حجت باقی رہے گی۔

توضیح:

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون قدرت کی طرف مفسرین کرام نے متوجہ کیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب میں اس وقت مبتلا کرتا ہے جب اس کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو اور وہ عذر خود اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں بیان فرمایا۔ ایک یہ کہ وہ کہے میرے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ جو مجھے تیرے احکام بتاتا لہٰذا میں بے قصور ہوں۔ دوسرا یہ کہ کسی اور طریقہ سے اس کے پاس اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچے۔ اور پھر وہ ان کو نہ مانتا۔ آیت مذکورہ میں (کفار) کے عدم اہلاک کا تذکرہ ہے اور وہ جو "کافر" بھی نہ ہو جس کا کفر ثابت نہ ہوسکے۔ تو اس کے لیے یہ عذر قابل قبول نہ ہوں گے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین نے پوری زندگی کسی اللہ کے رسول کی تبلیغ کا زمانہ نہ پایا۔ اور نہ ہی کوئی کتاب ان کو احکام الٰہی بیان کرتی تھی۔ اس لیے اول تو ان کا کفر ثابت کرنا ہی دلیل کا طالب ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو پھر بھی ایسی عذاب دیا جانا اللہ تعالیٰ کی قانون کے خلاف ہے لہٰذا یہ آیت بھی من جملہ ان آیات میں سے ایک ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے غیر معذب ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ جب وہ غیر معذب ہیں تو پھر جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہوئے۔

آیت نمبر (۴)

وَلَوْ لَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
(سورۃ قصص پارہ ۲۰ آیت ۴۷)

اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت ان کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے اے میرے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔

ای و ارسلناک الیھم لتقیم علیھم الحجۃ و لینقطع عذر ھم اذ جاء ھم عذاب من اللہ بکفر ھم لیحتجوا بانھم لم یاتھم رسولا" ولا نذیرا" (تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۳۹۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

یعنی ہم نے آپ کو ان کی طرف اس لیے بھیجا تاکہ ان پر حجت قائم ہوجائے اور ان کا عذر ختم ہوجائے کیونکہ جب ان کے پاس ان کے عذاب کی وجہ سے اللہ کا عذاب آیا تو وہ یہ بہانا پیش کرسکتے ہیں کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی رسول آیا اور نہ ہی کوئی ڈرانے والا۔

توضیح:۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا ایک قانون ذکر کر رہا ہے۔ وہ یہ کہ ہم کسی کو بلا وجہ عذاب نہیں دیا کرتے اور ایسا نہیں ہوگا کہ کسی صاحب عذر کو ظلما" ہم سزا دیں اسی لیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو ان لوگوں کی طرف بھیجا تاکہ کل سزا پاتے وقت ان کا یہ بہانہ نہ ہوسکے کہ ہمارے پاس کوئی رسول و نذیر نہیں آیا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو اگر بقول مخالفین اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالتا ہے تو پھر اس کا قانون کہاں ہوگا وہ کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ لہٰذا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو جہنمی کہتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کو اس کے اپنے قانون کا مخالف کہتے ہیں۔

آیت نمبر (۵)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ
(پ ۲۰ سورۃ القصص آیت ۵۹)

اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے۔ جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے۔ اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے۔ مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار ہوں۔

(وما کان ربک مھلک القری) ای ماجرت عادۃ اللہ جل شانہ ان یھلک اھل القری الکافرۃ (حتی یبعث فی امھا رسولا" یتلو علیھم ایاتنا) ای حتی یبعث فی اصلھا عاصمتھا رسولا یبلغھم رسالتہ اللہ لقطع الحجج و المعاذیر (وما

کنا مھلکی القری الا و اھلھا ظلمون) ای وما کنا لنھلک القری الا و قد استحق اھلھا الا ھلاک لا صرارھم علی الکفر بعد الا عذار الیھم ببعثۃ المرسلین قال القرطبی اخبر تعالی انہ لا یھلکھم الا اذا استحقوا الھلاک بظلمھم و فی ھذا بیان بعدلہ و تقدسہ عن الظلم و ھلا کھم مع کونھم ظلمین الا بعد تاکید الحجۃ، والا لزام ببعثۃ الرسل (صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص ۴۴۰ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

اللہ جل شانہ کی یہ عادت کریمہ جاری و ساری نہیں کہ کسی بستی کے کفار کو ہلاک کرے یہاں تک کہ ان کے پاس کوئی رسول نہ بھیج دے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائے یہ اس لیے تاکہ ان کفار کے تمام عذر اور حیلے بہانے ختم ہوجائیں اور ہم کسی بستی کے رہنے والوں کو اس وقت تک ہلاک کرنے والے نہیں جب تک وہ کفر پر اصرار کرنے کی وجہ سے ہلاکت کے حق دار نہیں ہوجاتے اور کفر پر اصرار بھی ہماری طرف سے بھیجے گئے رسولوں کی پیغام رسانی کے بعد واقع ہو۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ان آیات کریمہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ وہ کفار کو صرف اسی صورت میں ہلاک کرتا ہے۔ جب وہ ہلاکت کے مستحق ہوجاتے ہیں۔ اور یہ ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کا ظلم کرنے سے پاک ہونا بیان ہورہا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان پر اپنے پیغمبر مبعوث فرما کر اتمام حجت نہیں کرلیتا۔ اس وقت تک ان کو ہلاک نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ○ ذِكۡرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ○ (پ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۲۰۸: ۲۰۹)

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی جسے ڈر سنانے والے نہ ہوں۔ نصیحت کے لیے اور ہم ظلم نہیں کرتے۔

ای الا ما الزمنا ھم الحجۃ بارسال الرسل مبشرین و منذرین ای وما کنا ظلمین فی تعذیبھم لا ننا اقمنا الحجۃ علیھم و اعذرنا۔

(تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد دوم ص ۳۹۶ مطبوعہ بیروت جدید)

یعنی جب تک ہم اپنی طرف سے ان کی طرف رسولان کرام بھیج کر حجت تمام نہیں کرلیتے جو انہیں خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت ان پر ہلاکت کا حکم نہیں دیتے اور جب انہیں ہلاک کردیتے ہیں تو ہمارا یہ فعل ظالمانہ فعل نہیں کیونکہ ہم نے ان کے لیے کوئی عذر نہ چھوڑا اور نہ ہی کوئی حجت بازی کا موقع رہنے دیا۔

توضیح :-

کسی قوم کو ارسال پیغمبر کے بغیر تباہ و برباد کرنا "ظلم" ہے اور اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ لہٰذا بعثت انبیاء کے بعد بھی اگر کوئی کفر و ظلم پر ڈٹا رہتا ہے تو اب اسے گرفتار ہلاکت کرنا عدل و انصاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان ہلاک ہونے والوں کے پاس کوئی معقول عذر نہیں اور نہ ہی کوئی اپنے کفر کی وجہ جواز۔

آیت نمبر ۷:

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ۔ (پ ۲۲ سورۃ الفاطر آیت ۳۷)

اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب ہمیں نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی۔ جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا۔ اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا۔ اور اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے چلاتے دوزخیوں کی ایک تمنا کے جواب میں فرمایا۔ کہ کیا تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں سمجھنے والا سمجھ جاتا اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا رسول تشریف نہ لایا تھا؟ یعنی جب یہ دونوں اسباب ہدایت تمہیں دنیا میں دے گئے تھے تو پھر تم کفر و شرک پر کیوں ڈٹے رہے؟ تمہارے اس اصرار کا کوئی بہانہ یا عذر ہو تو پیش کرو۔ لہٰذا ان اسباب ہدایت کے بعد تمہارا روگردانی کرنا' یہاں دوزخ میں آنے کا سبب بنا۔ جس سے چھٹکارا ناممکن۔ جہاں تک دوسری بات یعنی کسی ڈرانے والے کے تشریف لانا کا تعلق ہے۔ ہم نے مختلف آیات سے اس کی وضاحت پیش کردی ہے رہا "عمر عطا کرنے کا معاملہ" تو اس بارے میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اس عمر سے مراد سوجھ بوجھ والی عمر ہوگی۔ جس کی ابتداء بلوغ سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے شروع ہوتے ہی آدمی ہر معاملہ کو نہیں جان جاتا۔ اسے مزید کچھ عرصہ چاہیے اس لیے مفسرین کرام نے اگرچہ ۱۸' ۱۷ سال کی عمر بھی بیان کی ہے۔ مگر ترجیح ساٹھ سال کی عمر کو دی گئی۔ اس بارے میں ہم "ابن کثیر" کا حوالہ نقل کرتے ہیں جو زیر بحث مسئلہ میں ایک اہم شخصیت ہے۔ چنانچہ اسی آیت کریمہ کے تحت وہ رقمطراز ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جناب مجاہد بیان کرتے ہیں کہ وہ عمر کہ جس میں اللہ تعالیٰ اولاد آدم کا عذر قبول نہ کرے گا اور جس کا تذکرہ اس نے روایت اولم نعمر کم الخ میں فرمایا۔ ساٹھ سال ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ترین ہے۔ اور نفس الامر میں بھی یہی صحیح ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مذکورہ میں مذکور عمر سے مراد ساٹھ برس ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن پکارا جائے گا کہاں ہیں ساٹھ برس والے لوگ؟

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ ساٹھ یا ستر برس کی عمر عطا کردے وہ عذر نہ پیش کرسکے گا۔

امام بخاری نے کتاب الرقاق میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ستر سال کی عمر

عطا ہوئی وہ غیر معذور ہوگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساٹھ سال کی عمر والے کو اللہ کے حضور غیر معذور فرمایا۔

اسی مضمون کی روایت مختلف اسناد سے مختلف محدثین کرام نے نقل فرمائی ہے سرکار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ جنتی ہیں قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے حوالہ سے ان کا قول قطعاً" قابل قبول نہیں کیونکہ نص صریح کے ساتھ اس آیت میں مذکور ہے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی نذیر' نہیں آتا اور پھر وہ کفر و شرک پر اصرار کرے اس وقت تک وہ عذاب کا مستحق نہیں۔ آپ کے والدین کریمین جس زمانہ میں آئے اور تشریف لے گئے اس میں کوئی بھی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا جیسا کہ اس کی تحقیق ہم کر چکے ہیں۔ لہذا آیت ہذا کی اس نص صریح کے مقابلہ میں ان لوگوں کے قول کی کوئی وقعت نہیں ہوگی اور نہ ہی اس سے سرکار دو عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کا دوزخی ہونا ثابت ہوگا۔ (۵)

مصادر

(۱) ابوین مصطفیٰ — محمد فیض احمد اویسی

(۲) البدرین و النعمین — ابو محمد حبیب الرحیم

(۳) دین آباء النبی — سید حشمت حسین جعفری

(۴) مسالک الحنفاء — جلال الدین سیوطی

(۵) نور العینین — محمد علی۔ کیلیانوالہ

(۶) صحیح بخاری — محمد بن اسماعیل بخاری

(۷) صحیح مسلم — مسلم بن حجاج نیشاپوری

(۸) جامع ترمذی — محمد بن عیسٰی

(۹) الطبقات الکبریٰ — ابن سعد

(۱۰) تاریخ ابن خلدون — ابو زید ولی الدین

(۱۱) تاریخ ابو الفداء — عماد الدین اسماعیل

(۱۲) تاریخ الامم والملوک — ابن جریر طبری

(۱۳) البدایہ والنہایہ — ابن کثیر دمشقی

(۱۴) تاریخ خمیس — حسین بن محمد دیار بکری

(۱۵) تاریخ کامل — ابن اثیر جزری

(۱۶) مروج الذہب — علی بن حسین مسعودی

(۱۷) المستدرک — امام حاکم نیشاپوری

(۱۸) السیرت النبویہ — ابن ہشام

(۱۹) السیرت النبویہ — سید احمد زینی

(۲۰) شرح فقہ اکبر — ملا علی قاری

(۲۱) شرح مواہب لدنیہ — محمد بن عبد زرقانی

(۲۲) شرح حدیدی — ابن ابی الحدید معتزلی

(۲۳) انوار محمدیہ — یوسف نبہانی

(۲۴) خصائص کبریٰ — جلال الدین سیوطی

(۲۵) مواہب لدنیہ — احمد بن محمد قسطلانی

(۲۶) میلاد النبی — عبدالرحمان ابن جوزی

(۲۷) الوفاء — " " "

(۲۸) دلائل النبوت — احمد بن حسین بیہقی

(۲۹) معارج النبوت — معین الدین کاشفی

(۳۰) سیرت حلبیہ — علی ابن برہان الدین حلبی

(۳۱) حیات القلوب — محمد باقر مجلسی

(۳۲) جواہر البحار — یوسف نبہانی

(۳۳) الذکر الجمیل — مفتی محمد شفیع

(۳۴) نشر الطیب — اشرف علی تھانوی

(۳۵) مقالات نبوت — افکار الحسن

(۳۶) مناقب — ابن شہر آشوب

(۳۷) اسوۃ الرسول — فوق بلگرامی

(۳۸) مدارج النبوت — عبدالحق دہلوی

(۳۹) حلیۃ الاولیاء — ابو نعیم اصفہانی

(۴۰) سیرت النبی — شبلی نعمانی

خصوصی عطیات

جناب سید عابد علی زیدی (چیئرمین زیدی فاؤنڈیشن) کراچی	دس ہزار روپے
جناب مختار علی جانوری لاڑکانہ (برائے ایصال ثواب والد مرحوم)	پانچ ہزار روپے
جناب سید مظہر حسین نقوی کراچی	چار ہزار روپے
جناب انور عباس حیدر علی ملا کراچی	دو ہزار روپے
جناب بشیر ملک اسلام آباد	دو ہزار روپے

ماہانہ عطیات

جناب مرزا حسین علی صاحب	لاہور	پندرہ سو روپے ماہانہ
جناب حاجی معراج دین صاحب	لاہور	ایک ہزار روپے ماہانہ
جناب امیر عباس گوکل صاحب	کراچی	پانچ سو روپے ماہانہ
جناب علی رضائی۔ لاکھانی صاحب	کراچی	پانچ سو روپے ماہانہ

قارئین کرام

ہم نے فلسفہ توحید پر ۱۵، سیرت النبی پر ۳۰ اور انسائیکلو پیڈیا حضرت علی پر ۲۵ جلدیں تالیف کی ہیں۔ جن میں سے بحمد اللہ اب تک ۲۵ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ بقیہ کتب کو زیور طباعت سے آراستہ کرانے کے لئے ہمیں آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) یا تو آپ خمس۔ زکوٰۃ یا دیگر صدقات سے ہمارے ادارے کی اعانت فرما سکتے ہیں۔ (ہمارے پاس عراق اور ایران کے مجتہدین کے اجازے موجود ہیں۔)

(۲) یا آپ اپنے بزرگوں کے ایصال ثواب یا تبلیغ دین کی خاطر کچھ جلدیں چھپوا کر مفت تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۳) یا آپ کچھ کتب خرید کر مدارس کی لائبریریوں' علماء کرام اور غریب طلبہ کو مفت دے سکتے ہیں۔

(۴) یا آپ ایک ہزار روپے سالانہ کی ممبر شپ اختیار فرما سکتے ہیں۔ اس صورت میں ادارہ آپ کا نام کتاب میں شکریہ کے ساتھ شائع کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنی تمام مطبوعات مفت مہیا کرے گا۔

(۵) یا آپ پچیس روپے ماہانہ کے ممبر بن سکتے ہیں۔ اس صورت میں ادارہ ہر دو ماہ کے بعد ایک جلد اور مجموعی طور پر سال بھر میں چھ جلدیں مفت پیش کرے گا۔

منظوری از حکومت پنجاب

حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم نے اپنے خط نمبری SO (PI) ۴ - ۱۲۵ / ۹۱ مورخہ ۱۳-۸-۹۱ کے ذریعے ہماری کتاب "سیرۃ النبی" سکولوں' کالجوں اور پبلک لائبریریوں میں رکھنے کی منظوری دے دی ہے۔ یہ خط ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن (کالجز)' ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن (سکولز) اور ڈائریکٹر جنرل پبلک لائبریریز پنجاب۔ لاہور کے نام لکھتے ہوئے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے زیر نگرانی تمام اداروں کو اس بات سے آگاہ کر